اَلَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِىَّ الۡاُمِّىَّ الَّذِىۡ يَجِدُوۡنَهٗ مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِى التَّوۡرٰٮةِ وَالۡاِنۡجِيۡلِ يَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهٰٮهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰٓـئِثَ وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ. [الاعراف7: 157]

مومن وہ ہے جو اُن کی عزت پہ مرے دل سے

آغازِ سخن: اللہ عزوجل نے انسانوں کو مختلف خوبیوں، اوصاف اور کمالات سے نوازا ہے۔ کچھ اوصاف ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ انسان کی کوشش کی برکت سے عطا کر دیتا ہے، اور بے شمار ایسے ہیں جن میں کوشش کا کوئی دخل نہیں وہ محض اللہ کی عطا ہیں ، يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَآء . ہمارے آقا و مولا ﷺ کا امتیاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کو جو خوبیاں عطا کیں یا کرے گا اُس نے وہ سب کی سب پورے کمال کے ساتھ ہمارے آقا و مولا ﷺ میں جمع فرمادیں۔ مولانا جامی علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا:

حُسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، ید بیضا داری　　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس شعر پر کسی نے خوبصورت تضمین کی:

جَذب و توحید و تَوَکُّل ہو کہ ہو قَلبِ سلیم
عقلِ صافی ہو کہ اِعجاز کی قدرت کاری

کامیابی ہو کہ ہو قوتِ قُدسی کا ظہور
دَفعِ نُقصان و ضَرر رَغبتِ نیکو کاری

حُسن و احسان و فتوحات و کمالِ تعلیم
خدمتِ خَلق ہو یا عشقِ جنابِ باری

اَلغرض جو بھی ہوں مِعیارِ کمالاتِ بَشَر
میرے آقا کی مُسلَّم ہے وہاں سرداری

تِری ایک ایک اَدا صَلِّ علیٰ، صَلِّ علیٰ
تیری ہر آن پہ سو جان سے جاؤں واری

حُسنِ یوسُف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

فقط یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں بے شمار ایسی خوبیوں سے بھی نوازا ہے جو اولین و آخرین میں سے کسی کو بھی عطا نہیں فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ خود اپنی مبارک زبان سے یہ خوبیاں بیان فرماتے۔ علما اِنھیں "خصائصِ مصطفی ﷺ" سے تعبیر کرتے ہیں۔

آپ ﷺ کے خصائص میں سے ایک یہ ہے باری تعالیٰ نے جیسی عزت آپ کو عطا کی ہے نہ پہلے کسی کی ایسی عزت افزائی فرمائی تھی نہ بعد میں فرمائے گا۔ اپنی مخلوق کو جس قدر آپ ﷺ کی تعظیم کا حکم دیا ہے اتنی تاکید نہ پہلے کسی کی تعظیم کے لیے فرمائی نہ بعد میں فرمائے گا۔ اِسی لیے مسلمان آپ کی ناموس کے حوالے سے بہت حسّاس ہوتا ہے اور اُس کے خلاف کوئی بات بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

کفار کی سازش اور اُس کا سدّ باب: اس وقت پورا عالمِ کفر اس کوشش میں ہے کہ مسلمان ناموسِ رسالت کے بارے میں حساس نہ رہیں۔ یہودی اور عیسائی چاہتے ہیں کہ جیسے ہم جناب موسیٰ اور جناب عیسیٰ علیہما السلام کے بارے میں بے حس ہیں، اُن کی توہین پر ہمیں غیرت نہیں آتی، ایسے ہی مسلمان تاجدارِ ختمِ نبوت ﷺ کے بارے میں غیور اور حسّاس نہ رہیں، وہ بھی ناموسِ رسالت کے خلاف باتوں کو برداشت کر لیں۔ ہر دو، تین سالوں کے بعد خاکوں کی اِشاعت اور دیگر کارروائیاں ہماری غیرت ختم کرنے کے لیے ہی ہیں۔ ایسے میں ضرورت ہے کہ وہ جتنا زور ہمارے دلوں سے تعظیم کو ختم کرنے کے لیے لگا رہے ہیں ہم اُس سے کہیں زیادہ کوشش دلوں میں تعظیم مصطفیٰ ﷺ بڑھانے کے لیے کریں۔ وہ ہمیں آپ ﷺ سے جتنا دور کرنا چاہتے ہیں ہم اُس سے کہیں زیادہ قریب ہوں اور وہ ہمیں "دانشمند" بنانے کے لیے جتنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں ہم اُس سے کہیں زیادہ توجہ "اُن کا دیوانہ" بننے پر دیں۔

تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ

تعظیم مدارِ ایمان ہے: تعظیم رسول ایسی اہم دولت ہے کہ اگر دل میں آپ ﷺ کی تعظیم ہے تو ایمان محفوظ ہے، اگر دل میں اُن کی تعظیم و توقیر نہیں تو ایمان کی سلامتی بہت مشکل ہے۔ امامِ اہل سنت علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا:

مومن وہ ہے جو اُن کی عزت پہ مرے دل سے

اللہ تعالی نے تعظیم مصطفیٰ ﷺ پر دونوں جہانوں کی کامیابی کو موقوف قرار دیتے ہوئے فرمایا:

{فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ} [الاعراف157:7]

یعنی دنیا و آخرت میں مراد پانے والے صرف وہی ہیں جو نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لائے اور اُن کی تعظیم کی اور اُن (کے دین) کی مدد کی اور اُن پر نازل ہونے والے نور (قرآن مجید) کی پیروی کی۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کی تعظیم کا اعتقاد، اپنی زبان اور اعمال سے اُس کا اِظہار اور ظاہر و باطن سے آپ کی تکریم و توقیر نہ صرف لازم اور فرض ہے، بلکہ ایمان کا اہم رکن ہے۔ (ملخص از صراط الجنان)

قرآن کریم اور تعظیم کی تربیت: دنیا میں بڑے بڑے پُر وقار ایوان ہیں، جن میں داخل ہونے والے کو کچھ آداب پیشِ نظر رکھنا پڑتے ہیں۔ ان آداب کی خلاف ورزی پر وہاں کا قانون حرکت میں آ جاتا ہے۔ ان تمام ایوانوں کے آداب انسانوں ترتیب دیے ہوئے ہیں۔ ایک بارگاہ ایسی بھی ہے جس کے آداب خود خالقِ کائنات جل جلالہٗ نے قرآن میں پاک میں تعلیم فرمائے ہیں۔ قرآن پاک میں سکھائے گئے آداب میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

- آپ ﷺ تمہیں بلائیں تو حاضری میں تاخیر نہ کرنا، سب کچھ چھوڑ کر فوری طور پر پیش ہو جانا۔[1]
- درِ اقدس پر حاضر ہو کر آوازیں نہ لگانا، بلکہ اُن کی تشریف آوری کا انتظار کرنا۔[2]
- (بہتر ہے کہ خلوت و تنہائی میں) کوئی عرض پیش کرنے سے پہلے صدقہ و خیرات کرنا،[3] تاکہ تمہیں احساس رہے کہ کتنی بڑی بارگاہ میں معروضات پیش کر رہے ہو۔
- عرض پیش کرنے کا انداز بھی نہایت عاجزانہ اور مؤدبانہ ہو، عامیانہ لہجہ اور انداز نہ رکھنا، بلکہ پست آواز میں عرض کرنا۔[4]
- درِ اقدس پر حاضری کے وقت وہاں دائیں بائیں نہ دیکھنا،[5] ہمہ تن گوش ہو کر اُن ہی کی طرف متوجہ رہنا۔
- توجہ کے باوجود کوئی بات سننے سے رہ جائے تو نہایت ادب سے عرض کرنا: "آقا! نگاہِ کرم فرمایئے"۔[6]
- اُنھیں پکارنا ہو تو نام لے کر نہ پکارنا،[7] القابات کے ذریعے التجا کرنا اور کہنا: "یا رسول اللہ!"، "یا حبیب اللہ!" وغیرہ۔
- زیادہ سوالات نہ کرنا،[8] کہیں قلبِ اطہر پر گراں نہ گزرے۔
- کسی بات یا عمل میں اُن سے آگے بڑھنے کی کوشش بھی نہ کرنا۔[9]
- حاضری کا مقصد پورا ہو جائے تو آپس میں گپ شپ کے بجائے فوری طور پر واپس پلٹ آنا۔[10]
- بارگاہ سے بغیر اجازت لیے رخصت نہ ہونا۔[11]
- اُن کا تاکیدی حکم ایسا اٹل فیصلہ ہے جس کے خلاف نہ تو کہیں اپیل ہو سکتی ہے اور نہ ہی دل و جان سے اُس پر عمل کرنے میں کوتاہی کی گنجائش ہے۔[12] ایمان بچانا چاہتے ہو تو حکم ملتے ہی کہنا: "جو حکم ہو سر آنکھوں پر"۔[13]

---

[1] الانفال:24

[2] الحجرات:4،5

[3] المجادلہ:12

[4] الحجرات:2

[5] الاحزاب:53

[6] البقرہ:104

[7] النور:63

[8] البقرہ:108

[9] الحجرات:1

[10] الاحزاب:53

[11] النور:62

[12] النساء:65

[13] النور:51

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید وبایزید ایں جا

توہین کفرہے: قرآنی حکم کے مطابق اُن کی بارگاہ میں تعظیم وتوقیر کے خلاف آواز بلند کرنے سے ایمان تباہ ہو جاتا ہے اور تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔(الحجرات 2:49) شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے برادرِ مکرم خواجہ فخر الدین سیالوی علیہ الرحمہ نے خوب کہا:

باب جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے
فخر کہتے ہوئے جبریل کو یوں پایا گیا
اپنی پلکوں سے دربار پہ دستک دینا
اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا[14]

ناموسِ رسالت کی حساسیت: انسانوں کے بنائے ہوئے آداب کی خلاف ورزی پر قانون حرکت میں آجائے تو اُس بارگاہ کی حساسیت کا کیا عالم ہو گا جس کے آداب خود رب العالمین نے تعلیم فرمائے۔ اگر یورپ اور فرانس والے احمق ہم سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہم ناموسِ رسالت کے خلاف کوئی بات برداشت کریں گے تو یہ اُن کی غلط فہمی ہے، ہمارا پیغام تو یہ ہے:

کھینچ لیں گے ہم اُس آنکھ سے روشنی اُن کی جانب اُٹھے گی جو بن کے شَرَر

تعظیمِ نسبتِ رسول ﷺ

تعظیمِ مصطفی ﷺ کے کئی پہلو ہیں۔ ایک پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نسبتوں کی بھی تعظیم کی جائے۔ نسبت کی تعظیم در حقیقت آپ ﷺ کی ہی تعظیم ہے۔ اللہ تعالی نے ہمیں رسول اللہ ﷺ سے نسبت والی چیزوں کی بھی غیرت سکھائی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اِس حکم پر عمل کی حیرت انگیز مثالیں چھوڑی ہیں۔

سیدنا اَسلَعْ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی اونٹنی مبارک پر کجاوہ بندی کی خدمت نصیب تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر کے دوران ایک جگہ قیام ہوا، رات کو شدید سردی تھی اور مجھ پر غسل فرض ہو گیا(ابھی تک یہ حکم نازل نہیں ہوا تھا کہ اگر پانی دستیاب نہ ہو تو غسل کے لیے بھی تیمم کافی ہے)۔ رسول اللہ ﷺ نے روانگی کا ارادہ فرمایا اور مجھے کجاوہ تیار کرنا تھا۔ اگر غسل کرتا تو خدشہ تھا کہ مر جاؤں گا یا شدید بیمار ہو جاؤں گا، ایمانی غیرت یہ اجازت نہیں دیتی تھی غسل کیے بغیر سرکار ﷺ کا کجاوہ تیار کروں۔ (رسول اللہ ﷺ نے حکم نہیں دیا تھا کہ بغیر غسل ہاتھ مت لگانا، اُنھوں نے قرآن پاک سے تعظیم کا حکم جانا اور تعظیم کا یہ طریقہ اپنی محبت سے سیکھا۔ جس آیت سے اُنھوں نے کجاوے کی تعظیم اخذ کی اُسی آیت سے ہم نے انگوٹھے چومنے وغیرہ کو اخذ کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے

---

[14] قدمین شریفین کی جانب "باب جبریل" کے پاس جبریل امین علیہ السلام غلامانِ مصطفی کو تعظیم سکھاتے ہوئے کہہ رہے تھے: محبوبِ خدا کے دروازے پر دستک اپنی پلکوں سے دینا، کہیں آواز بلند ہو جانے کی وجہ سے اعمال برباد نہ ہو جائیں۔

لیے کجاوہ تیار کرنا بہت بڑا شرف تھا، مگر اُنھوں نے ادب کو اس سعادت پر ترجیح دے کر یہ تربیت فرمائی کہ سعادتیں تب ہی ملتی ہیں جب ادب سلامت ہو) فرماتے ہیں: مَیں نے ایک انصاری سے کہا، اُس نے کجاوہ تیار کر دیا۔ بعد میں مَیں نے پانی گرم کر کے غسل کیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یَا أَسْلَعُ ! مَا لِي أَرٰی رِحْلَتَكَ تَغَيَّرَتْ ؟ اسلع! کیا بات ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری کجاوہ بندی کا انداز بدل گیا ہے؟ (ظاہر ہے کہ سیدنا اسلع نے کسی ماہر شخص کا ہی انتخاب کیا ہوگا، مگر آپ ﷺ نے لجپالی کرتے ہوئے اُنھیں یاد فرمایا) جناب اسلع نے عرض کی: يَا رَسُولَ اللهِ ! لَمْ أَرْحَلْهَا، رَحَلَهَا رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ۔ یارسول اللہ! مَیں نے اونٹنی تیار نہیں کی، ایک انصاری نے تیار کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں؟ میں نے عرض کی: إِنِّي أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ فَخَشِيتُ الْقُرَّ عَلٰی نَفْسِي، فَأَمَرْتُهُ أَنْ يَرْحَلَهَا، وَوَضَعْتُ أَحْجَارًا فَأَسْخَنْتُ مَاءً وَاغْتَسَلْتُ بِهٖ۔ مجھے جنابت لاحق تھی اور (نہانے کی صورت میں) شدید سردی کا ڈر تھا تو میں نے اُسے سواری تیار کرنے کا کہہ دیا اور مَیں نے انگیٹھی جلا کر پانی گرم کیا اور غسل کیا۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰی ... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا. [النساء:43] آیت مبارکہ نازل فرمائی۔ (المعجم الکبیر، حدیث:877)

آج پوری امت کو رخصت ہے کہ اگر غسل فرض ہو اور پانی استعمال کرنا ممکن نہ ہو تو تیمم کر لو۔ یہ رخصت سیدنا اسلع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیاز مندی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے عطا کی۔

☆ شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ اذان کا جواب دیتے ہوئے کہتے: قُرَّةُ عَيْنِي بِتُرَابِ أَقْدَامِ كِلَابِ بَلَدِكَ يَارَسُوْلَ الله۔

تعظیمِ صحابہ واہل بیت: اگر آپ ﷺ کی نسبت سے لکڑیاں قابلِ تعظیم ہو جاتی ہیں تو اُن صحابہ واہل بیت کی عظمت کا کیا کہنا جن کی آپ ﷺ خود عزت افزائی فرماتے تھے۔ صحابہ واہلِ بیت علیہم الرضوان کی تکریم حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ہے اور اُن کی توہین حقیقت میں آپ ﷺ کی بے ادبی ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰه اَللّٰه فِي أَصْحَابِي! لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللّٰهَ، وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهٗ. (جامع ترمذی، حدیث:3862) میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ میرے بعد اُنھیں نشانہ نہ بنانا؛ کیونکہ جس نے اُن سے محبت کی تو اُس نے میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کی، اور جس نے اُن سے بغض رکھا تو اُس نے میرے بغض کی وجہ سے اُن سے بغض رکھا۔ جس نے اُنھیں ستایا اُس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اُس نے اللہ تعالیٰ کو اِیذا دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اِیذا دی تو قریب ہے اللہ تعالیٰ اُس کی گرفت فرمائے۔

صحابہ واہلِ بیت کا باہمی احترام: ☆ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اہلِ بیت سے ہیں، آپ ﷺ کے چچازاد ہیں، اس رشتہ کے باوجود وہ سرکار ﷺ کا وارث ہونے کی نسبت سے اہلِ علم صحابہ کرام کا بہت ادب کرتے۔ وہ فرماتے ہیں: وَإِنْ كَانَ يَبْلُغُنِي الْحَدِيثُ عَنِ الرَّجُلِ، فَآتِيْ بَابَهُ وَهُوَ قَائِلٌ، فَأَتَوَسَّدُ رِدَائِي عَلَى بَابِهِ يَسْفِي الرِّيحُ عَلَيَّ مِنَ التُّرَابِ، فَيَخْرُجُ فَيَرَانِي، فَيَقُولُ: يَا ابْنَ عَمِّ رَسُولِ اللهِ ﷺ مَا جَاءَ بِكَ؟ هَلَّا أَرْسَلْتَ إِلَيَّ فَآتِيَكَ؟، فَأَقُولُ: «لَا، أَنَا أَحَقُّ أَنْ آتِيَكَ»۔ یعنی میرے علم میں آتا کہ فلاں صحابی نے فلاں حدیث پاک کو خود سرکارِ دوعالم ﷺ سے سنا ہے، وہ اُس کے راوی ہیں تو مَیں بلاواسطہ اُن سے وہ حدیث سننے کے لیے اُن کے دروازے پر پہنچ جاتا، (بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ) وہ صاحب قیلولہ (دوپہر کے وقت کچھ آرام) کر رہے ہوتے، مَیں (ادب کے پیشِ نظر دروازے پر دستک نہ دیتا) اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر اُن کے دروازے کے باہر لیٹ جاتا، ہوا چلتی اور میرے چہرے پر گرد و غبار پڑتا۔ جب وہ اپنے گھر سے باہر نکلتے تو مجھے دیکھ کر کہتے: اے رسول اللہ ﷺ کے چچازاد! آپ کیسے تشریف لائے؟ آپ میری طرف پیغام بھیج دیتے، مَیں خود آپ کے پاس حاضر ہوتا۔ مَیں کہتا: نہیں، میرا ہی حق بنتا تھا کہ مَیں آپ کے پاس آتا (کیونکہ مَیں طالبِ علم کی حیثیت سے آیا ہوں)۔ (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 363، علی شرط البخاری، ورواہ البیہقی فی سننہ الکبریٰ)

☆ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: مَیں نے (اپنے استاذ، اِس اُمت میں علمِ میراث کے سب سے بڑے عالم) سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کا احترام کرتے ہوئے اُن) کی سواری کی زین کا وہ حصہ تھاما جس میں پاؤں رکھا جاتا ہے۔ وہ میری (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رشتہ داری کا احترام کرتے ہوئے) فرمانے لگے: اے رسول اللہ ﷺ کے چچازاد! چھوڑ دیجیے۔ مَیں نے کہا: «إِنَّا هٰكَذَا نَفْعَلُ بِكُبَرَائِنَا وَعُلَمَائِنَا» ہم اپنے اکابر اور علما کا ایسے ہی احترام کرتے ہیں۔ (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 5785)

گستاخوں کی مذمت: آج کچھ لوگ محبتِ اہل بیت کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر صحابہ کرام کے پیار کی چاشنی سے محروم ہیں، اُن کی توہین آمیز مجالس کی وجہ سے اُمت کرب میں مبتلا ہے اور اہل حق کی طرف سے مختلف مقامات اور محاذوں پر صدائے احتجاج بلند کی جارہی ہے۔ دوسری طرف کچھ بدبخت محبتِ صحابہ کے مدعی ہیں مگر اہل بیت کی تعظیم و تکریم کے نور سے بے بہرہ ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باہمی رشتۂ احترام درس دیتا ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں صرف اُسی کی محبت مقبول ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ہر نسبت کا احترام کرتا ہے۔

خاندانِ رسالت اور دفاعِ صحابہ: امام جعفر صادق اپنے والد گرامی امام محمد باقر سے نقل کرتے ہیں، وہ اپنے والد بزرگوار امام علی زین العابدین (شہزادۂ امام حسین) رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اُن کے پاس آکر کہا: أَخْبِرْنِي عَنْ أَبِي بَكْرٍ۔ ابو بکر کے بارے میں کچھ بتائیے۔ آپ نے (اُس کے خشک لہجے سے اُس کی بیماری بھانپ لی اور) فرمایا: عَنِ الصِّدِّيقِ تَسْأَلُ؟ جناب صدیق (بڑے سچے) کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟ (محبتِ اہل بیت کے نام نہاد دعوے دار کے لیے یہ جملہ خنجر برق بار ثابت

ہوا) وہ کہنے لگا: ”آپ بھی اُنھیں صدیق کہتے ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ! قَدْ سَمَّاهُ صِدِّيقًا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي، رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَالْمُهَاجِرُوْنَ، وَالأَنْصَارُ، فَمَنْ لَمْ يُسَمِّهِ صِدِّيقًا، فَلاَ صَدَّقَ اللهُ قَوْلَهُ. تیری ماں تجھے روئے! اُنھیں صدیق (صرف مَیں ہی نہیں کہہ رہا)، مجھ سے افضل شخصیات نے اُنھیں صدیق کہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اور مہاجرین وانصار نے اُنھیں صدیق فرمایا ہے۔ جو اُنھیں صدیق نہیں کہتا اللہ کرے کہ اُس کی بات سچی نہ ہو۔ پھر فرمایا: اِذْهَبْ، فَأَحِبَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَتَوَلَّهُمَا، فَمَا كَانَ مِنْ أَمْرٍ فَفِي عُنُقِي. جا! ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے محبت کر، اُن کا غلام بن، اگر اس پر (آخرت میں) کوئی گرفت ہوئی تو مَیں اُس کا ذمہ دار ہوں۔ (سیر اعلام النبلاء، ذکر علی بن الحسین، وذکرہ ابن عساکر فی تاریخ دمشق)[15]

دشمنانِ رسول کی تذلیل

رسول اللہ کی تعظیم کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ کے بدخواہوں اور دشمنوں کی تذلیل وتوہین کی جائے۔ محبت کا یہ اصول ہے کہ مُحبّ اپنے محبوب سے بھی پیار کرتا ہے اور اُس کے محبوبوں سے بھی محبت کرتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ اپنے محبوب کے بدخواہوں سے نفرت کرتا ہے اور اُن کی تذلیل سے اپنے جذبہ محبت کو تسکین دیتا ہے۔

خود باری تعالی بھی اپنے محبوب ﷺ کے گستاخوں پر اس قدر غضب فرماتا ہے کہ سورۂ قلم کے آغاز میں اللہ تعالی نے ایک گستاخِ رسول کے دس عیوب ذکر کے اُسے ذلیل فرمایا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے: لَا نَعْلَمُ أَنَّ اللهَ وَصَفَ أَحَدًا بِمَا وَصَفَهُ بِهِ مِنَ الْعُيُوبِ. (تفسیر جلالین، تفسیر خازن وغیرہ) یعنی ہمارے علم کے مطابق پورے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو اُس کے عیب ظاہر کرکے اتنا ذلیل نہیں کیا جتنا اس گستاخِ رسول کو بے توقیر کیا ہے۔

حرفِ آخر:

⇐ تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ وہ عظیم دولت ہے جسے اکابر نے ہمیشہ سرمایۂ ایمان سمجھا اور آنے والے نسلوں تک منتقل کیا۔ اب ہماری ذمہ داری ہے ہم اِس دولت کی حفاظت کریں، اپنے ایمان کو اِس سے منور رکھیں اور اپنی نسلوں تک منتقل کریں۔ خود بھی بھرپور طریقے سے آپ ﷺ کا اور آپ کی تمام نسبتوں کا ادب کریں اور اپنی اولاد کو بھی یہ سوغات فراہم کریں۔ ناموسِ رسالت کے لیے کاوشیں

---

[15] عَنْ عُرْوَةَ بنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بنَ عَلِيٍّ عَنْ حِلْيَةِ السُّيُوْفِ. فَقَالَ: لاَ بَأْسَ بِهِ، قَدْ حَلَّى أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ سَيْفَهُ. قُلْتُ: وَتَقُوْلُ الصِّدِّيْقُ؟ فَوَثَبَ وَثْبَةً، وَاسْتَقْبَلَ القِبْلَةَ، ثُمَّ قَالَ: نَعَمْ الصِّدِّيْقُ، نَعَمْ الصِّدِّيْقُ، فَمَنْ لَمْ يَقُلِ الصِّدِّيْقَ، فَلاَ صَدَّقَ اللهُ لَهُ قَوْلاً فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ. (سیر اعلام النبلاء، البدایہ والنہایہ)
عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ لِي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ: «يَا جَابِرُ، بَلَغَنِي أَنَّ قَوْمًا بِالْعِرَاقِ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ يُحِبُّونَنَا وَيَتَنَاوَلُونَ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، وَيَزْعُمُونَ أَنِّي أَمَرْتُهُمْ بِذَلِكَ، فَأَبْلِغْهُمْ أَنِّي إِلَى اللهِ مِنْهُمْ بَرِيءٌ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ وُلِّيتُ لَتَقَرَّبْتُ إِلَى اللهِ تَعَالَى بِدِمَائِهِمْ لَا نَالَتْنِي شَفَاعَةُ مُحَمَّدٍ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَسْتَغْفِرُ لَهُمَا، وَأَتَرَحَّمُ عَلَيْهِمَا، إِنَّ أَعْدَاءَ اللهِ لَغَافِلُونَ عَنْهُمَا» (حلیۃ الاولیاء، تاریخ دمشق)

کرنے والوں کے دست وبازو بنیں اور اس مشن کے فروغ کے لیے اپنامال، صلاحیتیں اور وقت صرف کریں۔ دشمنانِ اسلام کو عملی طور پر یہ پیغام دیں:

یہ سن لے یورپ ہمارا رشتہ ہمارے آقا سے دائمی ہے   ہم ان کی عزت پہ پہرہ دیں گے سروں کی فصلیں کٹا کٹا کر

⟸ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف فرانس نے ناپاک جسارت کی ہے اور مسلمانوں کی غیرت کو للکارا ہے، دوسری طرف اُمت کے بے حس حکمرانوں میں سے کسی نے بھی مذمتی بیان تک جاری نہیں کیا۔ اُمت کے جو افراد غیرت مند ہیں وہ بے بس ہیں اور جو اربابِ منصب ہیں وہ بے حس ہیں۔ ہم فرانس کی اس فسادی حرکت کے ساتھ ساتھ بے حس مسلم حکمرانوں کی خاموشی کی بھی بھرپور مذمت کرتے ہیں۔

⟸ پاکستان کے اندر ماضی قریب میں جن لوگوں نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں بدزبانی کی، اُن کے خلاف ابھی تک کوئی مؤثر کارروائی نظر نہیں آرہی۔ ہم فرقہ واریت پھیلانے والے عناصر کی مذمت کرنے کے ساتھ حکومت کی طرف سے خاموش سرپرستی کی بھی بھرپور مذمت کرتے ہیں۔

⟸ گزشتہ دنوں برطانوی پارلیمنٹ نے ایک رپورٹ پیش کی، جس میں قادیانیوں کو مظلوم قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ پاکستان میں قادیانیوں کی جانیں اور مال محفوظ نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قادیانیت کا فتنہ برطانیہ کا ہی ایجاد کردہ ہے اور برطانیہ آج تک اپنے اِن ایجنٹوں کی سرپرستی کررہا ہے۔ ہم برطانوی حکومت کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں ہمیں ابھی تمہاری ایسٹ انڈیا کمپنی کے مظالم بھولے نہیں ہیں، ہمارے بڑوں پر جو تم نے ظلم کیے وہ تاریخ کا ایک تلخ باب ہیں۔ اپنی اوقات میں رہو، اگر تمہیں اپنے ٹاوٗٹ اتنے ہی پیارے ہیں تو یہ تمام گندے انڈے برطانیہ میں لے جاوٗ۔ یہاں کل بھی قادیانیوں کو کافر سمجھا جاتا تھا، آج بھی کافر سمجھا جاتا ہے اور آئندہ بھی کافر ہی قرار دیے جائیں گے۔ وہ خود کو کافر تسلیم کرلیں تو اُنھیں بھی دیگر کفار کی طرح حقوق حاصل ہوں گے۔

کردم از عقل سوالے کہ بگو ایمان چیست؟
عقل در گوشِ دلم گفت کہ ایمان ادب است

آدمی زادہ اگر بے ادب است انسان نیست
فرق ما بین بنی آدم و حیوان ادب است

چشم بکشا و ببیں جملہ کلام اللہ را
آیہ آیہ ہمگی معنئ قرآن ادب است

گر تو خواہی کہ قدم بر سر ابلیس نہی
با ادب باش ببیں قاتلِ شیطان ادب است

{وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ.} [الانبیاء107:21]

{لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ.} [(التوبہ128:9]

آغازِ سخن: اللہ عزوجل نے انسانوں کو مختلف خوبیوں، اوصاف اور کمالات سے نوازا ہے۔ کچھ اوصاف ایسے ہیں جو اللہ تعالی انسان کی کوشش کی برکت سے عطا کردیتا ہے اور بے شمار ایسے ہیں جن میں کوشش کا کوئی دخل نہیں وہ محض اللہ کی عطا ہیں یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ .

ہمارے آقا و مولا ﷺ کا یہ وصفِ امتیاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کو جو خوبیاں عطا کیں یا کرے گا اُس نے وہ سب کی سب پورے کمال کے ساتھ ہمارے آقا و مولا ﷺ میں جمع فرمادیں۔ مولانا جامی علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا:

حُسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

فقط یہی نہیں بلکہ اللہ تعالی انہیں بے شمار ایسی خوبیوں سے بھی نوازا ہے جو اولین و آخرین میں سے کسی کو بھی عطا نہیں فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ خود اپنی مبارک زبان سے یہ خوبیاں بیان فرماتے، بلکہ ایسی کئی خوبیوں کا تذکرہ خود باری تعالی جل جلالہٗ نے بھی فرمایا ہے۔ علما اِنھیں "خصائصِ مصطفی ﷺ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ "باری تعالیٰ نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنایا ہے"۔

کائنات کے اندر پیدا ہونے والوں میں سے کوئی اپنے گھر والوں کے لیے خوشی کا سبب بنا، کسی کی ولادت پورے خاندان کے لیے مسرت کا باعث ہوئی، کسی کے پیدا ہونے سے ایک مُلک والوں کو سعادت نصیب ہوئی۔ یہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالی عنہا کے چاند ﷺ کی ہی شان ہے کہ آپ کا میلاد تمام جہانوں کے لیے رحمت و سعادت ہے۔ چونکہ آپ ﷺ کا میلاد بے مثال ہے اِسی لیے عاشقانِ رسول اُس کا جشن بھی بے مثال طریقے سے مناتے ہیں۔

شانِ رحمتِ عالم: سید عالم ﷺ کے دیگر متعدد خصائص کی طرح آپ ﷺ کا "رحمتِ عالم" ہونا خود باری تعالی نے بیان فرمایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: {وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ} [الانبیاء 107:21] اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو کچھ ہے وہ "عالَم" ہے، پھر اِس پر الف لام استغراق کے لیے ہے۔ آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوا: "رسول اللہ ﷺ ہر جہان کے لیے رحمت ہیں، اللہ تعالی کی پیدا کردہ ہر چیز کے لیے رحمت ہیں۔" جہانوں کی تعداد کیا ہے؟ پھر ان میں کون کون سی مخلوقات موجود ہیں یا موجود ہوں گی؟ اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ اور اُس کے بتانے سے رسول اللہ ﷺ ہی جانتے ہیں۔ البتہ اِس آیت سے اتنا معلوم ہورہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی جہان پیدا کیے ہیں، جو کچھ بھی اللہ تعالی کے سوا موجود ہے یا موجود ہوگا، سب کے لیے ہمارے آقا کریم رحمت ہیں۔ اُس کی ربوبیت سے کوئی بے نیاز نہیں اور اِن کی رحمت سے کوئی بے نیاز نہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے کہا:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

عوالم اربعہ اور رحمت عالم: ہر انسان چار مراحل سے گزرتا ہے:

1. عالمِ ارواح۔
2. عالمِ دنیا۔
3. عالمِ برزخ
4. اور عالمِ آخرت۔

رحمتِ عالم ﷺ کی حیات پاک میں بھی اُن کی شان کے مطابق یہ چاروں مراحل ہیں اور آپ ﷺ اِن چاروں مراحل میں تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ عالمِ ارواح میں تھے تب بھی رحمتِ عالم تھے، عالمِ دنیا میں میلاد ہوا تو بھی رحمتِ عالم بن کر تشریف لائے، اب عالمِ برزخ میں بھی اپنی شان کے مطابق دنیوی زندگی سے بھی اعلیٰ زندگی گزار رہے ہیں اور رحمتِ عالم ہیں اور روزِ قیامت تو ہے ہی اُن کی شانِ رحمت کے اِظہار کے لیے۔ شہنشاہِ سخن امام زمن مولانا حسن رضا خان علیہ الرحمہ نے کہا:

مُرادیں مِل رہی ہیں شاد شاد اُن کا سوالی ہے
لبوں پر التجا ہے ہاتھ میں روضے کی جالی ہے

فقط اِتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
کہ اُن کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

عالمِ ارواح میں رحمتِ عالم

سیدِ کونین ﷺ دنیا میں تشریف لانے سے پہلے بھی تمام جہانوں کے لیے رحمت تھے۔ میلاد سے پہلے رحمتِ عالم ہونے کے چند مظاہر درج ذیل ہیں:

لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی تمام نعمتیں ''وجود'' کا فیضان ہیں، ظاہر ہے کہ جو چیز موجود ہی نہیں اُسے نعمتیں کیسے میسر ہو سکتی ہیں۔ تمام جہانوں کا وجود سرکارِ دوعالم ﷺ کے طفیل ہے، یوں تمام جہان رحمتِ عالم ﷺ کی وجہ سے وجود اور دیگر نعمتیں پا کر اُن کی ولادت سے پہلے بھی اُن کی رحمت کا فیض پا رہے تھے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کو وحی فرمائی: يَا عِيسٰى آمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَأْمُرْ مَنْ أَدْرَكَهُ مِنْ أُمَّتِكَ أَنْ يُؤْمِنُوا بِهٖ، فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ آدَمَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ

وَلَا النَّارَ...(المستدرک علی الصحیحین، حدیث:4227[1])یعنی اے عیسیٰ! نبیِ آخر الزماں محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر ایمان لائیے اور اپنی اُمت کو حکم دیجیے کہ جو اُن کا زمانہ پائے اُن پر ایمان لائے۔ اگر محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نہ ہوتے تو مَیں آدم کو بھی پیدا نہ فرماتا(آدم علیہ السلام نہ ہوتے تو کوئی انسان بھی نہ ہوتا)، اور اگر محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نہ ہوتے تو مَیں جنت و دوزخ کو بھی پیدا نہ فرماتا۔

ہوتے کہاں خلیل وبنا کعبہ ومنیٰ
لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

مقصود یہ ہیں آدم ونوح وخلیل سے
تُخمِ کرم میں ساری کرامت ثمر کی

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ کی نقل کردہ طویل حدیث پاک میں ہے کہ باری تعالی نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو فرمایا: **وَلَقَدْ خَلَقْتُ الدُّنْيَا وَأَهْلَهَا لِأُعَرِّفَهُمْ كَرَامَتَكَ** -وزاد یوسف علی وقال- **وَمَنْزِلَتَكَ عِنْدِيْ، وَلَوْلَاكَ يَا مُحَمَّدُ مَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا.** (تاریخ دمشق، ج:3، ص:296، 297، دار احیاء التراث العربی[2]) اے حبیب! مَیں نے دنیا اور اہلِ دینا کو آپ کی عزت ومرتبہ دکھانے کے لیے پیدا کیا ہے، پیارے! آپ نہ ہوتے تو مَیں دنیا کو پیدا ہی نہ فرماتا۔

گر ارض وسما کی محفل میں لولاک لَمَا کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نُور نہ ہو سیّاروں میں

مقصود ذاتِ اُوست دگر جملگی طفیل
منظور نورِ اُوست دگر جملگی ظلام

[1] امام حاکم نیشاپوری علیہ الرحمہ نے "المستدرک" میں اور امام تقی الدین علی سبکی علیہ الرحمہ نے "شفاء السقام" میں اس کی تصحیح کی ہے، نیز شفاء السقام کے محقق نے بھی اس کی تائید میں مفصل کلام کیا ہے۔(شفاء السقام، ص:359 تا362، دار الکتب العلمیہ) علامہ یوسف صالحی شامی علیہ الرحمہ نے "سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد" میں عنوان قائم کیا: الباب الثاني في خلق آدم وجميع المخلوقات لأجله ﷺ(بابِ ثانی اس بارے میں کہ جناب آدم اور تمام مخلوق آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے طفیل پیدا کی گئی ہے)، اس باب اُنھوں نے حدیث مذکور کو ذکر کرنے کے بعد اس کے متعدد شواہد نقل کیے ہیں۔(سبل الہدی والرشاد، ج:1، ص:74) علامہ عجلونی علیہ الرحمہ نے "کشف الخفاء" میں فیصلہ کُن بات کہی: وأقول لكن معناه صحيح وإن لم يكن حديثا. یعنی الفاظ اصطلاحِ اُصولِ حدیث کے مطابق صحیح نہ بھی ہوں تو معنی صحیح ہے۔(کشف الخفاء ومزیل الالباس)

/http://www.suffahpk.com/hadess-lo-la-lima-khalaqtal-iflak-sai-mutaliq

[2] اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے فتاوی رضویہ، ج:30، ص:189 پر بھی اس روایت کو ذکر کیا۔ نیز فتاوی رضویہ میں اسی مقام پر مزید احادیثِ لولاک بھی مذکور ہیں۔

وسلیۂ مصطفوی سے قبولِ توبۂ آدم علیہ السلام: جنابِ سیدنا آدم علیہ السلام سے پوچھیے کہ وہ ولادت مبارکہ سے پہلے کیسے رحمتِ عالم تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: جب جناب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: يَارَبِّ! أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَا غَفَرْتَ لِيْ. اے میرے رب! تیری بارگاہ میں محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی جو عزت و وجاہت ہے اُس کے وسیلے سے مجھے معاف فرما۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! مَیں نے تو ابھی محمد (کے جسم) کو پیدا ہی نہیں کیا، آپ اُنھیں کیسے جانتے ہیں؟ اُنھوں نے کہا: يَارَبِّ، لِأَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ رَفَعْتُ رَأْسِي فَرَأَيْتُ عَلَى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ"، فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُضِفْ إِلَى اسْمِكَ إِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ. اے میرے رب! جب تُو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور میرے جسم میں اپنی طرف سے خاص روح ڈالی، تو مَیں نے تیرے عرش کے پایوں پر "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا دیکھا، تو مجھے معلوم ہو گیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اُسی کا نام لکھا ہو گا جو تجھے تمام مخلوق میں سب سے زیادہ پیارا اور محبوب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صَدَقْتَ يَا آدَمُ، إِنَّهُ لَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ، اُدْعُنِيْ بِحَقِّهِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ، وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ. اے آدم! آپ نے سچ کہا، بے شک وہ مجھے پوری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں، اُن کی وجاہت کا وسیلہ پیش کر کے مجھ سے دعا مانگو، مَیں نے آپ کی مغفرت فرما دی، اور اگر محمد نہ ہوتے تو مَیں آپ کو بھی پیدا نہ کرتا۔ (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 4228، دلائل النبوۃ، للبیہقی، حدیث: 2243[3])

صاحبِ لولاک کے باعث ہوئی ایجادِ خلق
ماسوی اللہ سب ہے سامانِ حبیبِ کبریا

بٹتا ہے کونین میں باڑا اِسی سرکار کا
ہیں زمین وآسماں خوانِ حبیبِ کبریا

کون ہے جو اُن کے خوانِ فضل سے محروم ہے
ہیں خلیلِ حق بھی مہمانِ حبیبِ کبریا

عقلِ عالم کی رسائی اُن کے رتبے تک محال
ہاں خدا سے پوچھیے شانِ حبیبِ کبریا

---

[3] قال الحاکم: هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ. قال الرضا البریلوی: وأقرّه علیه العلامة ابن امیر الحاج فی "الحلیة" والسبکی فی "شفاء السقام" أقول (الإمام احمد رضا): والذی تحرر عندی انه لاینزل عن درجة الحسن۔ واللّٰه اعلم۔ [فتاوی رضویہ، 30/186]

عالمِ دنیا میں رحمتِ عالم

آپ ﷺ اس دنیا میں بھی رحمتِ عالم بن کر تشریف فرما ہوئے۔ بھیجنے والے نے فرمایا: {وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ} [الانبیاء107:21] اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا۔

اور آنے والے فرماتے ہیں (سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے نقل کیا): «يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ» اے لوگو! مَیں اللہ تعالی کی رحمت ہوں جو اُس نے تمھیں عطا کی ہے۔ (المستدرک علی الصحیحین، حدیث:100)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ سے عرض کی گئی کہ آپ کفار کے خلاف دعائے جلال کریں تو آپ نے فرمایا: إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً. (صحیح مسلم، حدیث:6778) مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، مجھے تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے (مَیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ دور کرنے والا نہیں، مَیں تو اللہ تعالی کے قریب کرنے کے لیے آیا ہوں)۔

رحمتِ عامہ اور رحمتِ خاصہ: آپ ﷺ کی رحمت دو طرح سے ہے: عامہ اور خاصہ۔ عمومی رحمت ہر چیز کو میسر ہے، اپنے، بیگانے، مسلمان اور کافر سبھی اُس سے فیض پاتے ہیں، البتہ خصوصی رحمت صرف ایمان والوں کے لیے ہے۔ اُن کی بارش تو یکساں برستی ہے، مگر کافر اُس بنجر زمین کی طرح ہے جس پر موسلا دھار بارش کے باوجود سبزہ نہیں اُگتا۔ کافروں نے اُن سے رحمتِ خاصہ کا فیض پانے کی کوشش ہی نہیں کی۔ کوئی پیاسا شخص دریا کے کنارے کھڑا ہو اور پانی کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے یا کوئی شخص دن چڑھے سورج کی روشنی سے بچنے کے لیے اپنی آنکوں پر پٹی باندھ لے تو دریا کی فیاضی اور سورج کے روشنی پہنچانے میں کوئی قصور نہیں ہے، قصور اس کا ہے جس نے پانی کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھایا اور روشنی کے باوجود آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے۔[4]

درج ذیل اُن اُمور میں سے ہیں جن میں ایمان والوں کے ساتھ ساتھ کفار بھی آپ کی رحمت سے حصہ پاتے ہیں۔

اجتماعی عذاب سے حفاظت: متعدد انبیائے کرام علیہم السلام کی اُمتوں کے ساتھ ایسا ہوا کہ جب اُنھوں نے اپنے نبی کے احکام کو تسلیم نہ کیا تو اللہ تعالی نے عذاب نازل فرما کر تمام کفار کو ہلاک کر دیا، جناب نوح علیہ السلام کے دور میں تو آپ کی کشتی میں سوار ہونے والوں کے علاوہ پوری دنیا کو ہلاک فرما دیا۔ یہ رحمتِ عالم ﷺ کی رحمت کا فیض ہے کہ اُن کے میلاد بعد اب قیامت تک

---

[4] عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ مِنَ الهُدَى وَالعِلْمِ، كَمَثَلِ الغَيْثِ الكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا، فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ، قَبِلَتِ المَاءَ، فَأَنْبَتَتِ الكَلَأَ وَالعُشْبَ الكَثِيرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ، أَمْسَكَتِ المَاءَ، فَنَفَعَ اللَّهُ بِهَا النَّاسَ، فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا، وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرَى، إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لاَ تُمْسِكُ مَاءً وَلاَ تُنْبِتُ كَلَأً، فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللَّهِ، وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذَلِكَ رَأْسًا، وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللَّهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ» (صحیح بخاری)

اجتماعی عذاب نازل نہیں ہو گا پتھروں کی بارش نہیں ہو گی، زمین میں نہیں دھنسایا جائے گا۔ حتیٰ کہ کفار نے عذاب کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ... (الانفال 8:33) اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ انہیں عذاب دے جب تک اے حبیب! آپ ان میں تشریف فرما ہیں۔

قد میں کمی کا موقوف ہو جانا: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ وَطُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا۔ یعنی "جب آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو اُن کا قد مبارک ساٹھ ذراع (ایک تشریح کے مطابق 90 فٹ) تھا۔ "تمام جنتیوں کا قد بھی یہی ہو گا۔ فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ حَتَّى الآنَ۔ (صحیح بخاری، حدیث: 3326) یعنی پھر رفتہ رفتہ قد چھوٹا ہوتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا فرمایا۔[5]

اگر رحمتِ عالم ﷺ کا فیض نہ ہوتا اور قد میں کمی ہوتی رہتی تو آج انسانی قد شاید ایک بالشت یا اِس سے بھی کم ہوتا۔

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

مسلمانوں کے لیے خصوصی رحمت: رحمتِ عالم ﷺ اپنے غلاموں کے لیے تو دنیا و آخرت میں ایسے رحیم ہیں کہ غلام جتنا بھی ناز کریں کم ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے کہا:

عطائے ارب، جلائے کرب، فیوض عجب، بغیر طلب
یہ رحمتِ رب ہے کس کے سبب برِبّ جہاں تمہارے لیے

آپ کی رحمت کا فیض ہے کہ آپ کی اُمت کو جو شریعت عطا کی گئی وہ سب سے زیادہ آسان ہے اور قیامت کے دن سب سے زیادہ ثواب بھی اِسی پر ہو گا۔ افسوس کہ اِس آسانی کے باوجود یہ جملہ فیشن بن گیا ہے: "اس دور میں دین پر چلنا بہت مشکل ہے"۔

عالمِ برزخ میں رحمتِ عالم

☆ آپ ﷺ اپنی قبر اطہر میں بھی رحمتِ عالم ہیں۔ جو رحمتیں اور فیض و ہدایت، علم و طہارت آپ ﷺ قبر اطہر میں تشریف لے جانے سے پہلے عطا کرتے تھے اُن کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ

---

[5] الظَّاهِرُ أَنَّ النُّقْصَانَ انْتَهَى إِلَى ذٰلِكَ الزَّمَانِ، وَإِلَّا فَلَمْ يُحْفَظْ تَفَاوُتٌ فِي طُولِ الْقَامَةِ بَيْنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ إِلَى مُدَّتِهَا الْآنَ. (مرقاۃ المفاتیح)

لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ o ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ o [الجمعة 62:2-4]

مفہوم یہ کہ اللہ وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں (اہلِ عرب) میں انہی میں سے (عظیم الشان) رسول بھیجا، جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت فرماتے ہیں اور انھیں پاک کرتے ہیں اور انھیں کتاب و حکمت کا علم عطا کرتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔ اور وہ رسول ان میں سے دوسروں (بعد میں اسلام قبول کرنے والوں) کو بھی پاک کرتے اور علم عطا کرتے ہیں، جو ان پہلوں (صحابہ) سے نہیں ملے (صحابہ کا زمانہ نہیں پایا اور اُن کے درجے تک نہیں پہنچ سکے) اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا فیضان اور تعلیم و تزکیہ صرف صحابہ کرام علیہم الرضوان تک محدود نہیں، بلکہ رحمتوں کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ آپ ﷺ قیامت تک مسلمانوں کا ظاہر و باطن بھی پاک فرماتے رہیں گے اور اُنھیں کتاب و حکمت کا علم بھی عطا کرتے رہیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر ایک کو اُس کی حیثیت اور استطاعت کے مطابق نوازا جاتا ہے۔

☆ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَنُحَدِّثُ لَكُمْ، فَإِذَا مِتُّ كَانَتْ وَفَاتِيْ خَيْرًا لَّكُمْ، تُعْرَضُ عَلَيَّ اَعْمَالُكُمْ، فَإِنْ رَأَيْتُ خَيْرًا حَمِدْتُ اللهَ عَلَيْهِ وَإِنْ رَأَيْتُ غَيْرَ ذٰلِكَ اِسْتَغْفَرْتُ اللهَ لَكُمْ ۔ یعنی میری (ظاہری) حیات بھی تمہارے لیے بہتر ہے، تم معروضات پیش کرتے ہو، مَیں تمہیں جواب دیتا ہوں۔ پھر جب میرا وصال ہو گا تو وہ بھی تمہارے لیے بہتر ہو گا، میرے سامنے تمہارے اعمال پیش کیے جائیں گے، پس اگر خیر دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا ورنہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کروں گا۔[6]

عالمِ آخرت میں رحمتِ عالم

روزِ قیامت رحمتِ عالم ﷺ کی رحمت کا منظر دیدنی ہو گا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے کہا:

عرشِ حق ہے مسندِ رفعت رسول اللہ کی
دیکھنی ہے حشر میں عزت رسول اللہ کی

---

[6] اس حدیث کو متعدد صحابہ نے روایت کیا: 1) سیدنا عبد اللہ بن مسعود (مسند البزار، کشف الاستار من زوائد سند البزار، ج:1، ص:397، حدیث نمبر:845، مؤسسۃ الرسالہ بیروت) 2) سیدنا بکر بن عبد اللہ المزنی (بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث، ج:2، ص:884، حدیث نمبر:953، الطبقات الکبری، ج:2، ص:194، دار صادر بیروت) 3) سیدنا انس بن مالک (کنز العمال، ج:12، ص:421، حدیث نمبر:35470، مؤسسۃ الرسالہ بیروت) علامہ نور الدین ہیثمی نے اس کی سند کے بارے فرمایا "رجالہ رجال الصحیح" (مجمع الزوائد کتاب علامات النبوۃ، باب مایحصل لامتہ امن استغفارہ بعد وفاتہ، ج:8، ص:594، حدیث نمبر:14250، دار الفکر بیروت) اور امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بزاز نے اپنی مسند میں بسند صحیح جید روایت کیا" (فتاوی رضویہ، ج:29، ص:519، رضا فاؤنڈیشن)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ خُرُوجًا إِذَا بُعِثُوا ، وَأَنَا خَطِيبُهُمْ إِذَا وَفَدُوا ، وَأَنَا مُبَشِّرُهُمْ إِذَا أَيِسُوا ، لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِي ، وَأَنَا أَكْرَمُ وَلَدِ آدَمَ عَلَى رَبِّي وَلَا فَخْرَ ۔[7]

(جامع ترمذی، حدیث: 3610) یعنی جب لوگوں کو قبروں سے اُٹھایا جائے گا تو سب سے پہلے مَیں اپنی قبر سے باہر آؤں گا، جب وہ بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں گے تو مَیں اُن کی قیادت کروں گا، جب لوگ مایوس ہوں گے تو مَیں اُنھیں (رحمت ومغفرت) کی خوشخبری دوں گا، اُس دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور مَیں اپنے رب کی بارگاہ میں تمام انسانوں سے زیادہ عزت والا ہوں۔ یہ بطورِ فخر بیان نہیں کر رہا (بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بتا رہا ہوں)۔

روزِ قیامت جب کوئی دوسرے کا پُرسانِ حال نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے مقرب نبی بھی شفاعت سے اِنکار کریں گے تو رحمتِ عالم ﷺ ہی شفاعت کریں گے۔ اعلیٰ حضرت نے کہا:

خلیل ونجی، مسیح وصفی، سبھی سے کہی کہیں بھی بنی؟

یہ بے خبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لیے

حرفِ آخر: سرورِ عالم ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت تھے، ہیں اور قیامت کے دن بھی ہوں گے۔ آپ کی عمومی رحمت کا فیض کفار بھی پاتے ہیں، البتہ خصوصی رحمت صرف مسلمانوں کے لیے ہے۔

مسلمانوں کو اپنے نبی کریم ﷺ کی شانِ رحمت کا ادراک کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا احساس دلاتے ہوئے فرمایا: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ . (التوبہ 9:128)
بے شک تمہارے پاس تمھی میں سے وہ عظیم الشان رسول تشریف لائے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت گراں گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے ہیں، مسلمانوں پر بہت مہربان، رحمت فرمانے والے ہیں۔

وہ نامی کہ نامِ خدا نام تیرا رؤف ورحیم وعلیم وعلی ہے

آپ ﷺ رحمتِ عالَم ہیں، بہت زیادہ چاہتے ہیں کہ کفار ایمان قبول کرلیں اور دنیا وآخرت کی ذلت سے محفوظ ہو جائیں، لیکن اُن کے ایمان نہ لانے کی وجہ اُن سے ناراض ہیں۔ اِسی لیے اُمت کو بھی یہی حکم ہے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر ہرگز ہرگز یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بنائیں۔

---

[7] وفی روایۃ الدارمی: وَأَنَا مُسْتَشْفِعُهُمْ إِذَا حُبِسُوا، وفی روایۃ ابن النجار وسائِقُهُمْ إذا وَرَدُوا، وإمَامُهُمْ إِذَا سجَدُوا، وأقْرَبُهُمْ مَجْلِسًا إذا اجْتَمَعُوا۔

آپ ﷺ کے میلادِ مبارک کے موقع پر ہمیں اپنے دلوں میں یہ احساس بیدار کرنا چاہیے کہ وہ رحیم و کریم آقا جنہوں نے ہر وقت ہمیں یاد رکھا، آج قبر اطہر میں بھی ہمارے لیے استغفار کرتے ہیں اور قیامت کے دن بھی اپنے دامنِ شفاعت میں چھپائیں گے، کیا ایسے کرم کرنے والے کا حکم چھوڑنا، اُن کی سنت پر عمل نہ کرنا بھی کوئی عقلمندی ہے؟ ہرگز نہیں۔ عقل مند وہی ہے جس نے اپنی عقل کو اُن کے قدموں پر قربان کر کے اُن کے حکم کے سامنے اپنی گردن جھکائی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اُن کی رحمت سے وافر حصہ عطا کرے۔

ہے یہ اُمید رضا کو تیری رحمت سے شہا
نہ ہو زندائیٔ دوزخ تیرا بندہ ہو کر

وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ٥ وَالۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِیۡمِ ٥ لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَهَاۤ اَنۡ تُدۡرِكَ الۡقَمَرَ وَلَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِیۡ فَلَكٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ٥(یٰس 36:38-40)

اور سورج اپنے ٹھہرنے کے وقت تک چلتا رہے گا یہ بہت غالب، علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے۔ اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کیں، یہاں تک کہ وہ (مہینے کی آخری راتوں میں) کھجور کی پرانی شاخ جیسا (باریک، خم دار) ہو جاتا ہے۔ نہ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور ہر ایک (سیارہ) اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیاں...

توجہ طلب اُمور

آغازِسخن: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ زمین بھی اُس کی نعمتوں سے بھرپور ہے، آسمان بھی اُس کے احسانات سے معمور ہے، اور خود ہماری ذات میں بھی اُس کی کرم نوازیاں لامحدود ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: { وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ } [النحل 18:16] اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گننا چاہو اُنہیں شمار نہیں کر سکو گے، بے شک اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔

آسمانی نعمتوں میں سے سورج اور چاند دو ایسی نعمتیں ہیں جو بالکل واضح اور ہر ایک کے سامنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان ذکر کرتے ہوئے فرمایا: { اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ } [الرحمن 5:55] سورج اور چاند ایک مقررہ حساب سے چل رہے ہیں۔

یہ دونوں نعمتیں زندگی کی بقاکے لیے بے حد ضروری ہیں، اگر سورج نہ ہو تو اندھیرا کبھی ختم ہی نہ ہو اور چاند نہ ہو تو بہت سی چیزیں بے فائدہ ہو جائیں۔

سورج اور چاند کا نظام: پھر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان بھی ذکر فرمایا کہ یہ دونوں معین اندازے کے ساتھ اپنے اپنے بُروج اور منازل میں حرکت کرتے ہیں۔ صدیاں بیت گئیں یہ دونوں چل رہے ہیں اور نہ جانے کب تک چلتے رہیں گے، مگر کیا مجال کہ سرِ مُو بھی دائیں یا بائیں سرکیں یا لمحہ بھر کی بھی تقدیم و تاخیر ہو۔ فرمانِ خداوندی ہے: وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ (یٰس 36:38-40) اور سورج اپنے ٹھہرنے کے وقت تک چلتا رہے گا یہ بہت غالب، علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے۔ اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کیں، یہاں تک کہ وہ (مہینے کی آخری راتوں میں) کھجور کی پرانی شاخ جیسا (باریک، خم دار) ہو جاتا ہے۔ نہ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور ہر ایک (سیارہ) اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔

یعنی رات چاند کی شان و شوکت ظاہر ہونے کا وقت ہے، سورج نہ تو ایسا کر سکتا ہے کہ رات میں چاند کی جگہ طلوع ہو جائے، اور نہ ہی یہ کر سکتا ہے کہ چاند کے ساتھ جمع ہو کر اُس کے نور مغلوب کر دے۔ اور ایسا بھی نہیں ہو سکتا کہ دن کا وقت پورا ہونے سے پہلے رات آجائے، بلکہ رات اور دن دونوں معین حساب کے ساتھ آتے جاتے ہیں، کوئی بھی اپنے وقت سے پہلے نہیں آتا۔ نہ سورج رات میں چمکتا ہے اور نہ چاند دن میں اور ان میں سے ہر ایک اپنے دائرے میں چل رہا ہے۔ کائنات کی ابتدا سے اب تک سورج اور چاند کے نظام کا اِس مربوط اور منظم انداز میں چلنا اور اس میں کسی طرح کا کوئی اختلاف نہ ہونا واضح دلیل ہے کہ اِس نظام کو چلانے والا موجود ہے، وہ ایک ہے، کامل قدرت اور بے انتہا علم والا ہے۔

متوقع سورج گرہن

فلکی حساب کے مطابق دو دن بعد 21 جون 2020ء، بروز اتوار کو دنیا کے مختلف حصوں میں سورج گرہن ہو گا، پاکستان کے کئی علاقوں میں 90 فیصد تک سورج کی روشنی چھپ جائے گی، یعنی دن کے وقت اندھیرا ہو جائے گا۔ لاہور میں صبح 9:49 سے دوپہر 1:10 تک گرہن ہو گا۔ یاد رہے کہ یہ سب کچھ سورج اور چاند کی چال کے حساب کی بنیاد پر ہے، دراصل وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

سورج گرہن کا ظاہری سبب: سورج اور چاند اپنی رفتار سے چل رہے ہیں، دورانِ سفر ایسا بھی ہوتا ہے کہ سورج اور زمین کے درمیان چاند حائل ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے سورج کی روشنی مکمل طور پر یا جزوی طور پر ماند پڑ جاتی ہے۔یعنی چاند سورج کی روشنی ہم تک پہنچنے سے رکاوٹ بن جاتا ہے۔

سورج گرہن کی حکمت: قرآن و حدیث کی نصوص کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بندے دنیا کی رنگینیوں میں مگن ہو کر اللہ تعالی کی نافرمانیاں کر کے خود پر ظلم کرتے ہیں اور اللہ کے دین سے دور ہو کر ہلاکت کی طرف بڑھتے ہیں تو اللہ عزوجل کرم فرماتے ہوئے کچھ نشانیاں دکھاتا ہے، جس میں ایک حکمت یہ ہوتی ہے کہ انسان اللہ تعالی کی قدرت کے نظارے دیکھ کر اس کی طرف رجوع کرے اور عذاب والے کاموں سے بچ کر دائمی امن وسکون پائے۔ ارشاد باری تعالی ہے: {وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا} [بنی اسرائیل 59:17]اور ہم ایسی نشانیاں (عذاب سے) خوفزدہ کرنے کے لیے ہی بھیجتے ہیں۔

سیدنا مُغیرہ بن شُعبہ اور سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ تعالی عنہما کی روایات کا خلاصہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے چھوٹے شہزادے، جناب ابراہیم رضی اللہ تعالی عنہ کی وفات والے دن سورج گرہن ہوا۔ لوگوں نے کہا: یہ شہزادۂ رسول کی وفات کے سبب گہنا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ، لاَ يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلاَ لِحَيَاتِهِ، وَلٰكِنَّ اللهَ تَعَالٰى يُخَوِّفُ بِهَا عِبَادَهُ.» (صحیح بخاری، حدیث: 1043 / 1048)یعنی سورج اور چاند اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے دو عظیم نشانیاں ہیں، انھیں کسی کی موت یا پیدائش کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا، لیکن اللہ تعالی اِن نشانیوں اور گرہن کے ذریعے اپنے بندوں کو (اپنے عذاب کا) خوف دلاتا ہے۔

سورج گرہن کی پیشگوئی بھی قدرت کی نشانی ہے:

ہمارے دور میں ماہرینِ فلکیات حساب کر کے سینکڑوں سال بعد کے بارے میں بتاسکتے ہیں اتنے سال بعد اِس وقت سورج گرہن یا چاند گرہن ہو گا، اور اُس کا دورانیہ اتنا ہو گا۔ یہ بھی اس بات کی نشانی ہے کہ دنیا کا نظام خود بخود نہیں چل رہا، بلکہ اِسے چلانے والی کوئی ذات موجود ہے۔

جو چیز خود بخود چلے اُس کی ایک حد ہوتی ہے، بنانے والوں کو پہلے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چیز فلاں وقت تک کے لیے کار آمد ہے، اُس کے بعد زائد المیعاد اور بے کار ہو جائے گی۔ اربوں روپے سے تیار ہونی والی اشیا کے بارے میں بنانے والے بھی جانتے ہیں کہ یہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہیں۔ پھر خود بخود چلنے والی چیز کی سو فیصد گارنٹی نہیں دی جاسکتی کہ وہ خراب نہیں ہو گی، ظاہر ہے کہ آٹو میٹک چیز میں کسی بھی وقت کوئی بھی فالٹ پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر سورج اور چاند خود بخود چلتے ہوتے تو صدیوں بعد اِن کے نظام میں کچھ نہ کچھ خرابی ہو جاتی، نیز اِن کا کوئی اعتبار نہ ہوتا ہے کہ کس وقت اپنا مدار چھوڑ دیں۔ سائنس دانوں کا حساب کر کے سینکڑوں سال بعد ہونے والے سورج گرہن اور چاند گرہن کی خبر دینا در حقیقت اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ ایک نہایت علم اور قدرت والی ذات کے حکم سے چل رہے ہیں اور اُس نے اِنھیں جس مدار میں چلنے کا حکم دیا ہے یہ اُسی میں چلتے ہیں اور چلتے رہیں گے۔

نیز اگر یہ خود بخود چلتے ہوتے تو اللہ کے حبیب ﷺ کے اِشارے سے چاند ٹکڑے نہ ہوتا اور سورج واپس نہ پلٹتا، محبوب ﷺ کے حکم سے اِن کی چال میں تبدیلی بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ محبوب ﷺ کے مالک جل جلالہ کا نظام ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

سورج اُلٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

اِس موقع پر کیا کرنا چاہیے؟

ہمارے ہاں دینی شعور نہ ہونے کی وجہ سے ہر بات کو مادی نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ زلزلہ آئے تو چینلز پر یہ بحثیں شروع ہو جاتی ہیں کہ شدت کتنی تھی؟ نقصان کیا ہوا؟ کس نے پہلے پیشگوئی کی تھی؟ باقی نشانیوں کی طرح سورج گرہن کے موقع پر بھی سوشل اور الیکٹرانک میڈیا پر یہی کچھ ہو گا۔ بحیثیتِ مسلمان ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ایسے مواقع پر دین ہمیں کیا سکھاتا ہے؟

اللّٰہ تعالیٰ کی طرف رجوع: گزشتہ سطور میں گزرا کہ اِن نشانیوں کا مقصد خوفِ الٰہی پیدا کرنا ہے، اس لیے یہ پورا وقت توبہ واستغفار، ذکر و دعا اور نماز میں گزارنا چاہیے۔ حدیث پاک میں ہے: «فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا، فَصَلُّوا، وَادْعُوا حَتَّى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ.»(صحیح بخاری، حدیث:1040) یعنی جب سورج گرہن یا چاند گرہن ہو تو نماز پڑھو اور دعائیں کرو حتی کہ صورت حال معمول پر آجائے۔

فقہائے کرام نے لکھا: سورج گرہن کی نماز سنتِ مؤکدہ ہے۔ اکیلے بھی پڑھ سکتے ہیں، مگر باجماعت پڑھنا مستحب ہے۔ باقی نوافل کی طرح دو یا چار رکعات پڑھی جائیں گی۔ اس کی امامت وہی کرائے گا جو جمعہ کی امامت کرا سکتا ہے۔ سورج گرہن کے وقت میں نماز پڑھی جائے، گرہن ختم ہونے کے بعد نہیں۔ البتہ اگر اس دوران کوئی وقتِ مکروہ ہو، جیسا کہ پاکستان میں گرہن کے دوران زوال کا وقت بھی آئے گا، تو اس وقت میں نماز نہیں پڑھ سکتے۔ (بہار شریعت، ج:1، حصہ:4، ص:787، ملخصًا)

قیامت کی یاد: اس موقع پر سورج کو ایک مخصوص وقت تک کے لیے گرہن ہو گا، یہ موقع ہمیں وہ وقت یاد دلاتا ہے جس کی منظر کشی کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ o وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ o وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ o وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ o وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ o وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ o وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ o وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىٕلَتْ o بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ o وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ o وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ o وَ اِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ o وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ o عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاۤ اَحْضَرَتْ o (سورۃ التکویر) جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا (اُس کا نور ختم کر دیا جائے گا)۔ اور جب ستارے جھڑ (کر آسمان سے زمین پر گر) پڑیں گے۔ اور جب پہاڑ (ریزہ ریزہ کر کے) چلائے جائیں گے۔ اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں چھوٹی پھریں گی (ہولناکی کی وجہ سے کسی کو قیمتی سرمایہ کی پرواہ نہیں ہو گی)۔ اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں گے۔ اور جب سمندر سُلگائے جائیں گے۔ اور جب جانوں کو جوڑا جائے گا۔ اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا۔ کس خطا کی وجہ سے اسے قتل کیا گیا؟ اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں گے۔ اور جب آسمان کھینچ لیا جائے گا۔ اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی۔ اور جب جنت قریب لائی جائے گی۔ (تو اُس وقت) ہر جان کو معلوم ہو جائے گا جو (اعمال دنیا میں کر کے حشر میں) حاضر لائی۔

خوفناک صورت حال میں ایک بہترین عمل: ایک مرتبہ خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کے دور میں گرَج چمک کے ساتھ شدید بارش ہوئی، خلیفہ نے گھبرا کر اپنے مشیر سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالی عنہ کو ایک لاکھ دِرہم دیے کہ اِنھیں صدقہ کریں؛ تاکہ صدقہ کی برکت سے یہ آفت ٹل جائے۔ آپ نے خلیفہ سے فرمایا: "اِس سے بھی بہتر ایک کام ہے۔" سلیمان نے پوچھا: وہ کیا؟ فرمایا: "تم نے بعض لوگوں کی جائیدادیں غَصَب کر رکھی ہے، وہ واپس کر دو، یہ صدقہ سے بہتر ہے۔" (سیرۃ ومناقب عمر، لابن جوزی)

قدرت کی اِس عظیم نشانی کے ظہور کے وقت ہمارے لیے بھی بہترین عمل ہے کہ ہم لوگوں کی حق تلفیوں سے باز آجائیں اور اُن کے حقوق ادا کر دیں۔

توہمات کا اِزالہ: سورج گرہن کے بارے میں لوگوں کے اندر بہت سی ایسی باتیں بھی معروف ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، مثلاً یہ کہ حاملہ اس وقت چلے تو بچے کو نقصان ہوتا ہے، ہمیں ایسے توہمات میں نہیں پڑنا چاہیے۔

علما کا تیزی سے رخصت ہونا قیامت کی نشانی

گزشتہ دنوں میں استاذ الاساتذہ، مناظر ابن مناظر، شیخ الحدیث، پیر محمد عبد التواب صدیقی علیہ الرحمہ (شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ) سمیت متعدد اکابر علماومشائخِ اہل سنت اس دارِفانی سے رخصت ہوئے ہیں۔ یہ صورت حال بھی ہمیں اللہ تعالی سے ڈرنے کی دعوت دیتی ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ لاَ يَقْبِضُ العِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ العِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ العِلْمَ بِقَبْضِ العُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا.» (صحیح بخاری، حدیث: 100) یعنی اللہ تعالی قیامت کے قریب دین کا علم اٹھا لے گا، ایسا نہیں ہو گا کہ سینے سے علم کھینچ لیا جائے اور لوگ پڑھا ہوا بھول جائیں، بلکہ علما کی وفات کے ذریعے علم اٹھا لیا جائے گا (پہلے والے علما دنیا سے چلے جائیں گے اور مزید لوگ علم دین حاصل نہیں کریں گے)، حتی کہ جب کوئی عالم نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو راہ نما اور پیشوا بنا لیں گے، اِن جاہلوں سے مسائل پوچھے جائیں گے، وہ بغیر علم فتوی دیں گے (قرآن وسنت سے راہ نمائی کے بجائے اپنی طرف سے بتاتے رہیں گے) تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

یہ حدیث پاک ہمیں کئی باتیں سکھاتی ہے:

- علمائے دین اللہ تعالی کی عظیم نعمت ہیں، اِن کا دنیا سے تشریف لے جانا قیامت کی نشانی ہے۔
- علم دین حاصل کرنے سے غافل نہ ہوں، بلکہ اپنی اولاد کو دین کا عالم بنانے کی کوشش کریں۔
- دینی معاملات میں علما کے بجائے جاہلوں کو راہ نما بنانا سخت ناپسندیدہ اور قیامت کی نشانی ہے۔
- دین کے بارے کبھی بھی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا چاہیے، بلکہ قرآن وسنت سے راہ نمائی لی جائے۔

اہم نوٹ: خطبہ میں بار بار سورج کے متحرک ہونے کا ذکر ہے۔ یہ اس اسلامی نظریہ پر مبنی ہے کہ زمین مرکز ہے اور ساکن ہے، سورج اور چاند اِس کے گرد چل رہے ہیں۔ مروّجہ سائنسی کتب اس مفروضہ پر مبنی ہیں کہ سورج مرکز ہے اور ساکن ہے، زمین اُس کے گرد گھوم رہی ہے۔ عوامی اشکالات سے بچنے کے لیے درج ذیل لنکس پر کلک کرکے ضرور معلومات حاصل کریں:

https://www.facebook.com/ilmetauqeet/videos/274024820467367

http://www.marfat.com/BookDetailPage.aspx?bookId=f85be331-e6cb-4a34-a1c3-135d8804668e

http://fb.com/ilmetauqeet

سایۂ مُصطَفٰی
مایۂ اِصطَفٰی

عِزّ و نازِ خِلافت پہ لاکھوں سلام

مجلسِ عُلمائے نظامیہ پاکستان

مرکزی دفتر جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

بیاں ہو کس زباں سے مرتبہ صدیق اکبر کا
ہے یارِ غار محبوبِ خدا صدیق اکبر کا

الٰہی رحم فرما خادمِ صدیق اکبر ہوں
تری رحمت کے صدقے واسطہ صدیق اکبر کا

رُسُل اور انبیا کے بعد جو افضل ہو عالَم سے
یہ عالَم میں ہے کس کا مرتبہ صدیق اکبر کا

گدا صدیق اکبر کا خدا سے فضل پاتا ہے
خدا کے فضل سے میں ہوں گدا صدیق اکبر کا

نبی کا اور خدا کا مدح گو صدیق اکبر ہے
نبی صدیق اکبر کا خدا صدیق اکبر کا

ضعیفی میں یہ قوت ہے ضعیفوں کو قوی کر دیں
سَہارا لیں ضعیف و اَقوِیا صدیق اکبر کا

خدا اِکرام فرماتا ہے اَتْقٰی کہہ کے قرآں میں
کریں پھر کیوں نہ اِکرام اَتْقِیا صدیق اکبر کا

ہوئے فاروق و عثماں و علی جب داخلِ بیعت
بنا فخرِ سلاسِل سلسلہ صدیق اکبر کا

مقامِ خوابِ راحت، چین سے آرام کرنے کو
بنا پہلوئے محبوبِ خدا صدیق اکبر کا

علی ہیں اُس کے دشمن اور وہ دشمن علی کا ہے
جو دشمن عقل کا دشمن ہوا صدیق اکبر کا

لُٹایا راہِ حق میں گھر کئی بار اِس محبت سے
کہ لُٹ لُٹ کر حسن گھر بن گیا صدیق اکبر کا

آغازِ سخن: نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس تمام اوصافِ کمال کی جامع ہے۔ مخلوق میں جن خوبیوں کا پایا جانا ممکن تھا وہ سب کی سب پورے کمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ میں جمع فرمادیں۔ آپ ﷺ کی خوبیاں شمار کرنا ممکن نہیں۔ کلامِ رضا ہے:

تیرے تو وصف، عیبِ تناہی سے ہیں بَرِی
حیراں ہوں میرے شاہا مَیں کیا کیا کہوں تجھے

کہہ لے گی سب کچھ اُن کے ثناخواں کی خامُشی
چپ ہو رہا ہے کہہ کے مَیں کیا کیا کہوں تجھے

لیکن رضا نے ختمِ سخن اِس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خَلق کا آقا کہوں تجھے

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے نوازنا چاہتا ہے اُسے سرکارِ دوجہاں ﷺ کے کچھ اوصاف کی جھلک عطا کر دیتا ہے، نیکوں کی اچھائیاں اُنہیں کی صفات کا پرَتو ہیں۔ شاہانِ اسلام کا رعب و دبدبہ بھی اُنہیں کے جلال کا عکسِ جمیل ہے اور اولیائے عظام کی عاجزی و مخلوقِ خدا سے پیار بھی اُنہیں کے جمال کی جھلک ہے۔ سخاوتِ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اُنہیں کے جود و کرم کی نشانی ہے اور قوّتِ حیدرِ کرّار کرم اللہ تعالیٰ وجہہ بھی اُنہیں کی شجاعت کی خیرات ہے۔ اقبال علیہ الرحمہ نے خوب کہا:

لَوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے مُحیط میں حَباب

عالَمِ آب و خاک میں تیرے ظُہور سے فَروغ
ذرّۂ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب

شوکتِ سَنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جُنَید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب [1]

بعض خوش نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے فنا فی الرسول کا مقام نصیب ہوجاتا ہے، یعنی وہ محبت واِطاعتِ رسول ﷺ میں ایسے مرتبہ کمال کو پہنچ جاتے ہیں کہ اُنہیں ہر طرف جلوۂ محبوب ﷺ ہی نظر آتا ہے۔ قلندرِ لاہوری نے کہا:

---

[1] شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام — میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پاگئے — عقل غیاب و جُستجو، عشق حضور و اضطراب

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر

وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

اِن بخت کے سکندروں کا ہر قول و فعل محبوبِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اداؤں کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ محبوبِ ربِ کریم جَلَّ جَلَالُہٗ و صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے رنگ میں یوں رنگے جاتے ہیں کہ دیکھنے والے کو صورت اِن کی نظر آتی ہے مگر تجلّی آمنہ کے چاند صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہوتی ہے۔ تاجدارِ بریلی نے فرمایا:

جس کی ہر ہر ادا سُنّتِ مصطفٰے

ایسے پیرِ طریقت پہ لاکھوں سلام

اِن خوش نصیبوں کی طبیعت، محبوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طبیعت میں اور مزاج اُن کے مزاج میں ڈھل جاتا ہے، حتی کہ اپنی کوئی تمنا اور آرزو باقی نہیں رہتی، سب چاہتیں، محبتیں اور تمنائیں اُن کے قدموں پر قربان کرکے اُنہیں کی خوشنودی کے طلب گار ہوتے ہیں۔

تمنا تری ہے اگر ہے تمنا

تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

فنا فی الرسول کا مقام پانے والے خوش بختوں میں سب سے اول اور سب سے افضل امیر المؤمنین، یارِ غار و مزار، رفیقِ حوض و جنت، مُحبّ و محبوبِ رسول، صدیق اکبر، ابو بکر عبد اللہ بن عثمان رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔ وہ فنا فی الرسول کے کتنے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، اُنہیں ظاہری حیات میں جانِ جہاں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا کتنا قرب حاصل تھا اور آخرت میں کیسی عزت نصیب ہوگی، اس کا کچھ اندازہ آج اُن کے مزارِ انور کے نظارہ سے ہوتا ہے۔ کشتۂ عشق و محبت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے مشہورِ زمانہ سلام میں کہا:

سایۂ مُصْطَفٰی مایۂ اِصْطَفٰی

عِزّ و نازِ خِلافت پہ لاکھوں سلام

یعنی اُس اَفْضَلُ الْخَلْق بَعْدَ الرُّسُل

ثَانِیَ اثْنَیْنِ ہجرت پہ لاکھوں سلام

اَصْدَقُ الصَّادِقِیْن سَیِّدُ الْمُتَّقِیْن

چشم و گوشِ وِزارت پہ لاکھوں سلام[1]

آج کے خطبہ میں ذکر ہوگا کہ بے سایہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سایہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ محبوبِ اکبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اوصاف کا کیسا عکسِ جمیل تھے اور اُنہیں ہر لمحہ قرب کا کتنا اعلیٰ درجہ نصیب ہے۔

---

[1] ان اشعار کی مختصر وضاحت کے لیے لنک پر کلک کریں: https://www.dawateislami.net/magazine/ur/ashar-k-tashreeh/saya-e-mustafa

اوصافِ نبویہ کا عکسِ جمیل

اوصافِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم: اللہ تعالی کے کلام کا بوجھ اُٹھانا اور اُس کا فیض پانا اتنا عظیم ہے کہ اگر یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل ہوتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔(الحشر 59:21) یہ قلبِ مصطفیٰ کریم ﷺ کی قوت ہے کہ اُس نے کلامِ الٰہی کا فیض نہ صرف خود پایا بلکہ تمام جہان تک بھی پہنچایا۔ جب نبی کریم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو جوشِ فیضِ ربّانی کی وجہ سے قلبِ اطہر پر کپکپی طاری ہوئی، چنانچہ آپ ﷺ اپنے کاشانۂ اقدس پر تشریف لائے اور پیکرِ وفا اُم المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: «زَمِّلُوْنِي زَمِّلُوْنِي» ”مجھے چادر اوڑھادو، مجھے چادر اوڑھادو“۔ کچھ وقفہ کے بعد آپ ﷺ نے اُم المؤمنین رضی اللہ تعالی عنہا کے سامنے اپنی کیفیت کا اظہار فرمایا، اُنھوں نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے عرض کی: كَلَّا! أَبْشِرْ، فَوَاللهِ لَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا۔ یعنی آپ ہر گز پریشان نہ ہوں، خوش رہیے، قسم بخدا! اللہ آپ کو شرمندہ نہیں کرے گا، بے یار و مدد گار نہیں چھوڑے گا۔ پھر اُم المؤمنین نے آپ ﷺ کے اوصاف کا ذکر کیا۔ کہا: فَوَاللهِ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِيْنُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، حدیث: 4953) وفی روایة: إِنَّكَ لَتُؤَدِّي الْأَمَانَةَ۔ (دلائل النبوة، جماع ابواب المبحث، بَاب أَوَّلُ سُورَةٍ نَزَلَت من القرآن) یعنی ہر موقع پر اللہ تعالی آپ کی مدد فرمائے گا، کیونکہ آپ تو ایسے ہیں کہ:

- (رشتہ دار آپ سے قطع تعلق کریں تب بھی) آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔
- (لوگ آپ سے جھوٹ بولیں بلکہ معاذ اللہ آپ کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں تب بھی) آپ سچ فرماتے ہیں۔
- (جن) ناداروں کا (کوئی بوجھ نہ اُٹھائے آپ اُن کا) بوجھ اٹھاتے ہیں۔
- بھلائی کے کاموں میں مال دیتے / محتاجوں کو کما کر عطا کرتے ہیں۔
- مہمان نوازی کرتے ہیں۔
- حق تعالی کی طرف سے آنے والی مصیبتوں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں / راہِ حق میں پیش آنے والے مصائب پر مدد کرتے ہیں۔
- اور امانت ادا کرتے ہیں۔

برادرِ اعلیٰ حضرت، شہنشاہِ سخن امامِ زمن، مولانا حسن رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے اِس حدیث پاک کی کیا خوب ترجمانی کی:

مبارک ہو وہ شہ پردہ سے باہر آنے والا ہے
گدائی کو زمانہ جس کے در پر آنے والا ہے

فقیروں سے کہو حاضر ہوں جو مانگیں گے پائیں گے
کہ سلطانِ جہاں محتاج پرُوَر آنے والا ہے

کہاں ہیں ٹوٹی امیدیں کہاں ہیں بے سہارا دل
کہ وہ فریاد رَس، بے کَس کا یاور آنے والا ہے

ٹھکانا بے ٹھکانوں کا سہارا بے سہاروں کا
غریبوں کی مدد بے کَس کا یاوَر آنے والا ہے

مبارک درد مندوں کو ہو مُژدہ بے قراروں کو
قرارِ دل، شِکَیبِ جانِ مُضْطَرّ آنے والا ہے

عکسِ جمیل: اعلانِ نبوت کے پانچویں سال سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنا دین بچانے کے لیے حبشہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ کیا اور گھر سے روانہ ہوگئے۔ راستے میں ایک قبیلے کا سردار ابن دَغِنہ ملا۔ کہنے لگا: أَيْنَ تُرِيدُ يَا أَبَا بَكْرٍ؟ "ابو بکر! کہاں کا اِرادہ ہے؟" فرمایا: أَخْرَجَنِي قَوْمِي، فَأُرِيدُ أَنْ أَسِيحَ فِي الْأَرْضِ وَأَعْبُدَ رَبِّي۔ یعنی کفار کے ظلم وستم کی وجہ سے مَیں نے فیصلہ کیا ہے کہ کسی دوسرے ملک میں چلا جاؤں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔ وہ کہنے لگا: فَإِنَّ مِثْلَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ لَا يَخْرُجُ وَلَا يُخْرَجُ۔ ابو بکر! آپ جیسا عظیم انسان نہ اپنے وطن کو چھوڑ کر جاتا ہے اور نہ ہی اُسے نکالا جاتا ہے۔ پھر اُس نے آپ کی تعریف میں بعینہٖ وہی الفاظ کہے جو سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیے تھے۔ کہنے لگا: إِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔ آپ محتاجوں کو کما کر دیتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، ناداروں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہِ حق میں آنے والے مصائب پر مدد کرتے ہیں۔ مزید کہا: مَیں آپ کو امان دیتا ہوں، آپ مکہ میں ہی رہیں اور اپنے رب کی عبادت کریں۔ پھر اُس نے سرداران قریش کے سامنے جاکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کے یہ اوصاف بیان کیے اور اُنہیں قائل کیا کہ ایسے عظیم الشان شخص کو مکہ چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے۔(صحیح بخاری، حدیث:3905)

اسلام کا ابتدائی دور، جب کہ جاہلیت کی ایسی تاریکی تھی کہ لوگوں میں حُسنِ اخلاق نام کی کوئی چیز نہیں تھی، کمزوروں کا سہارا بننا تو دُور کی بات ہے اُنہیں انسان بھی نہیں سمجھا جاتا تھا، اُس دور میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نبی کریم ﷺ کے اوصاف کا ایسا عکسِ جمیل تھے تو جب رسول اللہ ﷺ کی تربیت اور آپ کی معیت نے اُن کے باطن کو بھی روشن ومنوّر کردیا تب خوبیوں کا کیا عالم ہو گا۔

پھر لُطف یہ کہ تعریف وتوصیف کے یہ کلمات کسی عقیدت مند کے کہے ہوئے نہیں، بلکہ ایک کافر کے بیان کردہ ہیں۔ کہا جاتا ہے: اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ "خوبی وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دے"۔

تربیت: نبی کریم ﷺ اور آپ کے قدموں کی برکت سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو خوبصورت اوصاف ہم نے سُنے، کیا یہ ہمارے اندر بھی یہ پائے جاتے ہیں؟ ہم صلہ رحمی کرتے ہیں؟ سچ بولتے ہیں؟ ناداروں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں؟... اگر نہیں تو ہمیں بھی یہ اوصاف اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

قلبِ مصطفیٰ اور صدیق اکبر کا دل

فنا فی الرسول جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ بہت بار ایسا ہوا کہ کسی معاملے پر مشورہ ہوتا تو جو بات نبی کریم ﷺ کے قلبِ اقدس میں ہوتی خود بخود صدیق اکبر کے دل میں بھی وہی بات بیٹھ جاتی۔ اس کی ایک خوبصورت مثال صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوالات کے جوابات کی صورت میں بھی ملتی ہے۔

چھ ہجری میں آپ ﷺ نے ایک دن نمازِ فجر کے بعد مسلمانوں کو بتایا: مَیں نے خواب دیکھا ہے کہ ہم امن وسلامتی کے ساتھ مسجدِ حرام شریف میں داخل ہوئے ہیں (اور عمرہ کرکے) سر منڈائے اور بال ترشوائے ہیں۔ چنانچہ جوش وخروش کے ساتھ عمرہ کی تیاری شروع ہوئی، آپ ﷺ یکم ذوالقعدہ کو روانہ ہوئے، کم وبیش چودہ سو صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ کے ہمراہ تھے، عمرہ کی نیت سے قربانی کے جانوروں، ستر اونٹوں، کی معیت میں آپ ﷺ بغیر کسی جنگی ہتھیار کے عازمِ حرم مکہ ہوئے۔ قریش نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مکہ شریف میں داخل ہونے سے روک دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے بیعت لی، جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام بیعت کرنے والوں سے راضی ہونے کا اعلان بھی فرمایا۔ (الفتح 18:48) اس بیعت سے کفار مرعوب ہوگئے اور سفارت کاری شروع کی، جس کے نتیجے میں ایک معاہدہ طے پاگیا، اس معاہدے میں درج ذیل نکات بھی شامل تھے:

1) مسلمان اس سال بغیر عمرہ کیے واپس چلے جائیں گے اور آئندہ سال عمرہ کے لیے ہتھیاروں کے بغیر آئیں گے اور تین دن قیام کے بعد چلے جائیں گے۔
2) اہلیانِ مکہ میں سے کوئی مسلمان ہو کر مدینہ آیا تو اسے واپس بھیج دیا جائے گا، جب کہ کوئی مسلمان مکہ آگیا تو اُسے واپس نہیں بھیجا جائے گا۔
3) اگلے دس سالوں تک فریقین میں جنگ نہیں ہوگی اور قبائلِ عرب جس فریق کے ساتھ چاہیں مل سکتے ہیں۔

یہ معاہدہ بعد میں فتحِ مُبین ثابت ہوا اور اِسی معاہدے کا نتیجہ تھا کہ جب مکہ والوں نے اس معاہدے کو توڑ دیا تو 8ھ میں (صرف دو سال بعد) آپ ﷺ دس ہزار کے لشکر کے ہمراہ مکہ شریف کو فتح کرنے کے لیے پہنچے تو کسی کو راستہ روکنے کی جرأت نہیں تھی، بلکہ کفار نے اپنے گھروں میں گھس کر جان بچائی۔ ظاہری طور پر اس معاہدے کے نکات میں مسلمانوں کی کمزوری معلوم ہوتی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ اپنی ایمانی غیرت کی وجہ سے چاہتے تھے کہ اِن شرائط کو قبول نہ کیا جائے، اُنھوں نے اطمینانِ قلب کے لیے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر چار معروضات پیش کیں جن پر آپ ﷺ نے ارشادات فرمائے۔ معروضات وارشادات یوں تھے:

1) فَقُلْتُ: أَلَسْتَ نَبِيَّ اللهِ حَقًّا؟ قَالَ: بَلٰى! عرض: کیا آپ اللہ تعالی کے سچے نبی نہیں؟ ارشاد: ''کیوں نہیں! مَیں ضرور اللہ تعالی کا سچا نبی ہوں''۔

2) قلتُ أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَعَدُوُّنَا عَلَى الْبَاطِلِ؟ قَالَ: بَلٰى! عرض: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ ارشاد: کیوں نہیں! ہم ہی حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں''۔

3) قُلْتُ: فَلِمَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِيْ دِيْنِنَا إِذًا؟ قَالَ: إِنِّي رَسُولُ اللهِ وَلَسْتُ أَعْصِيْهِ وَهُوَ نَاصِرِيْ۔ عرض: تو پھر ہم اپنے دین کے بارے میں اتنی کمزوری کیوں دکھا رہے ہیں؟ ارشاد: ''بے شک مَیں اللہ تعالی کا رسول ہوں، مَیں اُس کی مرضی کے خلاف نہیں کرتا اور وہ میرا مددگار ہے''۔

4) قُلْتُ: أَوَلَيْسَ كُنْتَ تُحَدِّثُنَا أَنَّا سَنَأْتِي الْبَيْتَ فَنَطُوْفُ بِهٖ؟ قَالَ: بَلٰى! فَأَخْبَرْتُكَ أَنَّا نَأْتِيْهِ الْعَامَ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا۔ قَالَ: فَإِنَّكَ آتِيْهِ وَمُطَّوِّفٌ بِهٖ۔ عرض: کیا آپ نے فرمایا نہیں تھا کہ ہم عن قریب بیت اللہ شریف جا کر اُس کا طواف کریں گے؟ ارشاد: ''کیوں نہیں، مَیں نے یہ بتایا تھا، لیکن کیا یہ بھی بتایا تھا کہ اِسی سال وہاں جائیں گے؟'' عرض: نہیں، اس سال کا تو نہیں فرمایا تھا۔ ارشاد: ''(تو پھر مَیں نے جو بتایا تھا وہ سچ ہے) تم ضرور بیت اللہ شریف جاؤ گے اور اُس کا طواف کرو گے''۔

جب یہ معروضات وارشادات ہوئے تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ پاس موجود نہیں تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تو بے تکلف بات نہیں کر سکتے تھے، مزید تسلی کے لیے بارگاہِ صدیقی میں پہنچے اور وہی سوالات دہرائے۔

1) فَقُلْتُ: يَا أَبَا بَكْرٍ! أَلَيْسَ هٰذَا نَبِيَّ اللهِ حَقًّا؟ قَالَ: بَلٰى! سوال: جناب ابو بکر! کیا یہ اللہ تعالی کے سچے نبی نہیں؟ جواب: ''کیوں نہیں! وہ ضرور اللہ تعالی کے سچے نبی ہیں''۔

2) قُلْتُ: أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَعَدُوُّنَا عَلَى الْبَاطِلِ؟ قَالَ: بَلٰى! سوال: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ جواب: ''کیوں نہیں، ہم ہی حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں''۔

3) قُلْتُ: فَلِمَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِي دِيْنِنَا إِذًا ؟ قَالَ: أَيُّهَا الرَّجُلُ ! إِنَّهُ لَرَسُولُ اللهِ ﷺ وَلَيْسَ يَعْصِي رَبَّهُ، وَهُوَ نَاصِرُهُ، فَاسْتَمْسِكْ بِغَرْزِهِ فَوَاللهِ إِنَّهُ عَلَى الْحَقِّ۔ سوال: تو پھر ہم اپنے دین کے بارے میں اتنی کمزوری کیوں دکھا رہے ہیں؟ جواب: ”صاحب! بے شک وہ اللہ تعالی کے رسول ہیں، وہ اُس کی مرضی کے خلاف نہیں کرتے اور وہ ضرور اُن کا مددگار ہے، تم اُن کے قدم تھامے رکھو، وہ ضرور حق پر ہیں“۔

4) قُلْتُ: أَلَيْسَ كَانَ يُحَدِّثُنَا أَنَّا سَنَأْتِي الْبَيْتَ وَنَطُوفُ بِهِ ؟ قَالَ: بَلٰى ! أَفَأَخْبَرَكَ أَنَّكَ تَأْتِيهِ الْعَامَ ؟ قُلْتُ: لَا۔ قَالَ: فَإِنَّكَ آتِيهِ وَمُطَّوِّفٌ بِهِ۔ سوال: کیا اُنھوں نے فرمایا نہیں تھا کہ ہم عن قریب بیت اللہ شریف جا کر اُس کا طواف کریں گے؟ جواب: ”کیوں نہیں، فرمایا تھا، لیکن کیا یہ بھی فرمایا تھا کہ اِسی سال وہاں جائیں گے؟“ عرض: نہیں، اِس سال کا تو نہیں فرمایا تھا۔ جواب: ”(پھر اُنھوں نے جو بتایا تھا وہ سچ ہے) تم ضرور بیت اللہ شریف جاؤ گے اور اُس کا طواف کرو گے“۔ (صحیح بخاری، حدیث: 2731)

تربیت: سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے اِس سخت ترین موقع پر پورے اطمینان کے ساتھ بعینہٖ وہی الفاظ دہرائے جو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائے۔ اس میں جہاں صدیق اکبر کی شان ظاہر ہوتی ہے کہ اُن کے دل پر قلبِ مصطفی کریم ﷺ کے خاص انوار و تجلیات کا عکس تھا، وہیں ہمارے لیے سبق ہے کہ شریعت کے حکم کے سامنے اپنی عقل کے فیصلے نہیں رکھتے۔ مولانا روم علیہ الرحمہ نے فرمایا:

عقل قُرباں کُن بہ پیشِ مصطفٰی
حَسْبِیَ اللہ گو کہ اللہ ام کَفٰی

جامعِ اوصافِ خیر

خطبہ کے شروع میں ذکر ہوا کہ اللہ تعالی نے اپنے حبیب ﷺ کی ذاتِ اقدس میں تمام خوبیاں جمع فرمادیں۔ آپ ﷺ کی معیت و تربیت کی برکت سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ بھی اوصافِ خیر کے جامع تھے۔

حضرت سلیمان بن یسار رحمہ اللہ تعالی روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «خِصَالُ الْخَيْرِ ثَلَاثُمِائَةٍ وَسِتُّونَ خَصْلَةً، إِذَا أَرَادَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ بِعَبْدٍ خَيْرًا جَعَلَ فِيهِ خَصْلَةً مِنْهَا يُدْخِلُهُ بِهَا الْجَنَّةَ» ”بھلائی کے 360 اوصاف ہیں، اللہ تعالی جسے نوازنا چاہے اُسے ان میں سے ایک وصف عطا کر کے اس کے ذریعے جنت میں داخل فرمادیتا ہے“۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی: يَا رَسُولَ اللهِ أَفِيَّ مِنْهَا شَيْءٌ ؟ یارسول اللہ! اِن میں سے کوئی وصف مجھ میں بھی پایا جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ، جَمْعَاءُ مِنْ

كُلِّ شَيْءٍ» وزاد ابن عساکر: «وَهَنِيْئًا لَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ.» (مکارم الاخلاق لابن ابی الدنیا، حدیث:29، تاریخ دمشق، ج:30، ص:103)

''جی ہاں اے ابو بکر! تمہیں مبارک ہو، تمہارے اندر بھلائی کے تمام اوصاف پائے جاتے ہیں''۔[1]

غلط فہمی کا اِزالہ: کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ صدیق اکبر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ظاہری خلیفہ تھے اور مولی المسلمین کرم اللہ تعالی وجہہ' روحانی خلیفہ تھے۔ وہ ظاہری اور روحانی خلافت کا فرق کرتے ہیں۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ جس شخصیت کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تمام اوصافِ خیر کا جامع قرار دیں اُس سے زیادہ روحانیت کسے نصیب ہو گی؟

تجلیاتِ ذاتِ مصطفیٰ کا عکسِ جمیل

جب مُحبّ خود کو محبوب میں فنا کر دیتا ہے تو بعض اوقات مُحبّ کی صورت میں محبوب کے حُسن کی جھلک دکھائی دینے لگتی ہے۔

پیر سیال لجپال خواجہ محمد شمس الدین سیالوی علیہ الرحمہ (۱۲۱۴ھ / 1799ء تا ۱۳۰۰ھ / 1883ء) کی سوانح میں ہے کہ آخر عمر شریف میں اُن کی صورت بھی اپنے شیخ گرامی پیر پٹھان خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی علیہ الرحمہ (۱۱۸۴ھ / 1770ء تا ۱۲۶۷ھ / 1850) کی صورتِ مبارکہ کے مشابہ ہو گئی تھی، حتیٰ کہ جب وہ اپنے شیخ کے مزارِ پُر انوار پر حاضری کے لیے تونسہ شریف حاضر ہوتے تو اہلیانِ تونسہ دیکھ کر حیران رہ جاتے اور کہتے: یہ پیر پٹھان ہیں یا پیر سیال؟ یہ پیر پٹھان کے انوار و تجلیات کا عالم ہے، جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ فنا فی الرسول کے شرف سے مشرّف ہوئے تو اُن کے حُسن و جمال کا کیا عالم ہو گا!

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو پیر کے دن ابتدائی طور پر بنو عَمرو کے ہاں قیام فرمایا، بہت سے لوگ جنہوں نے اس سے پہلے سرکارِ دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا جمالِ جہاں آرا نہیں دیکھا تھا وہ فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ آقا کون ہیں اور خادم کون ہے؟ راوی کہتے ہیں: حَتّٰى أَصَابَتِ الشَّمْسُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ حَتّٰى ظَلَّلَ عَلَيْهِ بِرِدَائِهِ، فَعَرَفَ النَّاسُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ... (صحیح بخاری، حدیث:3906) حتیٰ کہ جب دھوپ آئی تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی چادر سے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر سایہ کر کے کھڑے ہو گئے، اب (پہلی بار زیارت کرنے والے) لوگوں نے نبی کریم رؤف و رحیم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو صحیح طرح پہچانا۔[2]

---

[1] یہ حدیث فقط سُنّی ہی بیان کر سکتا ہے، دشمنانِ صحابہ کو فضائلِ صدیق بیان کرنے کی توفیق ہی نہیں، اور خارجی اس لیے نہیں بیان کر سکتا اِن اوصاف کی خبر وہی دے سکتا ہے جو ظاہر و باطن اور ایک ایک گھڑی کا علم رکھتا ہو، یوں یہ حدیث نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے علم کی وسعتوں پر بھی واضح دلیل ہے۔

[2] شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا: گِلے خوشبوئے در حمّام روزے رسید از دستِ محبوب بدستم

بدُو گفتم کہ مُشکی یا عبیری کہ از بوئے دلاویزِ تو مَستم

بگفتا مَن گِلے ناچیز بُودم ولیکن مُدّتے با گُل نشِستم

بلاشبہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ بھی اعلی حضرت علیہ الرحمہ کے اس شعر کا مصداق ہیں:

مصطفٰی کے تنِ بے سایہ کا سایہ دیکھا
جس نے دیکھا میری جاں جلوۂ زیبا تیرا

رفاقت و شرفِ دائمی

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کو نبی اکرم ﷺ کی معیّت اور نہایت قُرب کا جو شرف حاصل ہوا وہ بلاشبہ کسی اور کے نصیب میں نہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بہت خوبصورت کلمات تحریر فرمائے: "(جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے) سولہ برس کی عمر میں حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے قدم پکڑے کہ عمر بھر نہ چھوڑے، اب بھی پہلوئے اقدس میں آرام کرتے ہیں، روزِ قیامت دست بدستِ حضور اُٹھیں گے، سایہ کی طرح ساتھ ساتھ داخلِ خُلدِ بریں ہوں گے"۔ (فتاوی رضویہ، ج:28، ص:457)

ابو عبد الرحمٰن سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ جانِ رحمت ﷺ ایک دن نکلے اور مسجد میں داخل ہوئے، ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے ایک آپ ﷺ کے دائیں جانب تھے اور دوسرے بائیں جانب، اور آپ ﷺ نے اِن دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: هٰكَذَا نُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ . "قیامت کے دن بھی ہم اِسی طرح اُٹھائے جائیں گے"۔ (جامع ترمذی، حدیث:3669)

سیدنا عبد اللہ بن عُمَر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا: أَنْتَ صَاحِبِيْ عَلَى الْحَوْضِ وَ صَاحِبِيْ فِي الْغَارِ. (جامع ترمذی، حدیث:3670) "تم حوض (کوثر) پر میرے ساتھی ہو اور غار (ثور) میں میرے ساتھی ہو۔"

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ تاجدارِ ختمِ نبوت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ نُصِبَ لِإِبْرَاهِيمَ مِنْبَرٌ أَمَامَ الْعَرْشِ، وَنُصِبَ لِي مِنْبَرٌ أَمَامَ الْعَرْشِ، وَنُصِبَ لِأَبِي بَكْرٍ كُرْسِيٌّ، فَنَجْلِسُ عَلَيْهَا،

جمالِ همنشیں در من اثر کرد   و گرنه مَن همان خاکم که هستم (گلستان سَعدی ص ٦)

یعنی ایک روز خوشبو والی مٹی حمام میں مجھے ایک دوست کے ہاتھوں سے ملی، میں نے اس مٹی سے کہا کہ تو مُشک ہے یا عنبر! کہ تیری دلکش خوشبو نے مجھے مست و بے خود کر دیا ہے (یہ سن کر مٹی نے کہا:) مَیں تو حقیر مٹی تھی لیکن ایک مُدّت تک میں پھولوں کی صحبت میں رہی پس ہمنشیں کے جمال نے مجھ میں اثر کیا (کہ میں خوشبودار ہو گئی) ورنہ میں تو وہی خاک و مٹی ہوں جو پہلے تھی۔

وَيُنَادِي مُنَادٍ : يَا لَكَ مِنْ صِدِّيقٍ بَيْنَ خَلِيلٍ وَحَبِيبٍ" "روز قیامت عرش اعظم کے سامنے میرے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے منبر رکھے جائیں گے، اورابو بکر کے لیے ایک کرسی رکھی جائے گی۔ ہم اُن پر بیٹھیں گے اور ایک منادی یوں ندا کرے گا: "صدیق کی عظمت کے کیا کہنے! کہ وہ خلیل اللہ اور حبیب اللہ کے مابین حاضر ہیں"۔(تاریخ دمشق، ج:30، ص:158، حدیث ضعیف)

حرفِ آخر

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کو اللہ تعالی اور اُس کے حبیب ﷺ کی بارگاہوں میں نہایت عزت و تکریم حاصل ہے۔ پوری اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں اور انبیا کے بعد اللہ تعالی کی بارگاہ میں آپ کو سب سے زیادہ عزت حاصل ہے۔

وہ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس میں فنا تھے اور آپ کی ذات وصفات کا مظہر تھے۔ اُنھوں نے جس جاںثاری کے ساتھ آپ ﷺ کی غلامی کا حق ادا کیا وہ پوری اُمت کے لیے لائقِ تقلید ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان سے آج تک پوری اُمت خود کو اُن کا احسان مند سمجھتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے سب کے احسانات کا بدلہ عطا کر دیا، مگر صدیق اکبر کو یہ اِعزاز بخشا کہ اُن کے احسانات کا بدلہ نہیں چکایا۔

موجودہ دور میں بعض فتنہ پرور لوگ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کر کے آپ کی شان کم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، بدمذہب تو بدمذہب ہیں کچھ لوگ سُنیّت کا دم بھرتے ہوئے بھی صدیق اکبر یا دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں نئی نئی تحقیقات پیش کر رہے ہیں۔ قرآن و سنت میں مکمل طور پر واضح کیا گیا ہے تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان، بالخصوص خلفائے راشدین اور اُن کے پیشوا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ جنتی ہیں، بلکہ اہل جنت کے سردار ہیں۔ اُن کا ذکر اچھے الفاظ کے ساتھ کرنا لازم ہے۔ ہمیں اس نظریہ پر ہمیشہ قائم رہنا چاہیے اور کسی بھی طرح کی بدگمانی کا شکار ہو کر اپنی آخرت خراب نہیں کرنی چاہیے۔

سایۂ مصطفیٰ مایۂ اِصطفیٰ

عِزّ و نازِ خلافت پہ لاکھوں سلام

مجلس علماء نظامیہ پاکستان کی طرف سے بھیجا گیا گزشتہ خطبۂ جمعہ اس شعر کے پہلے مصرع سے متعلق تھا، ملاحظہ کرنے کے لیے لنک پر کلک کریں: https://drive.google.com/file/d/1cFQ7VbZt32uKP9n6I8d8UFZvpoM6N2Jm/view

بہتری جس پہ کرے فَخُر وہ بہتر صدّیق
سَرُوَرِی جس پہ کرے ناز وہ سرور صدّیق

بے گماں شمعِ نبوّت کے ہیں آئینے چار
یعنی عثمان وعمر حیدر و اکبر صدیق

سارے اصحابِ نبی تارے ہیں اُمّت کے
اِن ستاروں میں بنے مِہرِ مُنَوّر صدّیق

ثَانِیَ اُثْنَیْن ہیں بوبکر خدا میرا گواہ
حق مقدم کرے پھر کیوں ہو مؤخر صدیق

زِیست میں موت میں اور قبر میں ثانی ہی رہے
ثَانِیَ اُثْنَیْن کے اِس طرح ہیں مظہر صِدّیق

ان کے مدّاح نبی ان کا ثنا گو اللہ
حَقُ اُلُو الُفَضُل کہے اور پیمبر صدّیق

بال بچوں کے لیے گھر میں خدا کو چھوڑیں
مصطفیٰ پر کریں گھر بار نچھاور صدّیق

ایک گھر بار تو کیا غار میں جاں بھی دے دیں
سانپ ڈستا رہے لیکن نہ ہوں مُضُطَر صدّیق

علم میں، زُہد میں بے شبہ تو سب سے بڑھ کر
کہ امامت سے تری کھل گئے جوہر صدیق

اِس امامت سے کھلا تم ہو امامِ اکبر
تھی یہی رمزِ نبی کہتے ہیں حیدر صدیق

تو ہے آزاد سَقَر سے ترے بندے آزاد
ہے یہ سالک بھی ترا بندۂ بے زَرُ صدّیق

آغازِسخن: اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے ذمہ کرم پر لی ہے کہ وہ دینِ اسلام کو ہمیشہ باقی، غالب اور زندہ رکھے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: {هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ.} [التوبۃ9:33۔ الصف61:8] ”اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اُسے تمام دینوں پر غالب کر دے، اگرچہ مشرکوں کو ناپسند ہو۔“[1]

دشمنانِ اسلام کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد یہ دین ختم ہو جائے گا، آپ ﷺ کے آنکھوں سے اوجھل ہونے کے بعد اسلام کا پیغام مزید عام کرنے والا اور آپ ﷺ کا مشن جاری رکھنے والا کوئی نہیں ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب رکھنے کا وعدہ پورا فرمایا۔ اُس نے اپنے حبیب ﷺ کی صُحبت ورِفاقت کے لیے کائنات کے بہترین افراد منتخب کیے، پھر آپ ﷺ کی تربیت کے ذریعے اُنھیں اسلام کی خدمت اور پورے عالَم میں دینِ اسلام کا پیغام عام کرنے کے لیے تیار کیا۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے وصالِ اقدس کے بعد آپ کے خلفائے راشدین اور دیگر صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے اپنا سب کچھ نچھاور کرکے اسلام کو پوری دنیا میں پھیلایا، کِسرائے ایران اور قیصرِ روم کا غرور خاک میں ملا کر وہاں بھی اسلام کا جھنڈا لہرایا۔ اللہ تعالیٰ نے دین کو غالب رکھنے کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ اِنھیں مقدس ہستیوں کے ذریعے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

جب رسول اللہ کا وصالِ باکمال ہوا تو صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی کیفیت ناقابلِ بیان تھی، ظاہر ہے کہ کائنات بھر میں سب سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے سچا عشق کرنے والے صحابۂ کرام ہی تھے، وہ جس محبوب کے دیدار کے لیے زندگی کی چاہت رکھتے تھے اُس کے وصال کے بعد اُن کے دلوں پر جو بیتی ہوگی اُسے بیان کرنا اور سمجھنا ممکن نہیں، حتیٰ کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بہادر بھی اپنی کیفیت میں تھے اور وصالِ اقدس کا یقین نہیں کر پا رہے تھے۔ اِس موقع پر جس شخصیت نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نہ صرف تمام صحابہ کو سنبھالا، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ وجانشین کے طور پر صرف اڑھائی سال کے قریب عرصہ میں اسلام کے خلاف اُٹھنے والے تمام فتنوں کا خاتمہ کرکے ریاستِ مدینہ کو نہایت مضبوط کیا اور سیدنا عمر کے دور میں ہونے والی فتوحات کے لیے راہ ہموار کی، بلکہ ان فتوحات کا آغاز کیا وہ خلیفۃ الرسول، امیر المؤمنین، یارِ غار ومَزار، شانِ خلافت، صدیقِ اکبر، ابو بکر عبد اللہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف خلیفہ ہی نہیں بلکہ شانِ خلافت اور نازِ خلافت ہیں۔ جہاں آپ کے لیے یہ اِعزاز کی بات ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے پہلے خلیفہ اور جانشین ہیں، وہیں منصبِ خلافت کو بھی ناز ہے کہ اُسے جناب صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا جاں

---

[1] دلائل کے اعتبار سے تو دینِ اسلام پہلے بھی غالب تھا، اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ اسلام نے اپنی حقانیت پر جو دلائل پیش کیے ہیں ایسے مضبوط دلائل کسی اور دین میں نہیں۔ جہاں تک قوت ومادی اعتبار سے غلبہ کا تعلق ہے تو ایک عرصہ تک دنیا میں دینِ اسلام ہی غالب رہا ہے، اب آئندہ اس کا کامل ظہور اس وقت ہوگا جب حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔

نثار، وفاشعار، صاحبِ تدبیر اور پیکرِ استقامت مسند نشین میسر ہوا۔ آپ نے جن مشکل حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے اُمت کو سہارا دیا اور اُمت کی کشتی کو کنارے لگایا، اگر یہ مشکلات کسی پہاڑ پر اُترتیں تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے کہا:

سایۂ مُصْطَفٰی مایۂ اِصْطَفٰی
عِزّ و نازِ خِلافت پہ لاکھوں سلام

یعنی اُس اَفْضَلُ الْخَلق بَعْدَ الرُّسُل
ثانِیَ اثْنَیْنِ ہجرت پہ لاکھوں سلام

اَصْدَقُ الصّادِقِیْن سَیِّدُ الْمُتَّقِیْن
چشم و گوشِ وِزارت پہ لاکھوں سلام[2]

گزشتہ خطبہ میں شعر کے پہلے مصرع کی روشنی میں ذکر کیا گیا تھا کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کس شان کے ساتھ مصطفیٰ کریم ﷺ میں فنا تھے اور سایۂ مصطفیٰ تھے، آج کے خطبہ میں آپ کی شانِ خلافت سے متعلق کچھ باتیں مذکور ہوں گی۔

خلافتِ راشدہ کا تعارف

اللہ تعالی کی عطا سے رحمتِ عالَم ﷺ جو ہو چکا ہے اور جو ہو گا سب کچھ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے جنت و دوزخ میں جانے تک کے بہت سے حالات بیان فرمائے۔ اپنے بعد عالَمِ اسلام پر حکومت کرنے والوں کے بارے میں بھی آگاہ فرمایا۔ سیدنا سفینہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ جانِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلْخِلَافَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً، ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذٰلِكَ. (جامع ترمذی، حدیث:2226) "میری اُمت میں خلافت تیس سال ہو گی پھر مُلوکیّت اور سلطنت ہو جائے گی۔"

"خلافت تیس سال ہو گی" اس ارشاد مبارک میں یہ خوشخبری تھی کہ آپ ﷺ کے بعد 30 سال تک ریاستِ مدینہ ایسی عظیم شخصیات کے ہاتھوں میں رہے گی جو رسول اللہ ﷺ کی نیابت اور جانشینی کا حق ادا کر دیں گے۔ چنانچہ اِن خُلفا کی بیعت حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کی بیعت تھی، اِنہیں آپ ﷺ کے نائب کی حیثیت سے مسلمانوں کے تمام دینی اور دنیاوی اُمور میں شریعت کے مطابق تصرف کا مکمل اختیار تھا، وہ ریاست و حکومت اور شریعت کے معاملات میں بھی رسول اللہ ﷺ کے نائب تھے اور طریقت و باطنی اُمور میں بھی کامل جانشین تھے۔ اِنھوں نے ریاستِ مدینہ کو بالکل اُنہیں اُصولوں کے مطابق چلایا جن پر رسول اللہ ﷺ نے بنیاد رکھی تھی۔

---

[2] ان اشعار کی مختصر وضاحت کے لیے لنک پر کلک کریں: https://www.dawateislami.net/magazine/ur/ashar-k-tashreeh/saya-e-mustafa

آپ ﷺ کے اس ارشاد مبارک کی سچائی پوری دنیا نے دیکھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت تقریباً دو سال تین ماہ ہوئی، جناب عمر رضی اللہ تعالی عنہ دس سال چھ ماہ خلیفہ رہے، خلافتِ عثمانی چند دن کم بارہ سال اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالی وجہہٗ کی خلافت چار سال نو ماہ رہی، آخر میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ تقریباً چھ ماہ خلیفہ رہے۔ یوں خلافتِ راشدہ کے تیس سال مکمل ہوئے اور پھر آہستہ آہستہ خلافت میں حکومت و سلطنت کا رنگ شامل ہونے لگا۔

خلافت کے لیے تربیت

مختلف واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں ہی جنابِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کو منصبِ خلافت کے لیے تیار کیا جارہا تھا۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما مصطفیٰ جان رحمت ﷺ سے روایت کرتے ہیں: أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ، فَقَالَ لِيْ: يَامُحَمَّدُ! إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَسْتَشِيْرَ أَبَابَكْرٍ. (جامع الاحادیث، حدیث: 327۔ تاریخ دمشق) "جبریل امین علیہ السلام نے میرے پاس آکر کہا: یارسول اللہ! اللہ تعالی آپ کو حکم فرماتا ہے کہ ابو بکر صدیق کے ساتھ مشورہ فرمائیں"۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جانِ عالم ﷺ، جن کی زبانِ حق ترجمان کے بارے میں اعلیٰ حضرت نے کہا:

وہ زباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں
اُس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

جس کی عقل مبارک تمام جہان والوں سے بڑھ کر ہو، ایسی شانوں والے نبی ﷺ کو کسی کے ساتھ مشورہ کی کیا ضرورت تھی؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس حکم میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ ابو بکر صدیق آپ کی مشاورت اور تربیت کی برکت سے آپ کے بعد اُمت کی کشتی سنبھالنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

پھر رسول پاک ﷺ کی تربیت کے ساتھ ساتھ اللہ عزوجل نے خاص توفیق سے بھی نوازا۔ سیدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جناب ابو بکر و عمر (اور دیگر صحابہ) علیہم الرضوان سے مشورہ طلب فرمایا، سبھی نے اپنی اپنی رائے پیش کی، اللہ تعالی کی توفیق سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی رائے درست ٹھہری۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَا عُمَرُ! إِنَّ اللهَ يَكْرَهُ أَنْ يُخَطِّئَ أَبُوْ بَكْرٍ.» "اے عمر! اللہ تعالی کو پسند ہی نہیں کہ ابو بکر سے غلطی ہو"۔ (المعجم الاوسط، حدیث: 3949)

اشاراتِ خلافت

جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ قُرب حاصل تھا، آپ کے خلیفہ بننے کے لیے یہی بہت بڑی دلیل تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت میں بہت سے واضح اِشارات بھی دیے گئے کہ آپ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ آپ کے جانشین ہوں گے۔ چند اِشارات درج ذیل ہیں:[3]

امیرِ حجّ: رمضان المبارک، 8ھ کو مکہ مکرمہ فتح ہوا، اگلے سال 9ھ کو رسول اللہ نے ذی قعدہ میں تقریباً 300 افراد کا قافلہ حج کے لیے مدینہ شریف سے مکہ مکرمہ کو روانہ فرمایا۔ قربانی کے لیے 120 اُونٹ بھی بھیجے جن کی گردنوں میں اپنے دست مبارک سے نشانی کے ہار ڈالے۔ فتح مکہ کے بعد ہونے والے اِس پہلے حج میں آپ ﷺ خود جلوہ افروز نہیں ہو سکے، آپ ﷺ نے اپنی جگہ جنابِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کو "امیرِ حج" مقرر فرمایا۔ اسی سال سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ نے بھی صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی امارت میں حج ادا کیا۔

امامتِ نماز: ربیع الاول شریف، 11ھ کے ابتدائی ایام میں جب آپ ﷺ کے مرض مبارک میں اضافہ ہوا تو جمعہ شریف کو آپ نے نمازِ عشا کے وقت حکم دیا: «مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ» "ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"۔ آپ ﷺ کی خدمت میں بار بار عرض کی گئی: جب وہ آپ کو مصلیٰ پر نہیں دیکھیں گے تو اُن کے آنسو نہیں تھم سکیں گے، اُن کے لیے تلاوت کرنا بھی ممکن نہیں ہو گا، کسی اور کو امامت کا حکم دیجیے۔ آپ ﷺ نے ہر بار فرمایا: «مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ» "ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"۔ (صحیح بخاری، حدیث: 712)۔ چنانچہ جمعہ مبارکہ کی عشا سے پیر شریف کی فجر تک آپ ﷺ کی ظاہری حیات شریفہ میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نمازوں کی امامت کی۔

صرف ابوبکر کا دروازہ: جن حضرات کے گھر مسجد نبوی شریف کے قریب تھے اُنھوں نے آسانی کے لیے اپنے گھروں کے سامنے والی جانب مسجد کی دیوار میں چھوٹے چھوٹے دروازے بنا رکھے تھے۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کے مطابق تاجدارِ ختمِ نبوت ﷺ (اپنی ظاہری حیات مبارکہ کے آخری ایام میں) ارشاد فرمایا: «لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ إِلَّا خَوْخَةَ أَبِي بَكْرٍ» یعنی "مسجد میں تمام (چھوٹے) دروازے بند کر دیے جائیں، سوائے ابو بکر صدیق کے دروازے کے، وہ کھلا رہے گا"۔ (صحیح بخاری، حدیث: 3904)

---

[3] مزید کے لیے دیکھیے: https://www.dawateislami.net/bookslibrary/962/page/121

میرے بعد ابوبکر کے پاس: متعدد احادیث میں آپ ﷺ نے اپنے بعد صدیق اکبر رضی اللہ تعالی کی اطاعت کرنے اور اُن کے پاس حاضر ہونے کا حکم دیا۔ سیدنا جُبیر بن مُطعِم رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: ایک عورت اپنی کسی حاجت کے سلسلے میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے اسے دوبارہ آنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ وہ کہنے لگی: "یارسول اللہ! اگر مَیں دوبارہ آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو؟" گویا وہ رسول اللہ ﷺ کے پردہ فرمانے کا ذکر کررہی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: «إِنْ لَمْ تَجِدِينِي فَأْتِي أَبَابَكْرٍ» "اگر تُو مجھے نہ پائے تو ابو بکر کے پاس چلی جانا"۔ (صحیح بخاری، حدیث: 3659)[4]

اِشارۂ قرآنی: اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا... [النور 55:24] اللہ نے تم میں سے ایمان والوں اور اچھے اعمال کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ ضرور ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسی ان سے پہلوں کو خلافت دی ہے اور ضرور ضرور ان کے لیے ان کے اس دین (اسلام) کو پختہ کردے گا جو ان کے لیے پسند فرمایا ہے اور ضرور ضرور ان کے خوف کے بعد (ان کی حالت) امن سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔۔۔

اس آیت مبارکہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور دیگر خلفائے راشدین علیہم الرضوان کی خلافت کا اشارہ ہے، کیونکہ ان کے زمانے میں عظیم فتوحات ہوئیں اور کسری وغیرہ بادشاہوں کے خزانے مسلمانوں کے قبضہ میں آئے اور امن، قوت و شوکت اور دین کا غلبہ حاصل ہوا۔ (تفسیر خازن)

---

[4] حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا مِنْ نَّبِيٍّ إِلَّا وَلَهٗ وزِيرَانِ مِنْ أَهْلِ الأَرْضِ وَ وَزِيرَانِ مِنْ أَهْلِ السَّمَاءِ، فَأَمَّا وَزِيْرَايَ مِنْ أَهْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرِيلُ وَ مِيكَائِيلُ، وَ أَمَّا وَزِيرَايَ مِنْ أَهْلِ الأَرْضِ فَأَبُوبَكرٍ وَّ عُمَرُ۔ (جامع ترمذی، حدیث:: 3680) "ہر نبی کے دو وزیر آسمان والوں اور دو وزیر زمین والوں سے ہیں، میرے دو وزیر آسمان والوں میں: جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام ہیں، اور زمین والوں میں سے میرے دو وزیر: ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما ہیں۔

کسی کے وُزرا وہاں ہوتے ہیں جہاں اُس کی سلطنت و حکومت ہو؛ جب حضور خاتم الانبیاء ﷺ کے وُزرا زمین و آسمان میں ہیں تو آپ ﷺ کی بادشاہت زمین و آسمان میں ہے۔ اعلی حضرت نے کہا: عرش تا فرش ہے جس کے زیر نگیں اُس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

خلافت کی خواہش نہیں

جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا تو آپ نے ایک خطبہ میں یوں فرمایا: وَاللّٰهِ مَا كُنْتُ حَرِيْصًا عَلَى الْإِمَارَةِ يَوْمًا وَلَا لَيْلَةً قَطُّ ، وَلَا كُنْتُ فِيْهَا رَاغِبًا ، وَلَا سَأَلْتُهَا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ سِرٍّ وَلَا عَلَانِيَةٍ...وَلَوَدِدْتُ أَنَّ أَقْوَى النَّاسِ عَلَيْهَا مَكَانِي الْيَوْمَ... (المستدرک علی الصحیحین، حدیث:4422) "لوگو! خدا کی قسم مجھے زندگی بھر کسی دن یا رات میں حکومت کی خواہش نہیں رہی، نہ ہی کبھی مَیں نے خفیہ یا علانیہ طور پر اللہ تعالیٰ سے اِس کا سوال کیا ہے۔۔۔ مَیں تو آج بھی چاہتا ہوں کہ کوئی زیادہ طاقت والا یہ منصب سنبھال لے۔۔۔"

آپ نے کئی بار اِس طرح کے کلمات ارشاد فرمائے۔ ایسے ہی ایک موقع پر مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ نے کہا تھا: قَدَّمَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَمَنْ يُؤَخِّرُكَ؟ "اے صدیق! آپ کو رسول اللہ ﷺ نے مُقدّم کیا ہے (ترجیح دی ہے)، اب کس کی مجال ہے کہ آپ کو مُؤخر (پیچھے) کرے؟" (معرفۃ الصحابہ لاحمد بن حنبل، رقم:102، نوادر الاصول)

ہم میں سے ہر ایک کی خواہش ہے کہ کوئی نہ کوئی عہدہ مل ہی جائے۔ دین کو غالب کرنے کے لیے یہ کوشش اگرچہ اچھی بات اور سنتِ یوسفی ہے مگر ہماری نظریں تو صرف جاہ و منصب پر ہوتی ہیں، ہمیں جناب صدیق کے اُسوہ سے سبق لینا چاہیے۔

شانِ خلافت

یہ بات ذکر کی جاچکی ہے کہ خُلفائے راشدین اُن عظیم الشان شخصیات کو کہا جاتا ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کا حق ادا کیا۔ پہلے خلیفۂ راشد جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مختصر دورِ خلافت میں رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کو پورا کیا اور قیامت تک کے مسلم حکمرانوں کے لیے لائق تقلید مثالیں قائم کیں۔

رحمتِ عالَم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو پہلے خطبہ میں یہ کلمات بھی ارشاد فرمائے: أَطِيْعُوْنِي مَا أَطَعْتُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، فَإِذَا عَصَيْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَلَا طَاعَةَ لِيْ عَلَيْكُمْ۔ (جامع الاحادیث، سیرتِ ابن ہشام، تاریخ ابن جریر) جب تک مَیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر قائم رہوں، تم بھی میری اطاعت کرنا اور اگر (بفرضِ محال) میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی اطاعت کا بندھن توڑ کر نافرمانی کے راستے پر چل پڑوں، تو تم پر میری اطاعت ہرگز لازم نہیں ہوگی۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ ہیں، امت میں سب سے افضل ہیں، اللہ نے قرآن پاک میں ان کی خلافت کی طرف اشارات فرمائے ہیں، اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے خلاف کیسے حکم دے سکتے تھے؟ دراصل رِیاستِ مدینہ کے پہلے خلیفہ بعد والے مسلم حکمرانوں کو بتا رہے تھے کہ تمہاری رِٹ اسی وقت تک ہے جب تک تم نظام مصطفی کے پہرے دار ہو، اگر تم نے نظامِ مصطفی کو چھوڑا تو تمہارے آرڈر کی بھی وقعت نہیں رہے گی۔

نبوی وعدوں کی تکمیل: سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: «لَوْ قَدْ جَاءَ مَالُ البَحْرَيْنِ قَدْ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا» یعنی "جب بحرَین سے مال آئے گا تو تمہیں تین لپ بھر کر (درہم) دوں گا"۔ آپ ﷺ کے وصال اقدس تک وہاں سے مال نہ آیا۔ جب دورِ صدیقی میں وہاں سے مال آیا تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے اِعلان کرا دیا: مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ عِدَةٌ أَوْ دَيْنٌ فَلْيَأْتِنَا ۔ یعنی اگر کسی سے نبی اکرم ﷺ نے کوئی وعدہ کیا ہے یا اُس کا آپ ﷺ پر کچھ دین (قرض) ہے تو وہ ہمارے پاس آئے (مَیں حضور ﷺ کے وعدے پورے کر دوں گا)۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: مَیں نے بارگاہِ صدیقی میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کا وعدہ ذکر کیا۔ صدیق اکبر نے ایک لپ بھر کر دیا، مَیں نے شمار کیے تو 500 (درہم) تھے۔ آپ نے فرمایا: خُذْ مِثْلَيْهَا ۔ اس سے دوگنا مزید لے لو (تاکہ تین لپ کا وعدہ پورا ہو جائے)۔ (صحیح بخاری، حدیث: 2297)

جانشینی کا کیا خوب انداز تھا کہ سرکار ﷺ نے جو وعدہ کیا، صدیق اکبر نے آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی اُس وعدے کو پورا کیا۔ پھر آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ نہیں کہا کہ آپ ایک لپ بھر لیں، بلکہ خود لپ بھر کر دیا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اِشارہ کیا تھا، آپ کے بعد صدیق اکبر جانشین تھے، اُنھوں نے وعدے کے اِس پہلو کو بھی فراموش نہ ہونے دیا۔ (ملخص از لمعات التنقیح)

الزام تراشی کی تردید: صدیق اکبر رضی اللہ تعالی تو رسول اللہ ﷺ کے وعدے بھی پورے کرتے تھے، کتنے احمق ہیں وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ آپ نے شہزادی محترمہ خاتونِ جنت سلام اللہ تعالی علیہا کو اُن کا حق نہیں دیا۔ باغِ فدک کے معاملے میں بات صرف اتنی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک سنایا: «لَا نُوْرَثُ، مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ ۔» یعنی "ہم (انبیا) کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم نے جو کچھ مال وغیرہ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔" صدیق اکبر نے فرمایا: مَیں باغِ فَدک کو بطورِ وراثت تقسیم نہیں کروں گا، بلکہ بطورِ خلیفہ جہاں جہاں آپ ﷺ خرچ فرماتے تھے وہیں خرچ کروں گا۔ ساتھ ہی فرمایا: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ، لَقَرَابَةُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِيْ ۔ "اللہ تعالی کی قسم! مجھے رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں سے حُسنِ سلوک کرنا اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے زیادہ پسند ہے"۔ (صحیح بخاری، حدیث: 3712)

معاہدہ کی اہمیت: جانِ عالم ﷺ کی تربیت سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں وعدہ اور معاہدہ کی اتنی اہمیت تھی کہ آپ نے اپنے آقا کریم ﷺ کے وصال کے بعد بھی اُن کے وعدے کا پاس رکھا۔ ہمارے معاشرے میں معاہدے کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی جاتی۔ حکمران بھی رعایا سے وعدے کر کے مکر جاتے ہیں، بلکہ سیاسی وعدے تو اپنی جگہ رہے تحفظِ ناموسِ رسالت کے حوالے سے حکومتِ پاکستان نے فرانسیسی سفیر کو ملک بدر کرنے کا معاہدہ کیا، مگر تاحال اُس پر عملدرآمد ہوتا نظر نہیں آرہا۔ اگر یہ معاہدہ نہ بھی ہوتا تو کلمہ پڑھنے کا تقاضا تھا کہ حکومت ناموسِ رسالت کے مقابلے میں تمام دنیوی مفادات کو قربان کر دیتی، اب تو معاہدہ بھی پیشِ نظر ہے۔

خلافت کے نمایاں کارنامے

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مختصر دورِ خلافت میں بہت سے نمایاں کارنامے سرانجام دیے، مثلاً:

- آپ ﷺ کے جاری کردہ تمام فرامین کو پورا کیا۔ آپ ﷺ نے جو لشکر روانہ کیے تھے اُن کی بھرپور سرپرستی فرمائی، سرکارِ دوعالم ﷺ نے جو وعدے کیے تھے اُنہیں پورا کیا، جس انداز سے آپ ﷺ بیت المال کا نظام چلاتے تھے اُسی طریقے پر اُسے جاری رکھا۔
- مرتدین کی سرکوبی کی اور اُن کی سازشوں کو ناکام بنا کر فتنۂ اِرتداد کا خاتمہ کر دیا۔
- زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والوں کے ساتھ جہاد کیا اور اُنہیں اسلامی نظام کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنے کا پابند بنایا۔
- نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے تمام دجالوں کا خاتمہ کیا۔
- قرآن مجید کو ایک مصحف میں جمع کیا۔
- بہت سے علاقوں کو فتح کر کے ریاستِ مدینہ میں شامل فرمایا۔
- اور ایک بہت بڑا کارنامہ یہ بھی کہ اپنے بعد خلافت کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرمایا۔

تیرے قربان: حضرت ابو رجاء عمران عطاردی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: أَتَيْتُ الْمَدِينَةَ، فَإِذَا النَّاسُ مُجْتَمِعُوْنَ، وَإِذَا فِيْ وَسْطِهِمْ رَجُلٌ يُقَبِّلُ رَأْسَ رَجُلٍ وَهُوَ يَقُولُ: إِنَّا فِدَاؤُكَ، لَوْلَا أَنْتَ هَلَكْنَا ۔ ”مَیں مدینہ منورہ آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک جگہ کافی لوگ اکٹھے ہیں اور ان میں سے ایک شخص کسی دوسرے کا سر چوم رہا ہے اور ساتھ ہی یہ کہہ رہا ہے کہ ”ہم آپ پر قربان، اگر آپ نہ ہوتے تو ہم تباہ ہو جاتے۔“ مَیں نے کسی سے پوچھا: مَنِ الْمُقَبِّلُ، وَمَنِ الْمُقَبَّلُ؟ ”یہ سر چومنے والا کون ہے اور دوسرے بزرگ کون ہیں؟“ بتایا گیا: ذَاكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يُقَبِّلُ رَأْسَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي قِتَالِ أَهْلِ الرِّدَّةِ الَّذِينَ مَنَعُوا

الزَّکَاۃَ۔ ”یہ سر چومنے والے حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم ہیں اور آپ جن کا سر چوم رہے ہیں وہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق ہیں رضی اللہ تعالی عنہما ہیں، کیونکہ انہوں نے زکوۃ نہ دینے والوں (مرتد ہو جانے والوں، ختمِ نبوت کا انکار کرنے والوں اور دیگر محاذوں پر استقامت) سے جہاد کیا، اور آج تمام فتنے اپنی موت مر چکے ہیں۔“(تاریخ دمشق، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، ذکر خبر ردۃ الیمن، ج4، ص87)

یومِ یکجہتیٔ کشمیر اور سیرتِ صدیق اکبر

اہلِ پاکستان کے دل کشمیری مسلمانوں کے ساتھ دھڑکتے ہیں اور وہ ہر لمحہ اُن کی مشکلات میں آسانیوں کے لیے دعا گو ہیں۔ 5 فروری کو یوم یکجہتیٔ کشمیر کے موقع پر یہ جذبات عروج پہ پہنچ جاتے ہیں۔ اظہارِ یکجہتی کا مطلب ہے کہ ہم اپنے کشمیری بھائیوں کو یقین دلاتے ہیں: ”ہم خوشیوں اور غموں میں شریک ہیں، آپ کی خوشی ہماری خوشی ہے اور آپ کا غم ہمارا غم ہے، درپیش مسائل سے اکٹھے نمٹیں گے، دوستی اور دشمنی کا معیار یکساں ہو گا“۔

کشمیریوں سے اظہارِ محبت اور اُن کے ساتھ تعاون صرف اخلاقی ہی نہیں، بلکہ مذہبی فریضہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو دور دراز علاقوں کے کمزور مسلمانوں کے بارے میں حکم دیتے ہوئے فرمایا: ”اور اگر وہ دین میں تم سے مدد چاہیں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے“۔[الانفال 72:8]

آج سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کے یومِ وصال کے موقع پر ہمیں اِس پہلو سے بھی سوچنے کی ضرورت ہے کہ جب آپ نے خلافت سنبھالی تھی تو حالات نہایت کٹھن تھے، نبی اکرم ﷺ کی جدائی کا غم، ہر طرف فتنوں کا زور اور اندرونی و بیرونی سازشیں۔ مگر آپ نے اللہ تعالی کی رحمت پر بھروسہ کرتے ہوئے چاروں طرف جہاد کیا، حتی کہ کلمہ پڑھ کر زکوۃ کی فرضیت کا اِنکار کرنے والوں سے جہاد کو بھی مؤخر نہ کیا۔ آپ کی استقامت کی برکت سے اللہ تعالی نے ہر محاذ پر عزت عطا کی اور کہیں بھی بے توقیر نہیں ہونے دیا۔

اس کے برعکس موجودہ دور میں مسلم ممالک کی تعداد دہائیوں اور افراد کی تعداد اربوں میں ہے، اس کے باوجود ہم پوری دنیا میں بے توقیر ہیں۔ تقریباً ستر سال ہو چکے ہیں کہ کشمیری مسلمان بھارتی ظلم و تشدّد برداشت کر رہے ہیں۔ یومِ یکجہتیٔ کشمیر کے موقع پر ہمیں یہ بھی سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم نے عملی میدان میں کشمیریوں کے لیے کیا کیا ہے؟ ہم ایک سال بعد یومِ یکجہتیٔ کشمیر منا لیتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل ہم نے اپنے کشمیر کے حوالے سے پرومو بھی چلایا، نیا نقشہ بھی جاری کر دیا، ریلیاں بھی نکالیں اور خاموشی کو بھی آزما لیا، بلکہ چند منٹس کے لیے ٹریفک بھی جام کر چکے۔ اِس طرح کی باتوں سے نہ تو پہلے کبھی کوئی خطہ آزاد ہوا ہے اور نہ ہی بعد میں توقع ہے۔

دوسری طرف ہمارے کشمیری بھائی جس استقامت کے ساتھ اپنے نظریۂ آزادی پر قائم ہیں، دل اُنھیں خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ اُن کی اس استقامت کا راز صرف اور صرف جذبۂ جہاد ہے۔ اُن کی ماؤں نے اُنھیں لوریاں ہی آزادی کی سنائی ہیں۔ شہزادۂ امامِ حسین سیدنا علی زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے: كُنَّا نُعَلَّمُ مَغَازِيَ النَّبِيِّ ﷺ كَمَا نُعَلَّمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے غزوات مبارکہ کے واقعات ایسے سکھائے جاتے تھے جیسے قرآن پاک کی تعلیم دی جاتی۔ (البدایہ والنہایہ)

آنے والی نسل کو بُزدلی اور ذلت سے بچانے اور کشمیر کو آزاد کرانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ نسلِ نَو میں جذبۂ جہاد کو پروان چڑھایا جائے اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اُسوہ پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے ہر باطل سے جہاد کیا جائے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ... (الفتح 29:48) محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت آپس میں نرم دل ہیں۔ تو انہیں رکوع کرتے ہوئے سجدے کرتے ہوئے دیکھے گا، اللہ کا فضل اور اُس کی رضا چاہتے ہیں، ان کی علامت ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان سے ہے۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی دینی حمیت

(اسرائیل کو تسلیم کرنے کے تناظر میں)

بہارِ باغِ ایماں حضرت فاروق اعظم ہیں
چراغِ بزمِ عرفاں حضرت فاروق اعظم ہیں

نمایاں آپ کی ادا سے شانِ فاروقی
خدا کی تیغِ برّاں حضرت فاروق اعظم ہیں

رسول اللہ نے فاروق کو اللہ سے مانگا
عطائے ربّ سبحاں حضرت فاروق اعظم ہیں

چُنا اُس پاک نے دیں کے لے اِس پاک ستھرے کو
حبیبِ دین داراں حضرت فاروق اعظم ہیں

نہ کیوں وہ ذات چمکے جس نے دینِ پاک چمکایا
جہاں کے مہرِ تاباں حضرت فاروق اعظم ہیں

عمر کافی نبی کو حسبك اللہ سے یہ ثابت ہے
ہے شاہد جن پہ قرآں حضرت فاروق اعظم ہیں

وہ عالم دبدبہ کا کانپتے ہیں قیصر وکسری
ہے جن سے دین کی شاں حضرت فاروق اعظم ہیں

مسلماں رات بھر سوئیں عمر فاروق پہرا دیں
رعایا کے نگہباں حضرت فاروق اعظم ہیں

پکارا ساریہ کو اِک مہینہ کی مسافت سے
جسے ہر جا ہوں یکساں حضرت فاروق اعظم ہیں

ہیں دامادِ علی و نازنینِ حضرت زہرہ
ہے سالک جن پہ نازاں حضرت فاروق اعظم ہیں

آغازِ سخن: انسان کی فطرت ہے کہ وہ جس شخص سے متأثر ہو اُس جیسا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ یعنی انسان اپنے آئیڈیل کے اوصاف اپناتا ہے اور ویسا ہی بننے کی خواہش کرتا ہے۔ ہمارے نظام تعلیم وتربیت کا یہ المیہ ہے کہ سٹوڈنٹس کی زیادہ تر توجہ ایسی شخصیات پر ہوتی ہے جنہیں مغرب ہیرو بنا کر پیش کرنا چاہتا ہے، وہ صبح شام اُن کی تعریفیں سُن سُن کر اپنے اصل راہ ہنماؤں کو بھول جاتے ہیں۔

بحیثیتِ مسلمان ہمیں توجہ کرنی چاہیے قرآن وسنت میں ہمیں کن شخصیات کو آئیڈیل اور راہ نما بنانے کا حکم ہے؟ ارشادِ ربانی ہے:

{وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.} [التوبہ 9:100] سب سے سبقت حاصل کرنے والے، سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار اور وہ جو بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے ہیں ان سب سے اللہ راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہیں اور اُس نے اِن کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت مبارکہ میں مہاجرین وانصار کو راہ نما بنانے والے مسلمانوں کو رضائے الٰہی اور جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہایر رقّت آمیز الوداعی خطبہ ارشاد فرمایا۔ اُس میں یہ کلمات بھی تھے:

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ. (سنن ابوداود:4609)
یعنی (میرے بعد اختلافات کے وقت) میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت اپنے اُوپر لازم رکھنا، اِسے تھامے رکھنا اور سختی سے اس کی پابندی کرنا۔

یکم محرم الحرام ایک ایسی باکمال شخصیت کا یومِ وصال ہے جن کے بارے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اللہ ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم اُنھیں اپنا راہ نما بنائیں۔ خود بھی اُن کی سیرت پر عمل کریں اور آنے والی نسلوں تک بھی اُن کی سیرت کی روشنی پہنچائیں۔ اُس شخصیت کو فاروقِ اعظم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں آپ کی مبارک سیرت کے کچھ سبق آمیز پہلوؤں پر گفتگو ہوگی۔

قوت وغیرتِ دینی

اللہ عزوجل بندوں سے محبت بھی فرماتا ہے اور جبار وقہار ہونا بھی اُس کی صفات سے ہے۔ فرماں برداروں سے اُس کی اتنی محبت ہے کہ جس کی انتہا نہیں اور نافرمانوں پر اس قدر غضب کہ اس کی بھی انتہا نہیں۔ اللہ عزوجل پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے میں بھی یہ دونوں صفات ظاہر ہوں، جن سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے اُن سے وہ بھی محبت کرے اور جن پر وہ غضب فرماتا ہے اُن سے وہ بھی بیزار ہو جائے۔ اپنی ذات اور دنیا کا معاملہ ہو تو نرمی اور معافی اختیار کرے اور دینی غیرت کا مسئلہ ہو تو شدت وحمیت اور جرأت واستقامت سے کام لے، دین کے معاملے میں سستی اور مداہنت نہ کرے۔

اقبال علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم — رَزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

جباری و قہاری و قدوسی و جبروت — یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

غیرتِ دینی سے متعلق بے مثال شانِ فاروقی: اللہ تعالی اور اُس کے رسول ﷺ کے دین کی خاطر استقامت، پختہ رائے، جرأت و غیرت اور دلیری سے متعلق جناب عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کو پوری امت میں امتیازی شان حاصل ہے، لُطف یہ کہ اُن کی اِس خوبی کا ذکر خود رحمتِ عالم ﷺ نے تعریف کے انداز میں فرمایا ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُو بَكْرٍ ، وَأَشَدُّهُمْ فِي دِينِ اللهِ عُمَرُ ، وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ ، وَأَقْضَاهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ، وَأَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ ، وَأَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ ، وَأَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينًا ، وَأَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ. (جامع ترمذی، حدیث:3790، سنن ابن ماجہ، حدیث:154 واللفظ لہٗ) یعنی میرا ابو بکر میری پوری اُمت میں اُمت کے لیے سب سے زیادہ رحمت (وشفقت) والا ہے، عمر فاروق میری اُمت میں دین کی خاطر سب زیادہ قوت (وجرأت) والا ہے، پیارے عثمان کی شانِ حیا سب سے بے مثال ہے، حیدر کرار اُمت کا سب سے بڑا قاضی ہے، ابی بن کعب سب سے بڑا قاری ہے، معاذ بن جبل حلال و حرام کا سب سے بڑا عالم ہے، زید بن ثابت کو وراثت کے علم میں نرالی شان حاصل ہے، سنو! ہر اُمت میں ایک امین (اعلی شان والا دیانت دار) ہوتا ہے، اِس اُمت کا امین ابو عبیدہ بن جراح ہے۔ رضی اللہ تعالی عنہم۔

قلبِ فاروقی کی کیفیت: سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دل کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَاللهِ لَقَدْ لَانَ قَلْبِي فِي اللهِ حَتَّى لَهُوَ أَلْيَنُ مِنَ الزُّبْدِ، وَلَقَدِ اشْتَدَّ قَلْبِي فِي اللهِ حَتَّى لَهُوَ أَشَدُّ مِنَ الْحَجَرِ" (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء لابی نعیم) قسم بخدا! یقیناً اللہ کی خاطر میرا دل اس قدر نرم ہوا کہ وہ جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہو گیا، اور یقیناً اللہ کی خاطر میرے دل میں ایسی شدت آئی کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گیا (یعنی نرمی بھی اللہ تعالی کی رضا کے لیے اور سختی بھی اللہ تعالی کی رضا کے لیے)۔

غلبۂ اسلام کا ذریعہ: اللہ تعالیٰ نے اُنھیں ازل سے اِس شرف کے لیے منتخب فرمایا تھا کہ اسلام کو اُن کے ذریعے قوت ملے گی۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں سرکار دوعالم ﷺ نے اللہ تعالی کی بارگاہ میں یہ دعا کی:

"اَللّٰهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّةً" (سنن ابن ماجہ، حدیث:105) اے اللہ! عمر ہی کے ذریعے اسلام کو قوت ونصرت اور غلبہ عطا فرما۔

چنانچہ جب وہ اسلام لائے تو صرف رسول اللہ ﷺ اور مسلمان ہی خوش نہیں ہوئے، بلکہ آسمانوں میں صورت حال یہ تھی کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں، جناب عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے اسلام لانے پر جبریل امین علیہ السلام نے نازل ہو کر عرض کی:

يَا مُحَمَّدُ، لَقَدِ اسْتَبْشَرَ أَهْلُ السَّمَاءِ بِإِسْلَامِ عُمَرَ.(سنن ابن ماجہ، حدیث:103)یارسول اللہ!جناب عمر کے اسلام قبول کرنے پر آسمان والے بھی خوشی کا اِظہار کر رہے ہیں۔

اسلام قبول کرتے ہی قوتِ دینی کا اظہار: رسول اللہ ﷺ نے جب اعلانِ نبوت فرمایا تو ابتدائی طور پر اللہ تعالی کی طرف سے جہاد اور کفار کو ترکی بترکی جواب دینے کا حکم نہیں تھا،اِس لیے آپ ﷺ سرِعام اللہ تعالی کی عبادت کرنے کے بجائے غاروں اور گھر میں ہی عبادت کے اندر مشغول رہتے۔سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کو اللہ تعالی نے دین کے مسئلہ میں ایسی جرأت وقوت سے نوازا تھا کہ اِسلام لاتے ہی عرض کرنے لگے:اُبْرُزْ!أَتُعْبَدُ اللَّاتُ جَهْرًا وَنَعْبُدُ اللهَ سِرًّا؟ یارسول اللہ!جب جھوٹے خداؤں کی عبادت سرِعام ہو رہی ہے تو ہم سچے رب کی عبادت چھپ کر کیوں کریں؟ آپ حرم میں تشریف لائیں اور سب کے سامنے اللہ تعالی کی عبادت کریں۔آپ ﷺ نے فرمایا:(ابھی اللہ تعالی کی طرف سے اِس کا حکم نہیں)جب مسلمانوں کی خاطر خواہ تعداد ہو جائے گی تو اللہ کے حکم سے ایسا ہی ہوگا۔وہ عرض کرنے لگے:حَسْبُكَ اللهُ وَأَنَا.آپ تشریف لائیے،اللہ تعالی اور مَیں آپ کے لیے کافی ہیں۔(ویسے تو اللہ تعالی "مَیں"(انانیت)کو سخت ناپسند فرماتا ہے،مگر جناب عمر کی یہ "مَیں" بھی اللہ کے دین کے لیے تھی،چنانچہ)باری تعالی نے اِسے اتنا پسند فرمایا کہ تائید میں آیت مبارکہ نازل فرمائی اور حرم میں نماز کی اِجازت دی:يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ.[الانفال64:8]اے غیب کی خبریں دینے والے!اللہ تعالی آپ کو کافی ہے اور آپ کی پیروی کرنے والے مسلمان(اللہ کی توفیق سے)کافی ہیں۔(مفاتیح الغیب،المعروف تفسیر کبیر)

سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ خود فرماتے ہیں:ہم دوصفوں کی صورت میں حرم شریف کی طرف روانہ ہوئے،ایک صف میں سید الشہدا جناب امیر حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ تھے،دوسری صف میں مَیں تھا۔جب ہم مسجد میں داخل ہوئے تو قریش مجھے اور جناب امیر حمزہ کو دیکھ کر نہایت پریشان ہوئے۔فَسَمَّانِي رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَئِذٍ الْفَارُوقَ،وَفَرَّقَ اللهُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ "رسول اللہ ﷺ نے اُسی دن مجھے "فاروق" کے لقب سے نوازا اور اللہ تعالی نے حق وباطل کے درمیان فرق واضح کر دیا۔(حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء)

کفار کی نظروں میں رعب: کہا جاتا ہے:"خوبی وہ ہے جسے دشمن بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہو۔"خود کو دین کا خدمت گزار تو ہر کوئی کہہ سکتا ہے،مزہ یہ ہے کہ اسلام دشمن قوتیں تسلیم کریں کہ فلاں شخص اسلام کا حمایتی ہے اور ہماری سازشوں کی راہ میں رکاوٹ ہے۔اللہ تعالی نے دعائے نبوی کو قبولیت سے نوازتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے ذریعے اسلام کو یوں غلبہ اور قوت دی کہ کفار بھی سمجھتے تھے جن شخصیات کے ذریعے اللہ نے اسلام کو باقی رکھا ہے اُن میں سے ایک عمر ہیں۔

غزوۂ احد میں مسلمانوں کی سخت آزمائش ہوئی اور بہت زیادہ جانی ومالی نقصان ہوا۔جنگ سے واپسی کے موقع پر ابوسفیان،جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے،نے سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے۔چنانچہ اُس نے تین بار پوچھا:أَفِي الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ ؟ کیا زندہ بچ جانے والوں میں محمد ہیں؟ آپ ﷺ نے صحابہ کو جواب دینے سے منع فرمادیا،جس کی وجہ سے سب خاموش رہے۔اُس نے پھر تین بار کہا: أَفِي الْقَوْمِ ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ؟ کیا ابوبکر موجود ہیں؟ حکم کے مطابق سب خاموش رہے۔پھر تین بار پوچھا:أَفِي الْقَوْمِ ابْنُ الْخَطَّابِ؟ کیا عمر موجود ہیں؟ جواب نہ ملنے پر کہنے لگا:

أَمَّا هَؤُلَاءِ فَقَدْ قُتِلُوا. یہ تینوں شہید ہو چکے ہیں۔ سیدنا عمر حکم کی وجہ سے خود کو مشکل سے کنٹرول کیے ہوئے تھے، غیرتِ دینی کے سبب اُن کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور فرمانے لگے: كَذَبْتَ وَاللّٰهِ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ! إِنَّ الَّذِينَ عَدَدْتَ لَأَحْيَاءٌ كُلُّهُمْ وَقَدْ بَقِيَ لَكَ مَا يَسُوءُكَ...(صحیح بخاری، حدیث: 3039) تو نے جھوٹ کہا ہے، جن شخصیات کے تُو نے نام لیے ہیں وہ سب زندہ ہیں اور آنے والوں دنوں میں (اسلام کو ایسی عزت ملے گی کہ) کفار دم بخود رہ جائیں گے۔

ابو سفیان کے اِن سوالات سے معلوم ہوتا ہے کہ قریشِ مکہ بھی سمجھتے تھے کہ اِن تین شخصیات کے ذریعے ہی اسلام کی بقا ہے۔

ہماری صورتِ حال

اجتماعی طور پر اُمت مسلمہ کی صورت حال یہ ہے کہ دینی حمیت تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ ہم اپنی ذات کے لیے تو معمولی باتوں پر غصہ کرتے، لڑنے مرنے پر اُتر آتے ہیں، مگر دینی معاملات کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں، طُرفہ یہ کہ اِس رویہ کو بُرا سمجھنے کے بجائے اِسے ''مصلحت پسندی'' اور ''روشن خیالی'' سے تعبیر کرتے ہیں، بلکہ دینی غیرت رکھنے والوں کو انتہا پسند کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ خوبی اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند ہے کہ اللہ عزوجل نے اس خوبی کے حامل افراد کی تعریف فرمائی ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ...(الفتح 29:48) محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت آپس میں نرم دل ہیں۔ تو انہیں رکوع کرتے ہوئے سجدے کرتے ہوئے دیکھے گا، اللہ کا فضل اور اُس کی رضا چاہتے ہیں، ان کی علامت ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان سے ہے۔ یہ ان کی صفت تورات میں مذکور ہے اور ان کی صفت انجیل میں مذکور ہے۔

انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے محبوب کے دشمنوں سے نفرت کرتا اور ان پر سختی کرتا ہے، جس کی محبت جتنی زیادہ ہو اس کی اپنے محبوب کے دشمن سے نفرت اور سختی بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ سے محبت بے مثال اور لازوال ہے، اِسی لیے وہ اِن کے دشمنوں یعنی کفار سے سخت نفرت کرتے اور ان پر انتہائی سختی فرمایا کرتے تھے۔

عمومی طور پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کافروں پر سختی فرماتے تھے، البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے نرالی شان عطا فرمائی، حتیٰ کہ شیطان جیسا بدترین کافر بھی آپ کی سختی سے ڈرتا تھا۔

کفار سے تعلقات

دینی غیرت نہ ہونے کا نتیجہ ہے کہ اس وقت مسلم حکمران اپنے اپنے مفادات کے پیچھے پڑے ہیں اور سوائے ایک آدھ کے کسی کو اسلام اور مسلمانوں کی فکر نہیں۔ حال ہی میں عرب کے ایک امیر ترین اسلامی ملک نے بے شمار فلسطینی مسلمانوں کے قاتل اور بیت المقدس پر ناجائز قبضہ

کرنے والے یہودی ملک اسرائیل کو تسلیم کرلیا ہے اور اُس کے ساتھ سفارتی تعلقات کا آغاز کر دیا ہے، اسرائیلی خفیہ ایجنسی "موساد" کا سربراہ اُس ملک کا دورہ کرچکا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ اسرائیلی وامریکی حکومتوں کا دعوی ہے کہ عنقریب مزید عرب اسلامی ممالک بھی اسرائیل کو تسلیم کرلیں گے۔ اسرائیل کو تسلیم کرنے والے گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ اسرائیل کا بیت المقدس اور فلسطینیوں کی زمینوں پر قبضہ جائز ہے اور ہمیں ظلم کی چکی میں پسنے والے فلسطینیوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ ایسے ہی بھارت کے کشمیر میں مظالم جاننے کے باوجود کئی اسلامی ممالک اُس کے ساتھ تجارت کو فروغ دے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے اقدامات کی وجہ صرف اور صرف امریکہ، اسرائیل اور ہندوؤں سے مفادات حاصل کرنا ہے۔

قرآنی حکم: اللہ عزوجل نے کفار کو رازدار اور دوست بنانے سے منع کیا اور ساتھ ہی اس کی وجہ بھی ارشاد فرمائی:

{ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ o هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ o اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّكُمْ كَیْدُهُمْ شَیْــٴًـا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ . [آل عمران 3:118-120] اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ، وہ تمہیں تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ۔ بے شک (ان کا) بغض تو ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو اُن کے دلوں میں چھپا ہوا ہے وہ اِس سے بھی بڑھ کر ہے۔ بے شک ہم نے تمہارے لیے کھول کر آیتیں بیان کر دیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔ خبر دار یہ تم ہی ہو جو اُنہیں چاہتے ہو اور وہ تمہیں پسند نہیں کرتے، حالانکہ تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لا چکے ہیں اور جب تنہائی میں ہوتے ہیں تو غصے کے مارے تم پر انگلیاں چباتے ہیں۔ اے حبیب! تم فرما دو، اپنے غصے میں مر جاؤ۔ بے شک اللہ دلوں کی بات کو خوب جانتا ہے۔

سیدنا عمر کا عمل: ☆ کسی موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں عرض کی گئی: حیرہ (عراق کے شہر) میں ایک عیسائی لڑکا بہت ذہین ہے اور نہایت اچھا لکھتا ہے، اگر آپ بوقت ضرورت کچھ لکھوانے کے لیے اُسے اپنے پاس (بطور کلرک) مقرر کرلیں تو بہت اچھا ہوگا۔ آپ نے فرمایا: قَدَ ا تَّخَذْتُ إِذًا بِطَانَةً مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ. یعنی اگر میں اُسے کلرک رکھ لوں تو خلافت سے متعلق راز کی باتیں بھی اُسے پتا چلیں گی، یوں غیر مسلم کو رازدار بنانا لازم آئے گا اور اللہ نے حکم دیا ہے: غیروں کو رازدار نہ بناؤ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 26392) افسوس! امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو اسلام کے دشمن کافر کو "محرر" (Clerk) رکھنے کے لیے بھی تیار نہیں تھے اور آج اُمت نے اسرائیل جیسے اسلام دشمن اور مسلمانوں کے قاتل ملک کے ساتھ تعلقات کو فروغ دینا شروع کر دیا۔

☆ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گورنر مقرر کیا، انہیں ایک عیسائی محرر ملا، جسے اُنھوں نے اچھا لکھنے کی وجہ سے رجسٹرار مقرر کر دیا۔ ایک بار اس نے رپورٹ مرتب کی، سیدنا ابو موسی نے رپورٹ حضرت عمر کی خدمت میں پیش کی، آپ

نے اسے بہت پسند کیا اور لکھنے والے کو بلوا بھیجا۔ جناب ابو موسی عرض کرنے لگے: وہ مسجد میں نہیں آ سکتا۔ فرمایا: کیوں وہ جنبی ہے (اُس پر غسل فرض ہے)؟ عرض کی: وہ عیسائی ہے۔ (آج لوگ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہم مسجد بنا رہے ہیں جس میں ہر مذہب والے کو عبادت کی اجازت ہو گی) سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اُنھیں ڈانٹا اور فرمایا: لَا تُدْنِهِمْ وَقَدْ أَقْصَاهُمُ اللهُ، وَلَا تُكْرِمْهُمْ وَقَدْ أَهَانَهُمُ اللهُ، وَلَا تَأْمَنْهُمْ وَقَدْ خَوَّنَهُمُ اللهُ. جب اللہ تعالی نے اِنھیں دور کیا ہے تو تم اِنھیں قریب نہ کرو، اللہ نے اِنھیں ذلیل کیا ہے تم عزت مت دو اور جب اللہ نے اِنھیں بد دیانت قرار دیا ہے تو تم اِنھیں امین مت بناؤ۔ (الجامع لاحکام القرآن، المعروف تفسیر قرطبی)

بیت المقدس سے متعلق سیدنا عمر کی یاد: اسلام کی آمد سے پہلے بیت المقدس پر رومی حکومت کا تسلط تھا۔ 17ھ/638ء، سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں نے فلسطین کو فتح کیا تو بیت المقدس بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اس موقع پر کئی ایمان افروز واقعات رونما ہوئے، جن میں سے ایک درج ذیل ہے:

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجنادین کو فتح کیا اور بیت المقدس کے قریب پہنچ گئے۔ رومی سربراہ ”ارطبون“ نے اُنھیں پیغام بھیجا: واللهِ لا تَفْتَتِحُ مِن فلسطين شيئًا بعدَ أجنادين، فَارْجِعْ. تم اجنادین سے آگے کسی علاقے کو فتح نہیں کر سکتے، لہٰذا واپس چلے جاؤ۔ آپ نے بھی اُسے دھمکی آمیز خطوط لکھے۔ ارطبون کے ساتھیوں نے اُس سے پوچھا: تمھیں کیسے معلوم ہے کہ عمرو بن عاص اس علاقے کو فتح نہیں کر سکتے؟ اُس نے کہا: صَاحِبُهَا رَجُلٌ اسْمُهُ عُمَرُ ثَلَاثَةُ أَحْرُفٍ. (تاریخ الامم والملوک للطبری) وفی روایۃ اخری: صَاحِبُها رجلٌ صِفَتُهُ كذا وكذا، وَذَكَرَ صِفَةَ عُمَرَ. (الکامل فی التاریخ لابن اثیر) اِس کا نام ”عمرو“ چار حرفی ہے، (ہماری کتابوں میں جو لکھا ہے اُس کے مطابق) بیت المقدس کو فتح کرنے والے کا نام ”عُمر“ تین حرفی ہو گا۔ نیز اُس نے سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے اوصاف بیان کر کے کہا: بیت المقدس کو فتح کرنے والے کے یہ اوصاف ہوں گے۔ جب یہ خبر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ کو ملی تو آپ سمجھ گئے کہ اِس علاقے کی فتح سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشریف آوری سے ہو گی۔ اُنھوں نے آپ کی خدمت میں خط لکھا اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلسطین تشریف لائے اور اللہ تعالی کی مدد سے نہایت آسانی کے ساتھ بیت المقدس فتح ہو گیا۔

حرفِ آخر: مسلمان آج جس صورتِ حال سے دوچار ہیں اُس پر دل خون کے آنسو روتا ہے، اِس سے بھی بڑھ کر افسوس ناک یہ کہ ہمیں اپنے لُٹ جانے کا احساس نہیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا　　کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

آج ہم بہت تیزی کے ساتھ دینی حمیت سے محروم ہو رہے ہیں اور خود کو لبرل / روشن خیال کہلانا فخر سمجھتے ہیں، کیونکہ ہم نے اپنا راہ نما اُن لوگوں کو بنا لیا ہے جو خود راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ ہمیں ضرورت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی سیرتِ مبارکہ سے دینی غیرت کا سبق حاصل کریں اور آنے والی نسل تک منتقل کر کے اُن کے ایمان کی بھی حفاظت کریں۔

تیرے غلاموں کا نقشِ قدم ہے راہِ خدا　　وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ . [آل عمران3: 155]

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا. [الفتح48: 18]

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا جذبۂ جہاد

(یومِ استیصال کے تناظر میں)

اللہ سے کیا پیار ہے عثمانِ غنی کا		محبوبِ خدا یار ہے عثمانِ غنی کا
گرمی پہ یہ بازار ہے عثمانِ غنی کا		اللہ خریدار ہے عثمانِ غنی کا
جو دل کو ضیا دے جو مقدر کو جلا دے		وہ جلوۂ دیدار ہے عثمانِ غنی کا
جس آئینہ میں نورِ الٰہی نظر آئے		وہ آئینہ رُخسار ہے عثمانِ غنی کا
سرکار سے پائیں گے مرادوں پہ مرادیں		دربار یہ دُرّ بار ہے عثمانِ غنی کا
بیمار ہے جس کو نہیں آزارِ محبت		اچھا ہے جو بیمار ہے عثمانِ غنی کا
اللہ غنی حد نہیں اِنعام و عطا کی		وہ فیض پہ دربار ہے عثمانِ غنی کا
رُک جائیں مرے کام حسنؔ ہو نہیں سکتا		فیضان مددگار ہے عثمانِ غنی کا

آغازِ سخن: مقبوضہ کشمیر میں بھارت کی طرف سے غیر قانونی لاک ڈاؤن کو ایک سال مکمل ہو چکا ہے۔ کشمیری مسلمان بنیادی ضروریات زندگی سے محروم ہونے کے ساتھ ساتھ بے پناہ بھارتی مظالم کو بھی برداشت کر رہے ہیں۔ اس دوران امن کے عالمی ٹھیکیداروں نے صرف ہلکے پھلکے مذمتی بیانات جاری کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے، اس سے بھی زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ بھی عملی طور پر کوئی قدم اُٹھانے سے گریزاں ہے اور کشمیریوں کو صرف زبانی حمایت پر ٹرخا رہی ہے۔

اس تمام تر صورت حال اور دنیا بھر میں مسلمانوں کی ذلت کی بڑی وجہ جذبۂ جہاد کی کمی ہے۔ سچی بات یہ ہے ہمارے بڑے زندگی سے زیادہ شہادت کی تمنا رکھتے تھے، جب کہ ہم موت سے ڈرنے لگ گئے ہیں۔ وہ جہاد کو اللہ تعالی کی مدد کا ذریعہ سمجھ کر دن رات دین کی سربلندی کے لیے کوشاں تھے، جب کہ ہمارے ذہنوں میں یہ تصور بٹھا دیا گیا ہے کہ اگر جہاد کیا تو معیشت تباہ ہو جائے گی، لُٹ جائیں گے، پتھروں کے دور میں چلے جائیں گے، لہٰذا اپنی اپنی فکر کرنی چاہیے۔ ہمیں لبرل میڈیا نے "امن پسندی" کا یہ مفہوم سمجھایا ہے کہ کوئی مسلمانوں کو کاٹ کھائے تب بھی ہم مظلوموں کے ساتھ عملی طور پر کھڑے نہیں ہوں گے؛ کیونکہ ہم امن پسند ہیں۔ ہم اس حقیقت کو تسلیم کریں یا کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیں، بہر حال حقیقت یہی ہے کہ مسئلہ کشمیر قراردوں سے حل نہیں ہو گا، **کشمیر سمیت اُمت کے مسائل کا واحد حل "جہاد" ہے۔**

18 ذی الحج، 35ھ خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کا یوم شہادت ہے، جن کا سچا جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت اُمت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اُن کے جذبۂ صادقہ کو اختیار کر کے آج بھی اُمت اپنی عزتِ رفتہ کو بحال کر سکتی ہے۔

چنانچہ آج کے خطبہ میں آپ کی شخصیت کے اس پہلو پر کچھ گفتگو کی جائے گی۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غزواتِ نبویہ

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں جتنے بھی غزوات ہوئے سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام میں مختلف اہم ذمہ داریوں پر مامور رہے۔ کسی غزوہ میں خود شریک ہوئے اور تلوار پکڑ کر کفار سے لڑائی کی، کسی میں یہ شرف میں ملا کہ رسول اللہ ﷺ نے جہاد پر جاتے ہوئے انھیں مدینہ پاک میں اپنا نائب مقرر کیا، کسی میں رسول اللہ ﷺ کے سفیر کے طور پر خدمات سرانجام دیں اور کسی میں مجاہدین کی ایسی خدمت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے جنت کی ضمانت عطا فرمائی۔

بدرواحداورحدیبیہ: غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور صلح حدیبیہ کے موقع پر سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ کا کردار کیسا تھا، اس بارے میں بخاری شریف کی ایک خوبصورت روایت درج ذیل ہے:

مصر سے کوئی شخص حج کے لیے مکہ مکرمہ میں آیا۔ اُس نے کچھ لوگوں کو اکٹھے بیٹھا دیکھ کر پوچھا: یہ کون ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ قریش ہیں۔ اُس نے پوچھا: اِن میں وہ بزرگ شخصیت کون ہیں؟ بتایا گیا: شہزادۂ فاروقِ اعظم سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ وہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں، آپ جواب دیجیے۔ اُس نے خلفائے راشدین پر اعتراضات کرنے والوں سے کچھ باتیں سن رکھی تھیں، وہ سیدنا عثمان غنی کے متعلق اعتراضات کرتے ہوئے کہنے لگا:

1. هَلْ تَعْلَمُ أَنَّ عُثْمَانَ فَرَّ يَوْمَ أُحُدٍ؟ (احد کے دن رسول ﷺ کی شہادت کی افواہ پھیلنے کے بعد کچھ صحابہ کرام اتنے غم زدہ ہوگئے تھے کہ انہیں کچھ سمجھ ہی نہیں آرہا تھا، وہ میدان سے ایک طرف ہو کر سوچنے لگے اب کیا کریں۔ ظاہر ہے کہ جن کی زندگی کا مقصد ہی رسول اللہ ﷺ کے رُخِ زیبا کو دیکھنا تھا اور جن کے دلوں کا سکون رسول پاک ﷺ کی خدمت میں حاضری کے ساتھ تھا، جب انھیں یہ خبر ملی ہوگی تو اُن کے جذبات کا اندازہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ وہ اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہنے لگا کہ) کیا آپ جانتے ہیں کہ حضرت عثمان احد کے دن سخت پریشانی میں ایک طرف ہو جانے والوں میں شامل تھے؟ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: جانتا ہوں کہ ایسا ہی ہوا تھا۔
2. اُس نے دوسرا اعتراض کیا: تَعْلَمُ أَنَّهُ تَغَيَّبَ عَنْ بَدْرٍ وَلَمْ يَشْهَدْ۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ بدر میں بھی شریک نہیں ہوئے تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں جانتا ہوں، ایسا ہی ہوا تھا۔
3. اُس نے تیسرا اعتراض کیا: تَعْلَمُ أَنَّهُ تَغَيَّبَ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَمْ يَشْهَدْهَا؟ آپ جانتے ہیں کہ وہ صلحِ حدیبیہ کے موقع پر بیعتِ رضوان کے وقت بھی موجود نہیں تھے۔ آپ نے فرمایا: ہاں جانتا ہوں، ایسا ہی ہے۔

وہ آپ کی زبان سے یہ کلمات سن کر سمجھا کہ میں نے ابن عمر کو لاجواب کر دیا ہے، چنانچہ اس نے خود ہی نعرۂ تکبیر لگایا: اَللّٰهُ أَكْبَرُ۔

تشویش ناک بات: بدنصیب لوگ اہلِ علم اور بزرگوں سے کچھ حاصل کرنے کی بجائے اُن کی گستاخیوں میں اپنا وقت برباد کرتے ہیں۔ یہ شخص مصر سے حج کرنے کے لیے آیا تھا اور خوش نصیبی سے اُسے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما جیسے عالم اور جلیل القدر صحابی کی زیارت اور اُن کے قرب کا موقع ملا مگر اس نے کچھ حاصل کرنے کے بجائے اپنے اندر چھپی نجاست ظاہر کی اور سیدنا عثمان کی گستاخیاں شروع کر دیں۔

سیدنا ابن عمر کے جوابات: اُس کی باتیں سننے کے بعد سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا: تَعَالَ أُبَيِّنْ لَكَ۔ ”اِدھر آ! میں تجھے سمجھاؤں“ جن باتوں کو تو خامیاں شمار کر رہا ہے اُن سے تو آپ کی شان ظاہر ہوتی ہے، البتہ سمجھنے کے لیے عقل چاہیے۔

1. أَمَّا فِرَارُهُ يَوْمَ أُحُدٍ فَأَشْهَدُ أَنَّ اللهَ عَفَا عَنْهُ وَغَفَرَ لَهُ. یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی میدانِ احد میں کیا کیفیت تھی، یہ اللہ تعالی جانتا ہے اور اس نے سب کچھ جانتے ہوئے قرآن میں فرمایا: وَلَقَدْ عَفَا اللهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ. [آل عمران 3:155] ”بے شک اللہ نے انہیں معاف فرما دیا ہے، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا حلم والا ہے۔“ وہ خوش نصیب جن کی اللہ کی بارگاہ میں ایسی قدر تھی کہ اس نے قرآن میں انہیں معاف کرنے کا اعلان فرما دیا، تو اُن پر اعتراض کرنے والا کون ہوتا ہے۔ جس خطا کی معافی کا اعلان رب فرما دے وہ پوری زندگی کی اُن عبادات سے افضل ہے، جن کی قبولیت کی کوئی خبر نہیں۔ (مرآۃ المناجیح)
2. وَأَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَدْرٍ فَإِنَّهُ كَانَتْ تَحْتَهُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَكَانَتْ مَرِيضَةً. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهُ. بدر میں شریک نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ جانِ عالم ﷺ کی شہزادی محترمہ ”سیدہ رُقَیَّہ“ ان کے نکاح میں تھیں اور وہ بیمار تھیں (جناب عثمان اُن کی تیمار داری میں مصروف رہے)، رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں فرمایا تھا: تمھیں (بدر میں حاضری کے بغیر ہی) بدری مجاہدین کے برابر ثواب بھی ملے گا اور مالِ غنیمت سے بدریوں جتنا حصہ بھی ملے گا۔

نکتہ: سوال ذہن میں آتا ہے کہ ایک شخص میدان جہاد میں گیا ہی نہیں، اپنے گھر میں رہا، پھر اُسے مجاہدوں کے برابر ثواب بھی اور ان کے برابر حصہ بھی کیسے دیا گیا؟ وہ بھی عام مجاہد کے برابر نہیں، بدر کے مجاہد برابر؟ در اصل اللہ کی بارگاہ میں مقبولیت اطاعتِ مصطفی کی ہے، وہ فرمائیں میدان میں چلو تو وہاں جانے پر اجر ہے اور وہ فرمائیں گھر میں بیٹھو تو گھر بیٹھنے پر اجر ہے۔

3. تیسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: وَأَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَوْ كَانَ أَحَدٌ أَعَزَّ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ عُثْمَانَ لَبَعَثَهُ مَكَانَهُ. فَبَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عُثْمَانَ، وَكَانَتْ بَيْعَةُ الرِّضْوَانِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ عُثْمَانُ إِلَى مَكَّةَ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِيَدِهِ الْيُمْنَى: هٰذِهِ يَدُ عُثْمَانَ فَضَرَبَ بِهَا عَلَى يَدِهِ. فَقَالَ: هٰذِهِ لِعُثْمَانَ. یعنی بیعتِ رضوان کے موقع پر سیدنا عثمان رسول اللہ ﷺ کے سفیر بن کر قریش کے پاس گئے ہوئے تھے، (حضرت عثمان غنی کے کفار مکہ پر بہت احسانات تھے، اس لیے حضور انور ﷺ نے ان کو اپنا نمائندہ بنا کر صلح کی بات چیت کرنے وہاں بھیجا) اگر شہر مکہ میں سیدنا عثمان غنی سے زیادہ با اثر کوئی شخص ہوتا تو

رسول اللہ ﷺ اُسے سفارت کے لیے بھیجتے۔ بیعت رضوان اُن کے جانے کے بعد ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے اپنے داہنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "یہ عثمان کا ہاتھ ہے"، پھر اسے آپ نے دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا: "یہ عثمان کی بیعت ہے۔"

نکتہ: سمجھنے کی بات یہ ہے کہ بیعت میں وعدہ ہوتا ہے، جب وہ موجود ہی نہیں تو ان کی طرف سے بیعت کیسے؟ لگتا ہے رسول اللہ ﷺ کو ان پر اعتماد تھا کہ وہ موجود ہوتے تو ضرور بیعت کرتے، اس لیے ان کی عدم موجودگی میں ان کی طرف سے بیعت کی۔

جوابات دینے کے بعد سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا: اذْهَبْ بِهَا الْآنَ مَعَكَ. (صحیح بخاری، حدیث: 4066) اب یہ جوابات تو اپنے ساتھ لیتا جا (اور باقی ساتھیوں کو بھی سمجھانا کہ شانِ عثمان سمجھنے کے لیے کسی بزرگ کے پاس جانا پڑتا ہے)۔

تاریخ پر انحصار کرنے والوں کے لیے لمحۂ فکریہ: بعض لوگ تاریخ پڑھ کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم پر اعتراضات کرنے لگتے ہیں، اِس شخص نے بھی تاریخی اعتبار سے اعتراضات کیے تھے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے جوابات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کی شان تاریخ سے نہیں سمجھی جاسکتی، اُن کی شان قرآن وسنت سے ہی سمجھ آسکتی ہے۔

غزوۂ ذات الرقاع: پانچویں ہجری کے آغاز میں ایک غزوہ ہوا جسے "غزوۂ ذات الرقاع" کہا جاتا ہے۔ یہ غزوہ بھی مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کا اظہار کرتا ہے۔ سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے: «خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي غَزْوَةٍ وَنَحْنُ سِتَّةُ نَفَرٍ، بَيْنَنَا بَعِيرٌ نَعْتَقِبُهُ، فَنَقِبَتْ أَقْدَامُنَا وَنَقِبَتْ قَدَمَايَ، وَسَقَطَتْ أَظْفَارِي، وَكُنَّا نَلُفُّ عَلَى أَرْجُلِنَا الخِرَقَ، فَسُمِّيَتْ غَزْوَةَ ذَاتِ الرِّقَاعِ، لِمَا كُنَّا نَعْصِبُ مِنَ الخِرَقِ عَلَى أَرْجُلِنَا». (صحیح بخاری، حدیث: 4128) یعنی ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ روانہ ہوئے، سواریوں کی اتنی کمی تھی کہ چھ چھ آدمیوں کی سواری کے لیے ایک ایک اونٹ تھا، جس پر باری باری سوار ہو کر سفر کرتے۔ پہاڑی زمین میں پیدل چلنے سے ہمارے قدم زخمی اور پاؤں کے ناخن جھڑ گئے تھے۔ ہم لوگوں نے اپنے پاؤں پر پٹیاں کرتے ہوئے کپڑوں کے چیتھڑے لپیٹ لیے تھے، یہی وجہ ہے کہ اس غزوہ کا نام "غزوہ ذات الرقاع" (پیوندوں / پٹیوں والا غزوہ) ہو گیا۔

تربیت: آج معاشی مشکلات کا بہانہ بنا کر جہاد سے فرار ہونے والوں کے لیے یہ حدیث درسِ عبرت ہے، مسلمان کبھی بھی اپنی طاقت کے بل بوتے نہیں لڑتا، ہمیشہ اللہ تعالی کے سہارے جہاد کرتا ہے۔ ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمہ نے فرمایا:

؎ کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ　　مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اس غزوہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کو سرکار ﷺ نے مدینہ پاک میں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی عدم موجودگی میں وہ آپ کے مصلی شریف پر کھڑے ہو کر نمازیں پڑھاتے رہے اور دیگر اُمور سرانجام دیے۔

غزوۂ تبوک: 9ھ میں مشکل ترین حالات کے اندر ایک غزوہ پیش آیا جسے "غزوۂ تبوک" کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر سامان کی بھی کمی تھی، دنیا کی ایک بڑی طاقت رومی فوج سے جنگ تھی اور موسم بھی سخت گرم تھا۔ حالات ایسے مشکل تھے کہ سیدنا یعلیٰ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے: غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَكَانَ مِنْ أَوْثَقِ أَعْمَالِي فِي نَفْسِي...(صحیح بخاری، حدیث:2265) میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ تبوک میں شرکت کی، میری نظر میں یہ میری زندگی کا سب سے زیادہ اُمید افزا عمل ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حالات کی پرواہ کیے بغیر رسول اللہ ﷺ کا حکم قبول کیا اور جہاد کے لیے روانہ ہوگئے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے جہاد کی تیاری کے دوران اعلان فرمایا: «مَنْ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَلَهُ الْجَنَّةُ.» (صحیح بخاری، حدیث:2778) یعنی جو تبوک کے مجاہدین کو سامانِ جہاد فراہم کرے اُس کے لیے جنت کی بشارت ہے۔

اس موقع پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے 950 اُونٹ، 50 گھوڑے مع ساز و سامان اور 1000 اشرفیاں (سونے کے سکے) پیش کیں۔ (مرآۃ المناجیح) اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ حد درجہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اُن اشرفیوں کو اپنی گود مبارک میں رکھ کر دست مبارک سے پلٹتے اور فرماتے: مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ. (جامع ترمذی، حدیث:3701) قَالَهَا مِرَارًا. (المستدرک علی الصحیحین) اللہ تعالیٰ نے عثمان کی گزشتہ خطاؤں کو معاف کر دیا ہے اور یوں محفوظ کر دیا ہے کہ آج کے بعد وہ کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جس پر اللہ عزوجل ناراض ہو۔ (ترجمہ ماخوذ از مرآۃ المناجیح)

زبوں حالی کی وجوہات اور سیدنا عثمان کا شوقِ شہادت

مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی اور اس کی وجوہات کا ذکر خود سرورِ عالم ﷺ نے صدیوں پہلے فرمایا تھا۔ سیدنا ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: «يُوشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا.» قریب ہے کہ (دنیا بھر کی کافر اور گمراہ) قومیں تمہارے خلاف (لڑنے اور تمہاری طاقت کو منتشر کرنے کے لیے) ایک دوسرے کو یوں دعوت دیں، جیسے برتن میں کھانے والے ایک دوسرے کو کھانے کی بلا تکلف دعوت دیتے ہیں (یعنی مسلمانوں پر ظلم کے لیے کفار آپس میں اتحاد کرلیں گے، جیسا کہ امریکہ اور اُس کے اتحادیوں کو ہم دیکھ رہے ہیں)۔ کسی شخص نے پوچھا: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ. (آج تو کفار ہم سے ڈرتے ہیں، اُس وقت اتنے دلیر کیوں جائیں گے) کیا ہماری تعداد کم ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ اللهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ.» تعداد تو تمہاری کثیر ہوگی البتہ (ایمانی اوصاف اور بہادری نہ ہونے کی وجہ سے) تم سیلاب کی جھاگ کی طرح ہو جاؤ گے (جھاگ پھونک مارنے سے اُڑ جاتی ہے، یہی صورتِ حال تمہاری ہوگی)۔ اللہ تعالیٰ تمہارے (کرتوتوں کے سبب) دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب ختم کر دے گا اور تمہارے دلوں میں "وہن" (کمزوری) پیدا ہو جائے گی۔ کسی شخص نے عرض کی: "وہن" اور کمزوری کیوں پیدا ہوگی؟ فرمایا: «حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ.» دنیا کی محبت اور موت کو ناپسند کرنے کی وجہ سے (یعنی جہاد کے لیے بہادری چاہیے، تم دنیا میں کھو کر بُزدل ہو جاؤ گے)۔ (سنن ابو داود، حدیث:4299)

جنابِ عثمان کا شوقِ شہادت: سیدنا عثمانِ غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سچا جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت اِس عروج پر تھا کہ اُن کی زندگی میں ہی رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے "شہید" کا لقب عطا فرمایا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ احد پہاڑ پر رونق افروز ہوئے، جناب صدیق اکبر، سیدنا عمر فاروق اور جناب عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہمراہ تھے۔ پہاڑ (اِن حضرات کے قدم چومنے پر خوشی سے) حرکت کرنے لگا (جھومنے لگا)۔ آپ ﷺ نے پاؤں مبارک سے ٹھوکر لگائی اور فرمایا: «اُثْبُتْ أُحُدُ! فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ، وَصِدِّيقٌ، وَشَهِيدَانِ.» احد! ٹھہر جا، تجھ پر اللہ تعالیٰ کا نبی، صدیق (ابو بکر) اور دو شہید (عمر و عثمان) جلوہ افروز ہیں۔ (صحیح بخاری، حدیث: 3686/3675)

وضاحت: اس حدیث پاک سے متعدد باتیں معلوم ہوتی ہیں:

- کائنات کی ہر چیز، حتیٰ کہ پہاڑ بھی نبی اکرم ﷺ کو جانتے اور پہچانتے ہیں، بلکہ احد تو سرکار ﷺ سے محبت بھی کرتا ہے۔
- آپ ﷺ لوگوں کے انجام سے باخبر ہیں، جبھی تو جناب عمر اور جناب عثمان کی شہادت کی خبر دی۔
- ہر چیز آپ کے حکم کے تابع ہے، اِسی لیے تو حکم کرتے ہی پہاڑ نے اپنا جوشِ محبت ضبط کیا اور ٹھہر گیا۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

ے ایک ٹھوکر سے اُحد کا زلزلہ جاتا رہا　　　رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر ایڑیاں

وقتِ وفات ایمانی جذبات: جس وقت دشمنانِ اسلام سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے، اُس وقت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام واپس جانے سے قبل سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی: یہاں باغیوں کے فتنہ کا خدشہ ہے؛ آپ میرے ساتھ شام چلیں وہاں آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: لَا أَبِيعُ جِوَارَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِشَيْءٍ وَلَوْ كَانَ فِيهِ قَطْعُ خَيْطِ عُنُقِي. یعنی یہ گردن تو کٹا سکتا ہوں، مگر رسول اللہ ﷺ کا پڑوس چھوڑ کر مدینہ سے باہر کسی قیمت پر نہیں جاسکتا۔ شہادت بھی ہوگی تو سرکار ﷺ کے قدموں میں ہی ہوگی۔

اُنھوں نے کہا: پھر میں آپ کی حفاظت کے لیے شام سے ایک دستہ روانہ کر دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: لَا. حَتّٰى لَا أُقَتِّرَ عَلٰى جِيْرَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْأَرْزَاقَ بِجُنْدٍ تُسَاكِنُهُمْ، وَلَا أُضَيِّقُ عَلٰى أَهْلِ الْهِجْرَةِ وَالنُّصْرَةِ. مَیں یہاں فوجی دستے جمع کر کے سرکار ﷺ کے پڑوسیوں اور مہاجرین وانصار کے لیے دشواری پیدا نہیں کر سکتا۔

اُنھوں نے کہا: اگر کوئی نامناسب واقعہ پیش آیا تو؟ فرمایا: حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ. (تاریخ دمشق و تاریخ طبری)

جس شخص کو معلوم ہو کہ میری وفات کا وقت قریب ہے اُس کی عجیب حالت ہوتی ہے، مگر سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذبہ ایسا تھا کہ شہادت والے دن روزہ بھی رکھا ہوا تھا اور وقتِ شہادت بھی قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔

حرفِ آخر: اِس وقت صرف کشمیر ہی نہیں، دنیا بھر میں اہلِ اسلام کی صورتِ حال ایسی ہے کہ ہر دردِ دل رکھنے والا مسلمان خون کے آنسو روتا ہے۔

ہماری بہادری کا عالم یہ ہے کہ ہم نے کشمیریوں کے ساتھ اِظہار یکجہتی کے لیے پرومو بھی چلایا، نیا نقشہ بھی جاری کر دیا، ریلیاں بھی نکالیں اور خاموشی کو بھی آزمالیا، بلکہ کچھ عرصہ قبل چند منٹس کے لیے ٹریفک بھی جام کر چکے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر ہمارے گھر کا پڑوسی ہمارے مکان پر قبضہ کرلے تو یہ سب کچھ کرنے سے ہم اپنے مکان کا قبضہ چھڑا سکتے ہیں؟ ہر گز نہیں۔ اگر اِن کاموں سے ایک مکان کا قبضہ نہیں چھڑایا جاسکتا تو کشمیر پر سے بھارت کا قبضہ کیسے چھڑا سکتے ہیں؟ ہمیں اپنے اندر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ اور دیگر بزرگوں والا جذبہ بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک سال کے کرفیو کے باوجود کشمیری جس استقامت کے ساتھ اپنے نظریۂ آزادی پر قائم ہیں، دل اُنھیں خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ اُن کی اس استقامت کا راز صرف اور صرف جذبۂ جہاد ہے۔ اُن کی ماؤں نے اُنھیں لوریاں ہی آزادی کی سنائی ہیں۔ شہزادۂ امامِ حسین سیدنا علی زین العابدین رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے: كُنَّا نُعَلَّمُ مَغَازِيَ النَّبِيِّ ﷺ كَمَا نُعَلَّمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے غزوات مبارکہ کے واقعات ایسے سکھائے جاتے تھے جیسے قرآن پاک کی تعلیم دی جاتی۔ (البدایہ والنہایہ) آنے والی نسل کو بُزدلی اور ذلت سے بچانے کا ایک یہی طریقہ ہے۔

مُرتضٰی شیرِ حق

اَشُجَع الاَشُجَعِیُں

مجلسِ علماءِ نظامیہ پاکستان

مرکزی دفتر جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور

بیاں کس منہ سے ہو اُس مَجْمَعُ الْبَحْرَیْن کا رتبہ
جو مرکز ہے شریعت کا، طریقت کا ہے سرچشمہ

بنا اِس واسطے اللہ کا گھر جائے پیدائش
کہ وہ اسلام کا کعبہ ہے یہ ایمان کا کعبہ

دلہن زہرا، عمر داماد اور حسین سے بیٹے
تری ہستی ہے اعلیٰ اور بالا تر تِرا کنبہ

نبی کی نیند پر اُس نے نمازِ عصر قرباں کی
جو حاضر کر چکا تھا اِس سے پہلے جان کا ہدیہ

نہ کیوں کر لوٹتا اُس کے لیے ڈوبا ہوا سورج
کہ جب اُس چاند کے پہلو میں اِک سورج کا تھا جلوہ

تعالیٰ اللہ تیری شوکت، تری صولت کا کیا کہنا
کہ خطبہ پڑھ رہا ہے آج تک خیبر کا ہر ذرّہ

مسلمانو! رسول اللہ ﷺ کی اُلفت اگر چاہو
کرو اُس کی غلامی جس کا ہر مومن ہوا بندہ

ہو چشتی قادری یا نقشبندی سہروردی ہو
مِلا سب کو ولایت کا اُنہی کے ہاتھ سے ٹکڑا

ہے صدقہ میل پھر اُس پاک و ستھرے کو روا کیوں ہو
کہ دنیا کھا رہی ہے جس کی آلِ پاک کا صدقہ

علی مشکل کشا ہیں سب کے، سالکؔ کا سہارا ہیں
ہر اِک محتاج اُن کا ہو جواں بڈھا ہو یا بچہ

آغازِ سخن:

قدرتِ الٰہیہ نے کائنات کے تمام انسانوں پر نظر فرمائی، اُس کی نگاہ میں جو سب سے بہتر تھے اُنہیں اپنے محبوب ﷺ کی صحبت ونیابت کے لیے منتخب فرمایا، پھر اُنہیں آفتابِ رسالت ﷺ کی عالَم تاب کرنوں سے یوں منوّر کیا کہ ہر رگ وریشہ ایمان وایقان کے انوار سے جگمگا اُٹھا۔ روئے زمین پر ریت کے ذرات شمار کرنے کا تو کوئی شخص دعوی کر سکتا ہے، مگر اصحابِ رسول ﷺ کے فضائل ومناقب کو شمار کرنا ممکن نہیں۔ بالخصوص چاروں خلفائے ذیشان علیہم الرضوان کے خصائص وفضائل تو ایسے ہیں کہ اِن میں سے جس کے مناقب پر نظر ڈالیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہیں یہی ہیں۔

بهر گلے که ازیں چار باغ می نِگرم
بهار دامنِ دل می کشد که جا ایں جا است [1]

بالخصوص شیر خدا، علی مرتضیٰ کے فضائل ومناقب کی شہرت تو سب سے بڑھ کر ہے۔ وہ اللہ تعالی اور اُس کے حبیب ﷺ کے مُحِبّ بھی ہیں اور محبوب بھی، وہ دامادِ مصطفیٰ کریم ﷺ بھی ہیں، بھائی بھی اور نسلِ مصطفیٰ کریم ﷺ کے باپ بھی، وہ ساقیِ کوثر بھی ہیں اور جنت ودوزخ تقسیم کرنے والے بھی، وہ تمام مسلمانوں کے مولی بھی اور قوتِ پروردگار بھی[2]۔ کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم۔

بایں ہمہ اللہ تعالی کے ہاں سب سے زیادہ فضیلت والے، سب سے زیادہ قُرب والے، سب سے زیادہ عزت والے، اور سب سے بڑھ کر رضا ومحبوبیت پانے والے خلیفۂ بلافصل، یارِ غار ومزار عزّوشانِ خلافت صدیق اکبر ابو بکر عبد اللہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ اہلِ سنت وجماعت کا صدرِ اوّل سے تاحال یہی عقیدہ تھا، ہے اور رہے گا۔

13 رجب، سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کا یومِ ولادت ہے، اس مناسبت سے کچھ باتیں کرنے کی سعادت حاصل ہو گی۔

سوانحی خاکہ

مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کی کنیت "ابوالحَسَن" اور "ابوتُراب" ہے، والدہ ماجدہ نے "حیدر" (شیر) نام تجویز کیا اور والد نے "علی" منتخب کیا، "اسد اللہ" (شیر خدا) کے لقب سے نوازے گئے۔ نبی کریم ﷺ کے چچا جناب ابو طالِب کے فرزند ہیں، والدہ ماجدہ کا نام سیدتنا فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالی عنہا ہے۔ عام الفیل کے تیسویں سال، جب نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک 30

[1] اِن چار باغوں کے جس پھول کو بھی دیکھتا ہوں تو بہار میرے دل کا دامن کھینچ کر کہتی ہے: اصل جگہ تو یہی ہے۔

[2] ذکر کردہ اوصاف کی وضاحت کے لیے ملاحظہ کیجیے "مطلع القمرین" از اعلیٰ حضرت بریلوی، تبصرۂ سابعہ۔ ڈاؤن لوڈ لنک: https://archive.org/details/AfzaliyatAbuBakaroUmar

برس تھی تو 13 رجب، بروز جُمعۃ المبارک، خانہ کعبہ شریف کے اَندر پیدا ہوئے۔ [1] بچپن سے ہی آپ ﷺ کی تربیت میں رہے اور صرف 10 سال کی عمر میں اسلام قبول کر لیا، پھر زندگی بھر آپ ﷺ اور آپ کے دین کی خدمت میں مصروف رہے۔ غزوۂ بدر، غزوہ اُحد، غزوۂ خَندَق وغیرہ تمام اِسلامی جنگوں میں بے پناہ شُجاعت کے ساتھ شریک ہوئے۔ سیدنا عثمان غنی کی شہادت کے بعد خلیفہ منتخب ہوئے اور 4 برس 8 ماہ 9 دن تک مسندِ خِلافت پر رونق افروز رہے۔ 17 یا 19 رَمَضانُ المبارَک کو ایک بدبخت کے قاتِلانہ حملے سے شدید زخمی ہوگئے اور 21 رَمَضان شریف، 40ھ کی رات جامِ شہادت نوش فرمایا۔ (ملخص از اسد الغابہ، معرفۃ الصحابہ، تاریخ الخلفاء، ازالۃ الخفاء)

مرتضٰی شیر حق اشجع الاشجعین

مومن کے جو اوصاف اللہ عزوجل کو بہت پسند ہیں اُن میں سے ایک "راہِ حق میں شجاعت اور بہادری" ہے۔ اللہ تعالی دین کی خاطر شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ بہت پسند فرماتا ہے۔ انسانی تاریخ میں سب سے بڑے بہادر رسول اللہ ﷺ ہیں، آپ ﷺ کے قدموں کی برکت سے آپ کی امت نے ہمیشہ بہادری کی انوکھی داستانیں رقم کیں۔

سلام اُس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں

بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

"شجاعت" کا مفہوم یہ ہے کہ خوفناک صورتحال میں بھی انسان کا دل مطمئن رہے اور وہ انجام کی پرواہ کیے بغیر خوشی، رضامندی اور چاہت کے ساتھ حق کی خاطر ڈٹ جائے۔ بعض لوگ خوف والی بات سن لیں تو اُن کا دل کانپنے لگتا ہے اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ پریشان کُن صورت حال میں بھی بے خوف اپنے مقصد کی طرف بڑھتے رہتے ہیں، اِسی کا نام "بہادری" ہے۔

شجاعت کی فضیلت:

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو راہِ حق میں ثابت قدمی اور بہادری اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ایک مقام پر صف بستہ مجاہدین کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ. (الصف 4:61) مفہوم یہ کہ اللہ تعالیٰ میدان جہاد میں سیسہ پلائی دیوار کی طرح ڈٹ کر جہاد کرنے والے صف بستہ مجاہدین سے پیار فرماتا ہے۔

---

[1] المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 6044

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہمیں (بہت اہتمام کے ساتھ) درج ذیل کلمات تعلیم فرماتے جیسے (بچوں کو) لکھنا سکھایا جاتا ہے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَنْ نُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ.» (صحیح بخاری، حدیث:6390) اے اللہ! مَیں بخل (کنجوسی) سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، "اے اللہ! تیری پناہ مانگتا ہوں کہ ہمیں ناکارہ عمر کی طرف لوٹایا جائے، اور مَیں دنیا کے فتنے میں مبتلا ہو جانے اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں"۔

تاریخ اسلامی میں جن لوگوں نے بہادری کی عظیم داستانیں رقم کیں اُن میں سرِ فہرست ایک نام مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کا ہے۔

شبِ ہجرت جاں نثاری:

جس رات آپ ﷺ نے مدینہ شریف کی طرف ہجرت کا سفر شروع کیا، اس رات آپ کے درِ اقدس کے گرد کفار کا محاصرہ تھا اور وہ آپ ﷺ کو شہید کرنا چاہتے تھے، مگر اللہ کی شان کہ اس نے آپ ﷺ کو حفاظت کے ساتھ وہاں سے مدینہ پاک روانہ کر دیا اور کفار کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ قتل کے اِرادے سے آنے والوں میں وہ بھی تھے جن کی امانتیں حضور ﷺ کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ اس نازک وقت میں آپ ﷺ نے ان کی امانتوں کو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے سپرد کیا اور تمام تر تفصیلات اِرشاد فرمائیں کہ تم فلاں، فلاں کو امانتیں سپرد کر کے مدینہ آجانا۔ ظاہر ہے کہ اس موقع پر آپ ﷺ کے بستر پر لیٹنے کے لیے ایسے شخص کی ضرورت تھی جو نہایت بہادر بھی ہو اور وفاشعار بھی۔ چنانچہ یہ سعادت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حصہ میں آئی۔[1] باری تعالی نے فرمایا: {وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ} [البقرۃ2:207] اور لوگوں میں سے کوئی اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لیے اپنی جان بیچ دیتا ہے اور اللہ تعالی اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ ایک تفسیر کے مطابق یہ آیت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی)

سب سے پہلے مُبارِز:

کفر اور اسلام کے درمیان ہونے والے پہلے بڑے معرکہ غزوۂ بدر میں جب جنگ شروع ہوئی تو مکہ کے تین بڑے بہادر: عتبہ، شیبہ اور ولید لَعَنَہُم اللہ تعالی میدان میں آئے اور مقابلے کے لیے للکارا، کچھ انصاری جوان سامنے آئے تو وہ تکبر کرتے ہوئے کہنے لگے:

---

[1] اعلی حضرت نے آپ کی بارگاہ میں استغاثہ کیا:

اے شبِ ہجرت بجائے مصطفیٰ بر رختِ خواب ۔۔۔ اے دمِ شدت فدائے مصطفیٰ اِمداد کُن

ہم اِن سے نہیں لڑیں گے، ہمارے مقابلے کے لیے ہمارے جوڑ کے قریشی بہادر سامنے آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «قُمْ يَا حَمْزَةُ! قُمْ يَا عَلِيُّ! قُمْ يَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْحَارِثِ!» (سنن ابوداود، حدیث:2667) "اے حمزہ! اُٹھیے، اے علی! اُٹھیے، اے عُبیدہ بن حارث! اُٹھیے۔" جب یہ تینوں قریشی سپوت میدان میں پہنچے تو اُنھوں نے کہا: اپنا تعارف کراؤ۔ سیدنا امیر حمزہ نے فرمایا: أَنَا حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ۔ سیدنا علی نے فرمایا: أَنَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ۔ اور سیدنا عُبیدہ نے فرمایا: أَنَا عُبَيْدَةُ بْنُ الْحَارِثِ۔ (رضی اللہ تعالی عنہم) تعارف سُن کر کہنے لگے: نَعَمْ أَكْفَاءٌ كِرَامٌ۔ (السنن الکبری للبیہقی، حدیث:18344) "ہاں! ہمارے ہم پلہ معزز لوگ ہیں"۔ پھر لڑائی شروع ہوئی اور تینوں کفار واصلِ جہنم ہوئے۔

اس حدیث پاک کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کے پہلے بڑے معرکے میں رسول اللہ ﷺ کے حکم پر سب سے پہلے جن افراد نے سب سے پہلے کفار کو للکارا اُن میں ایک سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم تھے۔

غزوۂ خندق میں عمرو بن عبدِ وُدّ کا قتل:

غزوۂ خندق کے روز عَمرو بن عبدِ وُدّ (جو ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا) اپنی طاقت دکھانے کے لیے ایک جھنڈا لیے نکلا۔ جب اُس نے میدان میں آکر للکارا تو سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے مقابلے کے لیے اجازت چاہی۔ تاجدارِ ختمِ نبوت ﷺ نے اپنی خاص تلوار "ذوالفقار" اپنے دست مبارک سے حیدرِ کرار کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ہاتھ میں دی اور اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کے سرِ انور پر عمامہ باندھا اور یہ دعا کی: "یااللہ! علی کی مدد فرما"۔ چنانچہ شیر خدا کرم اللہ تعالی وجہہ میدان میں تشریف لائے اور فرمایا: يَا عَمْرُو! إِنَّكَ كُنْتَ عَاهَدْتَ اللهَ لَا يَدْعُوكَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَى إِحْدَى خَلَّتَيْنِ إِلَّا أَخَذْتَهَا مِنْهُ۔ "اے عَمرو! تو نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ قریش میں سے جب بھی کوئی شخص تجھے دو میں سے ایک اچھے کام کی طرف بلائے گا تو تم اسے ضرور اختیار کروگے"۔ اُس نے کہا: ہاں مَیں نے ایسا ہی کہا تھا۔ مولی المسلمین کرم اللہ تعالی وجہہ نے فرمایا: فَإِنِّي أَدْعُوكَ إِلَى اللهِ وَإِلَى رَسُولِهِ وَإِلَى الْإِسْلَامِ۔ "مَیں تجھے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں"۔ عَمرو نے کہا مجھے ان میں سے کسی کی حاجت نہیں۔ حضرت علی نے فرمایا: "اب میں تجھ کو مقابلہ کی دعوت دیتا ہوں"۔ کہنے لگا: لِمَ يَا ابْنَ أَخِي، فَوَاللهِ مَا أُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَكَ! بھتیجے! کیوں مقابلہ چاہتے ہو؟ خدا کی قسم میں تجھے قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔ سیدنا علی نے فرمایا: لٰكِنِّي وَاللهِ أُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَكَ۔ "مگر اللہ کی قسم مَیں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں"۔ یہ سن کر وہ غصہ سے تِلملا اُٹھا۔ شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پیدل تھے اور وہ سوار تھا، اس نے غصے میں گھوڑے سے اُتر کر اپنی تلوار سے گھوڑے کے پاؤں کاٹ ڈالے، آگ کے شعلہ جیسی تلوار سونتی اور حضرت علی کی طرف لپکا اور ایسا زبردست وار کیا کہ آپ نے ڈھال پر روکا تو تلوار اُسے پھاڑ کر گھس گئی، یہاں تک کہ آپ کے سر پر لگی اور زخمی کر دیا۔ اب شیر خدا نے سنبھل کر اس کے کندھے کی

رگ پر ایسی تلوار ماری کہ وہ گر پڑا اور غبار اُڑا۔ راوی کہتے ہیں: فَسَمِعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ التَّكْبِيرَ، فَعَرَفَ أَنَّ عَلِيًّا قَتَلَهُ۔ رسول اللہ ﷺ نے نعرۂ تکبیر سنا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی نے اسے جہنم میں پہنچا دیا۔ (المستدرک علی الصحیحین، السیرۃ النبویہ، زرقانی علی المواہب)

شیر خدا کی اس بہادری اور شجاعت پر میدانِ جنگ کا ایک ایک ذرہ زبانِ حال سے پکار اُٹھا:

شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوّتِ پروردگار
لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُو الْفَقَار

غزوۂ خیبر اور دیگر مواقع پر آپ کی بہادری کی داستانیں بھی تاریخ کا روشن باب ہیں۔ سلامِ رضا میں ہے:

مُرتضٰی شیرِ حق اَشْجَعُ الْاَشْجَعِیں
ساقیِ شیر و شربت پہ لاکھوں سلام

شیرِ شمشیر زَن شاہِ خیبر شکن
پَرتَوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

غازی ممتاز حسین قادری شہید:

در حقیقت اسد اللہ الغالب سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم اور دیگر صحابہ واہل بیت علیہم الرضوان کی ہی داستانیں ہیں جو آج بھی اُمت کے جذبات جواں رکھے ہوئے ہیں۔ 29 فروری ایسے غازی کا یومِ شہادت جس نے اس دور میں اُمت کو ناموسِ رسالت پر جان نچھاور کرنے کا سلیقہ سکھایا ہے۔

چشمِ فلک نے یہ منظر صرف غلامانِ حیدرِ کرار کے بارے میں ہی دیکھا ہے کہ شہیدِ ناموسِ رسالت غازی ملک ممتاز حسین قادری رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے 29 فروری، 2016ء بروز پیر، اہل خانہ سے آخری ملاقات کے بعد آبِ زمزم اور عجوہ کھجوروں سے سحری کر کے روزہ رکھا، نمازِ تہجد ادا کی۔ پھانسی گھاٹ کی طرف جانے کے لیے چار بجے کا وقت طے تھا، مگر آپ وقت مقرر سے کچھ دیر قبل ہی پھانسی گھاٹ کی طرف جانے لگے، جیل کے عملہ نے کہا: ابھی کچھ وقت باقی ہے تو فرمانے لگے: "سامنے رسول اللہ ﷺ جلوہ افروز ہیں اور انتظار فرما رہے ہیں"۔ خود جھوم جھوم کر چلتے ہوئے تختہ دار کی طرف بڑھے۔ جیل حکام سے فرمایا: "بوقت شہادت میں سر پر عمامہ باندھے رکھوں گا۔ میرے چہرے پر کالا کپڑا نہیں ڈالا جائے گا اور میں پھندا اپنے ہاتھوں سے گلے میں ڈالوں گا۔" چنانچہ پھندا چوما اور کہا: "تو

میرے اور سرکار ﷺ کے بیچ میں ایک وسیلہ ہے۔" پھر اُسے گلے میں ڈالا اور تبسم کرتے، نعرۂ تکبیر ورسالت لگاتے، "لبیک یارسول اللہ" کی صدا بلند کر کے بارگاہِ خدا و مصطفیٰ میں حاضر ہو گئے۔[1]

اصلِ نسلِ صفا

اللہ تعالی کی حکمت تھی کہ نبی کریم ﷺ کے تمام صاحب زادے بچپن میں ہی وصال کر گئے۔ کفار جب اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھتے تو اپنا دل بہلانے کے لیے کہا کرتے: فکر کی کوئی بات نہیں، یہ چند روزہ کھیل ہے، اِن کی اولادِ نرینہ تو ہے نہیں جو ان کے بعد اس مشن کو جاری رکھ سکے، یہ چند سال کے مہمان ہیں، جب رخصت ہو جائیں گے تو ان کا یہ دین بھی نیست و نابود ہو جائے گا، اِن کا کوئی نام لیوا نہیں ہو گا۔ اللہ تعالی نے ان کی گستاخیوں اور خوش فہمیوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ. [الکوثر108:3] "بے شک آپ کا دشمن ہی ہر خیر سے محروم، بے نسل اور بے نام و نشان ہو گا۔" یعنی جو میرے محبوب کا دشمن ہے، جو ان کے دین کا بدخواہ ہے وہ مٹ جائے گا، اس کی قوم اسے بھول جائے گی، تاریخ اسے فراموش کر دے گی، اس کا کوئی نام لینے والا نہیں ہو گا، اس کی طرف نسبت باعثِ ننگ و عار بن جائے گی اور میرے محبوب کے ذکرِ پاک کی شمع ہر وقت روشن رہے گی، اُن کی عظمتوں کے ترانے ہمیشہ پڑھے جائیں گے، اُن کی نسل میں ایسی برکت ہو گی کہ دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل جائے گی۔

چنانچہ اللہ تعالی نے اپنا یہ وعدہ یوں پورا فرمایا کہ سرورِ عالم ﷺ کا نسب پاک آپ کی شہزادی، سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالی عنہا سے جاری کر دیا۔ سیدنا جابر رضی اللہ تعالی عنہ راوی ہیں کہ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: "إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ جَعَلَ ذُرِّيَّةَ كُلِّ نَبِيٍّ فِي صُلْبِهِ، وَإِنَّ اللهَ تَعَالَى جَعَلَ ذُرِّيَّتِي فِي صُلْبِ عَلِيِّ بنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ". (المعجم الکبیر، حدیث:2630) مفہوم یہ کہ "تمام انسانوں کے لیے یہ اصول ہے کہ نسب اپنے (فراش والے) والد سے ہوتا ہے، حتی کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے بھی یہی ضابطہ تھا کہ اُن کی اولاد سے اُن کا نسب چلتا، مگر میری شہزادی کے ساتھ نسبت کی وجہ سے علی مرتضی کا یہ اِعزاز ہے کہ خاتونِ جنت کے ذریعے اولاد اُس کی ہو گی مگر نسب میرا ہو گا"۔ سیدنا جابر رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ ارشادِ نبوی بھی نقل کیا: «لِكُلِّ بَنِي أُمٍّ عَصَبَةٌ يَنْتَمُونَ إِلَيْهِمْ إِلَّا ابْنَيْ فَاطِمَةَ [وفی روایۃٍ: إِلَّا وَلَدَ فَاطِمَةَ]، فَأَنَا وَلِيُّهُمَا وَعَصَبَتُهُمَا.» (المستدرک علی الصحیحین، حدیث:4770، المعجم الکبیر، حدیث:2632) "ہر ماں کی اولاد اپنے عصبہ (باپ) کی طرف منسوب ہوتی ہے، سوائے اولادِ فاطمہ کے، اِن کا ولی اور عصبہ مَیں ہوں"۔

---

[1] شہید ناموسِ رسالت کے حالات کا مطالعہ کرنے کے لیے ملاحظہ کیجیے مجلس علماء نظامیہ پاکستان کا شائع کردہ رسالہ "ملک محمد ممتاز حسین قادری"۔ پڑھنے یا ڈاؤن لوڈ کرنے کے لیے لنک پر کلک کریں: https://drive.google.com/file/d/0B07HlHHoX_JmTlRhMS1pT2p5YUE/view?usp=sharing

سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ رسول اللہ ﷺ کی نسلِ پاک کے باپ ہیں، یہ سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کی عزت میں اضافہ کا باعث ہے، اس سے سید عالم ﷺ کی شان نہیں بڑھتی۔ ماضی قریب میں بعض لوگ اس حوالے سے غلط فہمی کا شکار ہوئے اور ایسے جملے کہے جو جانِ عالم ﷺ کے شایانِ شان نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ کی جو اولاد خاتونِ جنت سے ہے، صرف وہی سادات ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی نسلِ پاک ہیں۔ اِن کا نسب نبی کریم ﷺ کی طرف منتقل ہوتا ہے نہ کہ جناب ابوطالب کی طرف۔ حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کی دیگر اولاد نہ تو سادات کہلاتے ہیں، نہ ہی وہ آپ ﷺ کی نسلِ پاک سے ہیں، اگرچہ وہ "عَلَوی" ہیں اور قابلِ احترام مسلمان ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے مشہورِ زمانہ سلام میں کہا:

اصلِ نسلِ صَفا وجہِ وَصْلِ خدا
بابِ فصلِ ولایت پہ لاکھوں سلام

اوّلیں دافعِ اہلِ رفض و خُروج

مسلمانوں میں فرقہ بندی کرنے والے فتنہ پرستوں میں ایک قدیم فرقہ اُن بدبختوں کا ہے جو اہلِ بیت کرام علیہم الرضوان سے محبت کا جھوٹا دعوی کر کے صحابہ کرام، حتی کہ نبی اکرم ﷺ کے پہلے تین خلفائے ذیشان رضی اللہ تعالی عنہم کی بھی گستاخیاں کرتے ہیں، اِنہیں "روافض"، "رافضی" کہا جاتا ہے۔ بعض ایسے بدنصیب ہیں جو سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے بُغض وعداوت رکھتے ہیں، آپ کو حق پر نہیں جانتے، اِنھیں "نواصِب" یا "ناصبی" کہا جاتا ہے۔ کچھ عقل کے اندھوں نے سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہٗ کو غیر مسلم قرار دے کر اُن سے جنگ کی، اِنھیں "خوارج" یا "خارجی" کہا جاتا ہے۔ کچھ ایسے بھی کم عقل ہوئے جو سبھی صحابہ کرام علیہم الرضوان کا احترام تو کرتے ہیں، تاہم سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ کو پہلے تینوں خلفائے کرام سے افضل کہتے ہیں، اِنھیں "تفضیلی" کہا جاتا ہے۔

افسوس کہ ان سبھی باطل پرست لوگوں کے نظریات سے متأثر لوگ آج تک اپنے فتنے پھیلا رہے ہیں۔ محبتِ اہل بیت عظام کا دم بھرتے ہوئے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی گستاخیاں کرنے والے بھی بے شمار ہیں اور صحابہ کرام سے وفا کے نام پر اہلِ بیت عظام کے خلاف زہر اُگلنے والے بھی بہت ہیں، بالخصوص تفضیلیوں کا فتنہ تو اس وقت خطرناک ہوتا جارہا ہے، اہلِ سنّت کہلانے والے بہت سے جاہل رافضیّت کی طرف مائل ہو رہے ہیں، کچھ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو سب سے افضل قرار دے رہے ہیں، کچھ خلافتِ روحانی اور جسمانی کا فرق کرتے ہیں، کچھ اپنی تمام تر توانائیاں جناب ابوطالب کا ایمان ثابت کرنے پر صرف کر رہے ہیں۔ پیشہ وَر نعت خوان اور علم سے عاری موروثی سجادہ نشین عوامِ اہل سنّت کے عقائد متزلزل کرنے میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالی کے فضل و کرم سے اہلِ سنّت ایسی سیدھی راہ پر ہیں کہ امامِ اہلِ سنت علیہ الرحمہ نے فرمایا:

اہل سنت کا ہے بیڑا پار اصحابِ حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی[1]

حقیقت یہ ہے کہ مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم نے خود اِن تمام باطل پرستوں کی تردید و مذمت فرمائی ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بارگاہِ مرتضوی میں عرض کیا:

اَوّلیں دافعِ اہلِ رفض[2] و خُروج
چارُمی رکنِ ملّت پہ لاکھوں سلام
ماحیِ رفض و تفضیل و نصب و خُروج
حامیِ دین و سنت پہ لاکھوں سلام

ماحیِ رفض خروج

سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ نے فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلا کر ارشاد فرمایا: إِنَّ فِيكَ مِنْ عِيسٰى مَثَلًا، أَبْغَضَتْهُ يَهُودُ حَتّٰى بَهَتُوا أُمَّهُ وَأَحَبَّتْهُ النَّصَارٰى حَتّٰى أَنْزَلُوهُ بِالْمَنْزِلِ الَّذِي لَيْسَ بِهِ۔ یعنی "اے علی! تمہارے بارے میں بھی عیسی علیہ السلام جیسی عجیب صورتِ حال سامنے آئے گی، یہود نے عیسی علیہ السلام سے بغض کیا حتی کہ اُن کی والدہ عفیفہ جناب مریم

---

[1] الفاظ کے معانی: بیڑا/ناؤ: کشتی۔ نجم: ستارہ۔ عِترت: اولاد۔ یعنی ان شاء اللہ تعالی اہلِ سنّت و جماعت کامیاب ہوں گے اور ان کی کشتی بخیر و عافیت منزلِ مقصود پر پہنچ جائے گی کیونکہ یہ اہلِ بیتِ اطہار کی مقدّس کشتی میں سوار ہیں اور آسمانِ ہدایت کے ستارے یعنی صحابۂ کرام علیہم الرضوان منزل یعنی جنت کی طرف ان کی راہ نمائی فرما رہے ہیں۔ اس شعر میں دو احادیث مبارکہ کی طرف اشارہ ہے: (1) اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّہِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ۔ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، تم ان میں سے جس کی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے۔ (مشکوۃ المصابیح، جزء3، ج2، ص414، حدیث:6018) (2) مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِیْ مَثَلُ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ، مَنْ رَکِبَھَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرِقَ۔ میرے اہلِ بیت کی مثال کشتیٔ نوح کی طرح ہے، جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہا ہلاک ہوگیا۔ (المستدرک، حدیث:332) حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: سمندر کا مسافر کشتی کا بھی حاجت مند ہوتا ہے اور تاروں کی رہبری کا بھی، کہ جہاز ستاروں کی راہ نمائی پر ہی سمندر میں چلتے ہیں، اسی طرح اُمّتِ مسلمہ اپنی ایمانی زندگی میں اہلِ بیتِ اطہار کے بھی محتاج ہیں اور صحابۂ کبار کے بھی حاجت مند۔ (مراۃ المناجیح، ج8، ص345)

صحابہ ہیں سب مِثلِ انجم دَرَخشاں — سفینہ ہے اُمّت کا عِترت نبی کی

[2] "رفض" عربی میں "ر" کی زبر کے ساتھ "رَفض" ہے، اُردو میں زبر اور زیر دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔

رضی اللہ تعالی عنہا پر بہتان تراشی کی، اور عیسائیوں نے اُن کی محبت میں حد سے تجاوز کیا اور اُنھیں اُس درجہ پر پہنچایا جو اُن کا نہیں" (اُنھیں اللہ تعالی کا بیٹا کہنے لگے)۔ نبی غیب دان صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے یہ روایت کرنے کے بعد سیدنا علی فرماتے: أَلَا وَإِنَّهُ يَهْلِكُ فِيَّ اثْنَانِ: مُحِبٌّ يُقَرِّظُنِي بِمَا لَيْسَ فِيَّ، وَمُبْغِضٌ يَحْمِلُهُ شَنَآنِي عَلَى أَنْ يَبْهَتَنِي... (المستدرک علی الصحیحین:4622، مسند احمد:1377) خبردار! دو طرح کے لوگ میرے بارے میں سچا عقیدہ چھوڑنے کی وجہ سے ہلاک ہوں گے: 1) محبت کا دعوی کرنے والے، وہ میرے ایسے اوصاف بیان کریں گے جو مجھ میں نہیں پائے جاتے۔ 2) بغض رکھنے والے، جو میری دشمنی میں مجھ پر بہتان تراشی کریں گے۔

آپ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا یہ اِرشاد رافضیوں کے لیے بھی سبق ہے جو آپ کی محبت کا دعوی کرکے دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کو چھوڑ دیتے ہیں اور خارجیّت سے متأثرین کے لیے بھی درسِ ہدایت ہے جو صحابہ کرام سے محبت کی آڑ میں اہلِ بیت اطہار کی بے ادبی کرتے ہیں۔

تفضیلیوں کی تردید

حضرت ابوجُحیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا: يَا خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔ اے وہ ہستی! جو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بعد سب سے افضل ہے۔ آپ نے فرمایا: «مَهْلًا، وَيْحَكَ يَا أَبَا جُحَيْفَةَ! أَلَا أُخْبِرُكَ بِخَيْرِ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ؟ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَيْحَكَ يَا أَبَا جُحَيْفَةَ! لَا يَجْتَمِعُ حُبِّي وَبُغْضُ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فِي قَلْبِ مُؤْمِنٍ». (المعجم الاوسط:3920) "ابوجُحیفہ! رک جاؤ، تم پر افسوس ہے، کیا میں تمہیں بتاؤں کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالی عنہما۔ اے ابوجُحیفہ! میری محبت اور سیدنا ابو بکر و سیدنا عمر کا بغض کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے (ایسا نہیں ہو سکتا کہ مجھ سے محبت کرنے والا کوئی مومن شیخین سے بغض رکھتا ہو، اگر سچا مومن ہے تو دل میری محبت بھی ہو گی اور شیخین کی محبت بھی)۔

ایک دوسری روایت کے مطابق آپ کرم اللہ تعالی وجہہ نے فرمایا: بَلَغَنِي أَنَّ أُنَاسًا يُفَضِّلُونِي عَلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، لَا يُفَضِّلُنِي أَحَدٌ عَلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ إِلَّا جَلَدْتُهُ حَدَّ الْمُفْتَرِي۔ (فضائل الصحابہ لاحمد بن حنبل، حدیث:49) "مجھے خبر ملی ہے کہ کچھ لوگ مجھے جناب ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے افضل کہتے ہیں، جو بھی مجھے اِن سے افضل قرار دے گا میں اُسے وہی سزا دوں گا جو بہتان لگانے والے کو دی جاتی ہے (80 کوڑے ماروں گا)"۔

خارجیوں سے جہاد:

جب سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا باہمی معاملہ حل کرانے کے لیے ثالثی کی تجویز پر اتفاق ہو گیا تو ایک ایسا گروہ سامنے آیا جن کا نعرہ تھا: {اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ} [یوسف12:40]"حکم صرف اللہ کا ہے"۔ انھوں نے مقامِ حَرورا میں پڑاوَڈالا اور کوفہ، بصرہ اور مدائن وغیرہ میں اپنے عقائد کی تبلیغ شروع کر دی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ دینی معاملات میں انسان کو حاکم بنانا کفر ہے اور ایسا کرنے والے واجب القتل ہیں، سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم نے چونکہ مصالحت کے لیے ثالثی قبول کی ہے؛ لہٰذا وہ بھی مجرم ہیں (معاذ اللہ، معاذ اللہ)۔ چنانچہ وہ آپ کے ساتھ لڑائی کے لیے جمع ہو گئے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم نے پہلے خوارج کو بہت سمجھایا، باز نہ آنے پر جہاد کا فیصلہ کیا۔ آپ نے حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سربراہی میں ایک فوج خوارج کی طرف بھیجی۔ براہ راست حملہ کرنے کے بجائے پہلے خوارج کو دعوت دی کہ وہ توبہ کرکے مسلمانوں کے ساتھ مل جائیں، لیکن خوارج نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک سفید جھنڈا کھڑا کرکے اعلان کیا کہ جو شخص جنگ کے بغیر اس جھنڈے کے نیچے آجائے، اسے امان حاصل ہو گی اور جو یہاں سے نکل کر کوفہ یا مدائن چلا جائے اسے بھی امان حاصل ہو گی، متعدد خوارج نے اس پیشکش سے فائدہ اٹھا کر امان حاصل کی، باقی سب مارے گئے۔ جنگ کے بعد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے خوارج کے 400 زخمیوں کی مرہم پٹی کرائی اور انھیں ان کے قبائل میں بھیج دیا۔[1]

---

[1] امام بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث کے مطابق حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَقْسِمُ ذَاتَ يَوْمٍ قِسْمًا فَقَالَ ذُو الْخُوَيْصَرَةِ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ: يَا رَسُولَ اللهِ! اِعْدِلْ، قَالَ: وَيْلَكَ مَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ؟ فَقَالَ عُمَرُ: اِئْذَنْ لِي فَلَأَضْرِبْ عُنُقَهُ، قَالَ: لَا، إِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّيْنِ كَمُرُوقِ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ. (صحیح بخاری رقم: 5811، ورقم: 6534، صحیح مسلم، رقم: 1064) یعنی ایک روز حضور نبی اکرم ﷺ مالِ (غنیمت) تقسیم فرما رہے تھے تو بنو تمیم کے ذوالخویصرہ نامی شخص نے کہا: یارسول اللہ! انصاف کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تُو ہلاک ہو، اگر مَیں انصاف نہیں کروں گا تو کون انصاف کرے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: (یارسول اللہ!) مجھے اجازت دیں کہ اس (گستاخ) کی گردن اڑا دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بے شک اس کے (ایسے) ساتھی بھی ہیں کہ تم ان کی نمازوں کے مقابلے میں اپنی نمازوں کو حقیر جانو گے اور ان کے روزوں کے مقابلہ میں اپنے روزوں کو حقیر جانو گے۔ وہ دین سے اس طرح نکلے ہوئے ہوں گے جیسے شکار سے تیر نکل جاتا ہے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی علیہ الرحمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اِسی ذوالخویصرہ تمیمی کا ہم خیال گروہ ہی بعد ازاں خوارج کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ ذو الخويصرة التميمي وهو حرقوص بن زهير، أصل الخوارج. (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، 12:292) ذوالخویصرہ تمیمی کا اصل نام حرقوص بن زہیر تھا اور وہ خوارج کا بانی تھا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَيْسَ قِرَاءَتُكُمْ إِلٰى قِرَاءَتِهِمْ بِشَيْءٍ وَلَا صَلَاتُكُمْ إِلٰى صَلَاتِهِمْ بِشَيْءٍ وَلَا صِيَامُكُمْ إِلٰى صِيَامِهِمْ بِشَيْءٍ، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ يَحْسِبُونَ أَنَّهُ لَهُمْ وَهُوَ عَلَيْهِمْ، لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ. (صحیح مسلم، رقم: 1066، سنن ابو داود، رقم: 4768) اے لوگو! میں نے رسول

بُغضِ صحابہ پر تنبیہ:

ایک سید صاحب کے دل میں کچھ صحابۂ کرام علیہم الرضوان بالخصوص سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ سے (معاذ اللہ) کینہ تھا۔ ایک دن وہ "مکتوباتِ امام ربانی" کا مطالعہ کر رہے تھے، اس میں یہ عبارت پڑھی: "امام مالک علیہ الرحمہ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں بدزبانی کو سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہما کے بارے میں بدزبانی کے برابر قرار دیا ہے" (کیونکہ سب کا احترام آپ ﷺ کے ساتھ نسبت کی وجہ سے ہے)۔ سید صاحب کو امام ربانی کی یہ عبارت اچھی نہ لگی اور اُنھوں نے "مکتوبات شریف" کو زمین پر پھینک دیا۔ جب وہ سوئے تو امام ربانی علیہ الرحمہ خواب میں تشریف لائے۔ آپ نہایت جلال میں ان کے دونوں کان پکڑ کر فرمانے لگے: "تُو ہماری تحریر پر اعتراض کرتا اور اُسے زمین پر پھینکتا ہے! اگر تُو میری بات کو معتبر نہیں سمجھتا تو آ! تجھے حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ کے پاس لے چلوں، جن کی خاطر تُو صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو بُرا کہتا ہے"۔ پھر آپ اُنہیں ایسی جگہ لے گئے جہاں ایک نورانی چہرے والے بزرگ تشریف فرما تھے۔ امام ربانی علیہ الرحمہ نے نہایت عاجزی سے اُنھیں سلام کیا، پھر انھیں نزدیک بلا کر فرمایا: یہ تشریف فرما بزرگ مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم ہیں، سُن! آپ کیا فرماتے ہیں۔ سید زادے نے سلام عرض کیا۔ شیرِ خدا کرم اللہ تعالی وجہہ نے اسے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا: "خبردار! رسولِ اکرم ﷺ کے صحابہ سے کدورت (رنجش) نہ رکھو، ان کے بارے میں کوئی گستاخانہ جملہ زبان پر نہ لاؤ۔" پھر حضرت مجدّدِ الف ثانی کی جانب اشارہ کر کے فرمایا: "اِن کی تحریر سے ہرگز نہ پھرنا (مخالفت مت کرنا)"۔

اس نصیحت کے بعد بھی ان کے دل سے صحابۂ کرام کا کینہ دُور نہ ہوا تو مولی المسلمین کرم اللہ تعالی وجہہ نے فرمایا: "اِس کا دل ابھی تک صاف نہیں ہوا"۔ یہ فرما کر امام ربانی کو حکم دیا کہ اِسے تھپڑ رسید کریں۔ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جوں ہی آپ نے گدی پر تھپڑ مارا تو دل سے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی ساری نفرت دُور ہو گئی۔ جب وہ بیدار ہوئے تو دل صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی محبت سے معمور تھا اور امام ربانی علیہ الرحمہ کی محبت بھی کئی گنا زیادہ بڑھ چکی تھی۔ (حضراتُ القُدُس، دفتر دوم، ص:167، ملخصًا)

اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں ایک گروہ ظاہر ہو گا وہ ایسا (خوبصورت) قرآن پڑھے گا کہ ان کے پڑھنے کے سامنے تمہارے قرآن پڑھنے کی کوئی حیثیت نہ ہو گی، ان کی نمازوں کے سامنے تمہاری نمازوں کی کچھ حیثیت نہ ہو گی، ان کے روزوں کے سامنے تمہارے روزوں کی کوئی حیثیت نہ ہو گی۔ وہ یہ سمجھ کر قرآن پڑھیں گے کہ وہ ان کے حق میں ہے حالانکہ وہ ان کے خلاف حجت ہو گا۔ نماز ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی اور وہ اسلام سے ایسے خارج ہوں گے جیسے تیر شکار سے خارج ہو جاتا ہے۔

حرفِ آخر

مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کی محبت ایمان کی نشانی ہے، آپ کو نبی کرم ﷺ کے ساتھ کئی نسبتیں ہیں اور دنیاوآخرت میں آپ کو اللہ تعالی کی بارگاہ سے بے پناہ عزتیں عطا کی گئی ہیں۔ البتہ آپ نے حدیث پاک کے مطابق خود یہ پیش گوئی فرمائی ہے کہ بعض لوگ آپ کی محبت میں غلو کریں گے اور آپ کے ایسے اوصاف بیان کریں گے جو آپ میں نہیں پائے جاتے۔

سُنّیت اُس صراطِ مستقیم کا نام ہے جو افراط و تفریط کی طرف میلان سے بھی پاک ہے۔ سنّیت میں نہ تو فضائل وخصائصِ صحابہؑ کرام علیہم الرضوان سے اِنکار کا شائبہ ہے اور نہ ہی صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی بارگاہِ عزت پناہ سے کسی کو افضل قرار دینے کی گنجائش ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس صراط مستقیم پر قائم رہیں اور فتنہ پروروں کے جال میں نہ پھنسیں۔

اللہ تعالی ہمارا حشر بابِ مدینۃ العلم کے غلاموں میں فرمائے۔ آمین

﴿إِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ.﴾ [آل عمران 160:3]

﴿ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ.﴾ [الانفال 53:8]

عروج وزوال کے اسباب

(سقوطِ ڈھاکہ کے تناظر میں)

آغازِسخن: 16 دسمبر کی تاریخ ہمیں اپنے ماضی کو یاد کرکے کچھ سبق سیکھنے کا درس دیتی ہے۔ 1971ء میں اِسی تاریخ کو پاکستان دولخت ہوا تھا، وہ بنگالی بھائی جو بڑے شوق سے پاکستان میں شامل ہوئے تھے اِسی تاریخ کو نہ صرف ہم سے جُدا ہوگئے، بلکہ ایسا لگتا ہے کہ اب ہم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بن گئے ہیں۔

تحریکِ آزادی اور مطالبۂ پاکستان کی جدوجہد میں بنگالی مسلمانوں کا بہت اہم کردار رہا۔ 1906ء میں مسلم لیگ کا قیام ڈھاکہ (بنگال کے دارالحکومت) میں ہی ہوا۔ مسلم لیگ کے قیام کی قرارداد نواب آف ڈھاکہ نواب سلیم اللہ خان نے پیش کی۔ 1940ء کی قراردادِ لاہور، جس کے ذریعے مسلم لیگ نے برصغیر کی تقسیم اور مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا تھا، شیر بنگال مولوی ابوالقاسم فضل الحق نے پیش کی تھی جو اس وقت بنگال کے وزیراعلیٰ تھے۔ 1946ء کے تاریخی انتخابات میں بنگالی مسلمانوں نے 97فیصد ووٹ دے کر پاکستان کا قیام یقینی بنایا۔ 1947ء میں جب پاکستان وجود میں آیا تو اس کے لیے پیش کی جانے والی قربانیوں میں بنگالیوں کا لہو، عزم اور یقین بھی شامل تھا۔

مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) کے درمیان کئی ہزار میل کا فاصلہ تھا، پھر دونوں حصوں میں آباد لوگوں کی زبان، تہذیب و ثقافت، لباس، رسم ورواج اور سماجی معاملات بھی پوری طرح ایک جیسے نہیں تھے، لیکن اسلام کی طاقت نے یہ تمام فاصلے ختم کردیے تھے۔ اسلام اور دو قومی نظریہ کی بنیاد پر دونوں حصوں کے مسلمانوں نے آزادی کے لیے مشترکہ طور پر جدوجہد کی۔

مشرقی پاکستان کے نوّے فیصد تعلیمی اِداروں میں ہندوؤں کا خاصا اثرورسوخ تھا، چنانچہ قیامِ پاکستان کے بعد نئی نسل، اِن اداروں میں ہندو اساتذہ سے ہندو مصنفین کی کتابیں پڑھتی تھی۔ ایک خاص منصوبے کے تحت جوانوں کو ایسی تعلیم دی گئی جس کی وجہ سے وہ اپنے دین اور دو قومی نظریہ سے دور ہوتے گئے اور بھارتی پروپیگنڈے کا شکار ہوکر مغربی پاکستان کے بھائیوں سے بدظن ہوتے گئے۔ دوسری طرف پاکستان کے سیاستدانوں اور حکمرانوں نے بھی اپنی جانبدارانہ پالیسیوں کے ذریعے اُنہیں مایوس کیا۔

1970ء کے عام انتخابات میں عوامی لیگ (شیخ مجیب الرحمٰن کی پارٹی) نے انتخابی کمپین میں پوری توجہ مشرقی پاکستان پر رکھی اور مغربی پاکستان میں دلچسپی نہ لی، جب کہ پیپلز پارٹی نے سارازور مغربی پاکستان پر صرف کیا۔ انتخابات کے بعد ملک سیاسی طور پر تقسیم ہو چکا تھا، مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کو سندھ اور پنجاب میں بھاری کامیابی حاصل تھی، جبکہ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کو مکمل غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔ بھارت کے زیر اثر لوگوں نے مشرقی پاکستان کی عوام کو گمراہ کیا اور بلاواسطہ بھارتی ایجنسیاں اور فوج ملوّث رہی۔ بالآخر اپنوں کی کمزوری، دشمنوں کی عیاری اور عالمی سازشوں کے نتیجے میں 16 دسمبر 1971ء کو پاکستان دولخت ہو گیا۔

یہ افسوس ناک صورتِ حال صرف بنگلہ دیش کے حوالے سے ہی پیش نہیں، بلکہ اجتماعی طور عالمِ اسلام جن دل سوز، پُر آشوب، صبر آزما اور کٹھن مراحل سے گزر رہا ہے، ہر صاحب درد اُن پر پریشان ہے۔ ایسے حالات میں سوچنے کی ضرورت ہے کہ آخر یہ زوال کیوں ہے؟ پچاس سے زائد اسلامی ممالک کے باوجود پوری دنیا میں مسلمان ہی مظلوم کیوں ہیں؟

چنانچہ آج کے خطبہ میں عروج وزوال کے اسباب پر گفتگو ہو گی۔

حقیقی اور ظاہری اسباب

دنیا دار الاسباب ہے، اِس میں اللہ عزوجل نے ہر چیز کے کچھ اسباب رکھے ہیں، بندہ وہ سبب اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالی اپنی قدرت سے مسبَّب کو پیدا فرما دیتا ہے۔ مثلاً مرض سے شفا کے لیے دوا سبب ہے، جب بندہ بیمار ہونے پر دوا لیتا ہے تو اللہ تعالی اپنے کرم سے شفا عطا فرما دیتا ہے۔

پھر اسباب دو طرح کے ہیں: کچھ ظاہری اسباب ہیں اور کچھ باطنی۔ ظاہری اسباب وہ ہیں جنھیں انسان اپنی عقل سے جان سکتا ہے اور باطنی اسباب وہ ہیں جو یا تو خالقِ کائنات جل جلالہٗ کے ارشاد فرمانے سے معلوم ہوتے ہیں، یا رحمتِ کائنات ﷺ کے بتانے سے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دونوں طرح سے اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

مادیت پرست کہتے ہیں کہ دنیا چاند پر پہنچ گئی اور ہم لوگ ابھی اِن باطنی اسباب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا چاند تو کیا ساتویں آسمان پر بھی پہنچ جائے تب بھی اللہ تعالی کی قدرت سے باہر نہیں نکل سکتی۔ اُس کے عطا کردہ احکام اور اُس کے حبیب ﷺ کے ارشادات آج بھی اُسی طرح مؤثر ہیں جس طرح صدیوں پہلے تھے۔ اگر اُن کی تاثیر میں فرق آنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ماہِ مدینہ ﷺ کو قیامت تک کے لیے نبی نہ بناتا۔ کافر اور مسلمان کے نظریہ میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ کافر کی نظر فقط اسباب پر ہوتی ہے، جبکہ مسلمان کی نظر اسباب اختیار کرنے کے بعد بھی مُسبِّبُ الاسباب پر ہوتی ہے۔

عروج وزوال کے اسباب بھی کچھ ظاہری ہیں اور کچھ باطنی۔ ظاہری اسباب پر غور کیا جائے تو دنیا جانتی ہے کہ جو قوم اسلحہ، قوت اور علمی و معاشی طاقت تیار نہ رکھے وہ جلد ہی مٹ جاتی ہے، ایسے ہی صاحبِ ایمان باطنی اسباب کی اس حقیقت سے ہرگز اِنکار نہیں کر سکتا جسے بیان کرتے ہوئے باری تعالی نے فرمایا: ﴿اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ وَاِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ.﴾ [آل عمران 160:3] (اے مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں بے سہارا چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا؟ اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔

اقبال علیہ الرحمہ نے فقط دولت اور ترقی میں عروج تلاش کرنے والوں کو پیغام دیا:

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر تونگری سے نہیں

اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور
قلندری میری کچھ کم سکندری سے نہیں

سبب کچھ اور ہے جسے تو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں (1)

عروج وزوال کا قانونِ الٰہی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ [الانفال8:53]یعنی اللہ کسی قوم کو نعمت عطا کرنے کے بعد ہر گز اُسے نہیں بدلتا جب تک وہ لوگ خود ہی اپنی حالت کو نہ بدلیں، اور بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

مفہوم یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو آزادی، سلامتی، استحکام، خوش حالی اور عافیت کی نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ نعمت ان سے اس وقت تک سلب نہیں فرماتا جب تک کہ وہ قوم اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی کرکے اپنے آپ کو اس نعمت کا نااہل ثابت نہیں کر دیتی۔ قوموں کے عروج وزوال کے لیے یہی اٹل قانون ہے کہ نعمت کا شکر ادا کرنے اور نعمت دینے والے رب کو راضی کرنے سے نعمت میں اِضافہ ہوتا ہے، جب کہ ناشکری کرنے اور مالک کو ناراض کرنے پر سزا دی جاتی ہے۔ یہ قانون صرف کافروں کے لیے نہیں، بلکہ مسلمان بھی اگر اِسی روِش پر چلیں تو اللہ تعالیٰ ان سے بھی اپنی دی ہوئی نعمتیں واپس لے لیتا ہے اور انہیں ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بار بار اپنی عظیم نعمتوں سے نوازا۔ ایک وقت تھا جب ایشیا، افریقا اور یورپ، تین براعظموں پر مسلمانوں کی حکومت تھی، لیکن مسلمانوں نے اپنی نااہلی سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان عظیم حکومتوں کو گنوادیا۔ اسپین میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی، لیکن اب پورا اسپین عیسائی قومیت میں ڈھل چکا ہے اور وہاں مسلمان برائے نام ہیں۔

---

[1] مسلمانوں کے زوال کا سبب بے زری (دولت کی کمی) نہیں، مسلمانوں کا زوال کسی اور وجہ سے جو تُو خود جانتا ہے۔

برصغیر میں ایک ہزار سال تک حکومت کرنے کے باوجود اپنی بداعمالیوں کے نتیجے میں انگریز اور ہندوؤں کی غلامی کے دن دیکھنا پڑے۔ پھر اکابر کی کاوشوں سے طویل غلامی کے بعد اللہ تعالی نے پاکستان کی صورت میں ایک علیحدہ ریاست عطا کی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پاکستانیوں نے جس وعدے اور جس نعرے کی بنیاد پر یہ ملک حاصل کیا تھا اسے پورا کرتے، لیکن جب چوبیس سال (1947ء سے 1971ء) تک انہوں نے اس وعدہ کو پورا نہیں کیا اور اسلام کو نافذ کرنے کے بجائے حکام سے لے کر عوام تک سب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مشغول رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے آدھا ملک لے لیا۔ اب باقی آدھا ملک بھی اندرونی اور بیرونی خطرات کی زد میں ہے۔ اللہ تعالی اسے اپنی حفظ وامان میں رکھے۔

بنواسرائیل کا عروج وزوال: عروج وزوال کے اس قانون کے مطابق اللہ تعالی نے سیدنا موسی علیہ السلام کی اُمت، یعنی بنی اسرائیل کو ایمان لانے کی برکت سے عروج عطا کیا، فرعون جیسے متکبر اور بے پناہ فوج والے بادشاہ کو غرق کرکے اِن کمزور اور "چھوٹا طبقہ" سمجھے جانے والوں کو سرزمینِ مصر کا حاکم بنا دیا۔ پھر یہی لوگ دوبارا اس طرح ذلیل ورُسوا ہوئے کہ اُس کے تصور سے بھی خوف آتا ہے۔ پندرھویں پارے کی ابتدائی آیات میں ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا.﴾ "اور ہم نے بنی اسرائیل کی طرف کتاب میں وحی بھیجی (تورات میں یہ غیبی خبر دی) کہ ضرور تم زمین (شام) میں دو مرتبہ فساد کروگے اور تم ضرور بڑا تکبر کروگے"۔ چنانچہ یہ غیبی خبر پوری ہوئی۔

پہلی بار جب بنی اسرائیل نے فساد کیا، ظلم وبغاوت پر اترے، توریت کے احکام کی مخالفت کی اور حرام کاموں کے مُرتکب ہونے لگے، حتی کہ اللہ تعالی کے ایک نبی علیہ السلام کو شہید کردیا تو ایسی تباہی آئی کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا.﴾ "جب پہلی بار کا وعدہ آیا تو ہم نے تم پر سخت لڑائی والے اپنے کچھ بندے بھیجے تو وہ شہروں کے اندر تمہاری تلاش کے لیے گھس گئے اور یہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہونا تھا"۔ تاریخی روایات کے مطابق 587 قبل مسیح میں "بخت نصر" ایک لشکر جرار کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوا۔ اس نے یروشلم (بیت المقدس) کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ستر ہزار یہودیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کردیا۔ ان کے شاندار محلات کو جلا کر خاکستر کردیا گیا اور خوب لوٹ مار کی۔ جو یہودی زندہ بچ گئے تھے انہیں زنجیروں میں باندھ کر بابل (موجودہ عراق کا ایک شہر، جو اُس وقت ریاست تھی) لایا گیا اور وہاں کی رعایا میں ان کو غلاموں کی حیثیت سے اس طرح تقسیم کردیا گیا کہ کبھی متحد ہونے کا خواب بھی نہ دیکھ سکیں۔

بنی اسرائیل کو اپنی زبوں حالی کا احساس ہوا اور اُنہوں نے اللہ تعالی کی بارگاہ میں توبہ کی تو اُس نے حسبِ وعدہ دوبارہ غلبہ عطا کیا۔ ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوٰلٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا.﴾ "پھر ہم نے تمہارا غلبہ

ان پر اُلٹ دیا اور مالوں اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد کی اور ہم نے تمہاری تعداد بھی زیادہ کر دی"۔ چنانچہ بخت نصر کی موت کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور بابل کی سلطنت زوال پذیر ہوئی۔ سیرس دوم شاہِ فارس (CYRUS II) لیڈیا (موجودہ ترکی کا شہر جو اُس وقت ریاست تھی) اور بابل پر 549 قبل مسیح حملہ کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ سب سے پہلے اس نے یہود اکی سلطنت کو بحال کرنے اور یروشلم کے ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرنے کا فرمان صادر کیا۔ بے شمار یہودی جو بابل میں جلاوطنی کی ذلیل زندگی بسر کر رہے تھے، انہیں فلسطین واپس جانے کی اجازت دی۔ اللہ تعالی نے ایک اور نبی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، جن کی کاوشوں سے بنی اسرائیل راہِ راست پر آئے۔

اس نبی کے وصال کے بعد بہت جلد یہ پھر دنیا پرستی اور جاہ طلبی کی لعنت میں گرفتار ہو گئے۔ چنانچہ مختلف بادشاہوں کی تبدیلی کے بعد 67ء میں ٹیٹس (TITUS) کی قیادت میں 60 ہزار کا رومی لشکر فلسطین پر حملہ آور ہوا۔ 70ء میں اس نے یروشلم پر قبضہ کیا، دس لاکھ کے قریب یہودی مارے گئے اور ایک لاکھ کو غلاموں اور کنیزوں کی حیثیت سے فروخت کر دیا گیا۔ اس کے بعد یہودیوں کی بربادی کا وہ طویل دور شروع ہوا جو ابھی تک ختم نہیں ہوا۔

قرآن کریم میں یہ واقعہ ذکر کرنے کا مقصد ہماری تربیت کرنا ہے کہ تم قانونِ قدرت کو سمجھو اور بنی اسرائیل کی طرح نافرمانی میں مبتلا ہو کر تباہی کا شکار نہ ہونا۔

غلامانہ سوچ ختم کرنے کی ضرورت

اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان اپنے افکار، کردار اور تہذیب و تمدن میں سب سے منفرد ہوں۔ اُن کی چال ڈھال، رسم و رواج، تہذیب و سیاست خالص اسلامی رنگ میں ہو۔ وہ کسی غیر مسلم سے متأثر نہ ہوں، بلکہ اُن کی زبان پر اپنے نبی ﷺ اور اُن کے دین کے ترانے ہوں، وہ اپنا راہ نما اور آئیڈیل غلامانِ مصطفی ﷺ کو سمجھیں اور بنائیں، کفار کی طرف للچائی نظروں سے نہ دیکھیں۔ حقیقت میں "آزادی" اسی کا نام ہے۔

اس کے برعکس ہماری صورتِ حال یہ ہے کہ باقاعدہ منصوبے کے تحت ایسے عقل کے اندھوں کو دانشور بنا کر نوجوانوں کے سامنے لایا جا رہا ہے جو ہر وقت یورپ کے گیت گاتے ہیں، نسلِ نَو کو غیر مسلموں سے متأثر کرتے ہیں۔ یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ دین کو مسجد کی حد تک رکھو، باقی معاملات میں ہمیں دنیا کے ساتھ چلنا ہے۔ ایسے نام نہاد دانشوروں کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ نوجوانوں کو خواہ قرآن کریم کی تلاوت نہ آتی ہو، مگر انگریزی بولنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ زندگی عصری علوم کی کتابیں چھانتے گزر جاتی ہے، مگر قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو جہاد کا نام لیتے ہی خوف آنے لگتا ہے۔

فیض احمد فیض نے کہا:

چلتے ہیں دبے پاؤں کوئی جاگ نہ جائے
غلامی کے اسیروں کی یہی خاص ادا ہے
ہوتی نہیں جو قوم حق بات پہ یکجا
اُس قوم کا حاکم ہی بس اُس کی سزا ہے

اکثر مسلم ممالک کے حکمران خود تو یہود ونصاری اور ہنود کے ہاتھوں میں کھیل ہی رہے ہیں، کوئی دوسرا اگر جرأت اور جہاد کی بات کرتا ہے تو اُسے بھی پرانے زمانے کا باسی قرار دے کر لوگوں کو اُس سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اقبال علیہ الرحمہ نے اس صورتِ حال کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

شاعر بھی ہیں پیدا علماء بھی حکماء بھی
خالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ

مقصد ہے اِن اللہ کے بندوں کا مگر ایک
ہر ایک ہے گو شرحِ معانی میں یگانہ

بہتر ہے کہ شیروں کو سکھا دیں رمِ آہو
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ [2]

کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند
تاویلِ مسائل کو بناتے ہیں بہانہ

جس قوم کا ہدف یہ ہوتا تھا کہ پوری دنیا پر اسلام کا جھنڈا لہرائے، اگر اس کے جوان اپنا تشخص اور انفرادیت ہی باقی رکھنے کی فکر نہ کریں تو اُنہیں عروج کیسے ملے گا؟ عروج حاصل کرنے کے لیے عروج والوں کی فکر اپنانا ہوگی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ جب اپنے دورِ خلافت میں شام تشریف لے گئے تو وہی بے تکلفانہ انداز تھا جو مدینہ پاک میں ہوتا تھا۔ لباس، چال اور انداز میں کوئی فرق نہ آیا۔ کسی بات پر اِس امت کے امین سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی: یہاں کے لوگ اس حالت میں آپ کو دیکھیں

---

[2] بہتر ہے کہ امت کے جوانوں کو میدانِ جہاد میں شیروں کی طرح للکارنے کی باتیں نہ بتائی جائیں، اِنہیں ہرن کی چال (نت نئے انداز) سکھادیں تاکہ شیروں کی دلیری کی داستان ہی باقی نہ رہے۔

گے تو اچھا نہیں لگے گا (مسلمانوں کا سربراہ ہونے کے ناطے شاہانہ انداز اختیار کیجیے)۔ امیر المؤمنین نے فرمایا: «أَوَّهْ! لَمْ يَقُلْ ذَا غَيْرُكَ أَبَا عُبَيْدَةَ جَعَلْتُهُ نَكَالًا لِأُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ. إِنَّا كُنَّا أَذَلَّ قَوْمٍ فَأَعَزَّنَا اللهُ بِالْإِسْلَامِ، فَمَهْمَا نَطْلُبُ الْعِزَّةَ بِغَيْرِ مَا أَعَزَّنَا اللهُ بِهِ أَذَلَّنَا اللهُ.» (المستدرک علی الصحیحین، حدیث:207) اے ابو عبیدہ افسوس! کوئی دوسرا یہ بات کہتا تو مَیں اُسے اُمت کے لیے نشانِ عبرت بنا دیتا (آپ کے احترام کے پیشِ نظر آپ سے درگزر کر رہا ہوں)۔ ہم تو سب سے زیادہ بے توقیر لوگ تھے، یہ تمام عزتیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی برکت سے عطا فرمائی ہیں، (قیامت تک) جب کبھی ہم (اُمت مسلمہ) اسلام کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعے عزت چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دے گا۔

حرفِ آخر

اُمت مسلمہ میں اِس وقت ایسے افراد کی کمی نہیں جو اپنی مستی میں ایسے مگن ہیں کہ اُنہیں اُمت کے حالات کی کوئی پرواہ نہیں۔ اُنہیں اپنی روشن خیالی عزیز ہے خواہ اُمت دشمنوں کے ظلم میں پستی رہے۔ اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

وہ لوگ غنیمت ہیں جو اس دور میں کم از کم اتنا احساس تو دلاتے ہیں کہ تمہارا مرکز یورپ نہیں مدینہ طیبہ ہے۔ تمہارے مسائل کا جدید نظاموں میں نہیں، محبوبِ خدا ﷺ کے نظام میں ہے۔

اسلام کی جس طاقت نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے مسلمانوں کو آپس میں جوڑے رکھا تھا آج اُس سے ہمارا رشتہ کمزور ہوتا چلا جا رہا ہے، اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ غلامیٔ رسول ﷺ ہی وہ رشتہ ہے جو دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرو سکتا ہے، افسوس کہ یہ رشتہ بھی ٹوٹتا نظر آتا ہے۔

سقوطِ ڈھاکہ کے جو اسباب و عوامل تھے وہ آج بھی اُسی طرح موجود ہیں۔ بنگالی جوانوں کو تعلیمی اداروں کے ہندو اساتذہ نے برین واشنگ کے ذریعے مغربی پاکستان کے مسلمانوں سے متنفر کیا، آج بھی نظامِ تعلیم ایسا ہے کہ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اس نظام سے گزرنے والوں کے بارے میں کہا:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا اِلحاد بھی ساتھ

اُس وقت سیاستدانوں کے رویوں نے مسلمانوں کو آپس میں لڑایا اور آج بھی سیاست کی بالکل وہی صورت حال ہے، حکومت اور اپوزیشن کو ملک کے بجائے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر ہے۔

اُس وقت اپنی اپنی حکومت کے لیے لسانی اور صوبائی بنیادوں پر تعصب کو ہوا دی گئی، آج بھی وہی صورت حال ہے۔

اقبال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

شَبے پیشِ خُدا بِگِریستَمُ زار
مسلماناں چِرا زارند و خوارند

نِدا آمد نَمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارند ومحبوبے نہ دارند

(ایک رات مَیں نے اللہ تعالی کی بارگاہ میں رو رو کر التجا کی کہ مسلمان کیوں ذلیل وخوار ہیں؟ جواب ملا: تُو نہیں جانتا کہ اس قوم کے پاس دل تو ہیں مگر دل میں محبوب نہیں ہے)

جب امت نے اپنے دلوں کے اندر حقیقی معنوں میں محبوبِ خدا ﷺ کو بسالیا اور اِس محبت کا اثر عملی زندگی میں نظر آنے لگا تو اللہ تعالی اپنا یہ وعدہ ضرور پورا فرمائے گا: ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ.﴾ [آل عمران 3:139] "اگر تم (سچے) مومن ہو تو تمہیں غالب آؤ گے"۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ. [الروم 22:30] یعنی ”آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں (بولیوں) اور رنگوں کا مختلف ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے“۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ o عَلَّمَہُ الْبَیَانَ. [الرحمٰن 55:3،4] ”رحمٰن نے انسان کو پیدا کیا اور اُسے قوتِ گویائی سے نوازا“۔

زبان (Language)... قدرت کا نشان

(عالمی یومِ مادری زبان کے تناظر میں)

آغازِ سخن: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ زمین بھی اُس کی نعمتوں سے بھرپور ہے، آسمان بھی اُس کے احسانات سے معمور ہے، اور خود ہماری ذات میں بھی اُس کی کرم نوازیاں لامحدود ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: { وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ } [النحل 16:18] "اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو اُنہیں شمار نہیں کر سکو گے، بے شک اللہ بخشنے والا، مہربان ہے"۔

اللہ تعالی کے بے شمار احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ اُس نے انسان کو بولنے کی قوت عطا فرمائی۔ قوتِ گویائی انسان کو دیگر حیوانات سے ممتاز کرتی ہے، بہت سے جانوروں کی دیگر جسمانی قوتیں انسانوں سے بڑھ کر ہیں، مگر جو فصیح زبان اور واضح کلام اللہ تعالی نے انسان کو عطا کیا ہے وہ دوسرے حیوانوں کو نصیب نہیں۔ یہ انسان ہی ہے جو اپنے دل میں آنے والے خیال کو خوبصورت الفاظ کے ذریعے آسانی سے سمجھا سکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: خَلَقَ الْاِنْسَانَ o عَلَّمَهُ الْبَيَانَ. [الرحمٰن 55:3،4] ایک تفسیر کے مطابق اِس کا ترجمہ ہے: "رحمٰن نے انسان کو پیدا کیا اور اُسے قوتِ گویائی سے نوازا"۔ اللہ تعالی کی اس نعمت کا احساس کرنا ہو تو کچھ لمحات کے لیے غور کیجیے کہ اگر انسان کو بولنے کی قوت نہ ملتی تو کیا صورت حال ہوتی!

پھر اللہ تعالی نے انسانوں کو مختلف زبانیں اور بولیاں عطا کیں۔ دنیا بھر میں بولی جانے والے زبانوں کی تعداد بے شمار ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ. [الروم 30:22] یعنی "آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں (بولیوں) اور رنگوں کا مختلف ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے"۔

اس آیت مبارکہ میں غور فکر کی دعوت ہے کہ اے انسانو! تم سبھی ایک ہی باپ جناب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، مگر کوئی عربی بولتا ہے، کوئی فارسی اور کوئی پنجابی تو کوئی سرائیکی، وغیرہ۔ ایسے ہی تم اپنے رنگوں پر غور کرو کہ کوئی گورا ہے، کوئی کالا اور کوئی گندمی۔ اسی طرح انسانوں کی تعداد اربوں میں ہونے کے باوجود کسی کا رنگ، چہرہ اور نقش دوسرے سے پورا پورا نہیں ملتا، ہر ایک دوسرے سے جُدا ہی نظر آتا ہے، حتی کہ کسی انسان کے ہاتھوں اور انگلیوں کی لکیریں دوسرے انسان کی لکیروں سے نہیں ملتیں۔ یہ اللہ تعالی کی قدرت کی عظیم نشانی ہے کہ تمام انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں، مگر اُن کی بولیاں، رنگ اور جسمانی ساخت آپس میں مختلف ہیں۔

عالمی یوم: زبان اور بولی کسی بھی انسان اور قوم کی شناخت کا اہم ترین ذریعہ ہے، اسے بنیادی انسانی حقوق میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق دنیا بھر میں تقریباً ستر ہزار (70,000) زبانیں بولی جاتی ہیں، جن میں سے بہت سی وقت کے ساتھ ساتھ ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔ 21 فروری کا دن عالمی یومِ مادری زبان (International Mother Language Day) کے طور پر منایا جاتا ہے۔ رواں سال بھی اس موقع پر دنیا بھر میں تقریبات کا انعقاد ہو گا، پاکستان کی متعدد یونی ورسٹیز، کالجز اور دیگر سیاسی و سماجی اداروں میں زبانوں سے متعلق آگاہی کے لیے سیمینارز کا انعقاد کیا جائے گا۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں زبانوں سے متعلق کچھ گفتگو کی جائے گی۔

زبان دانی احسانِ خداوندی

علم اللہ تعالی کی عظیم نعمت ہے، اگر علم شریعت کے خلاف نہ ہو اور اُس کے ذریعے دین کی خدمت اور خلقِ خُدا کو نفع پہنچایا جائے تو یہ اللہ تعالی کے قُرب کا بہترین ذریعہ ہے۔ زبان دانی، مختلف بولیوں کو سمجھنا بھی علم ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا سلیمان علی نبینا وعلیہ السلام پر یہ احسان فرمایا کہ اُنہیں پرندوں کی بولیاں بھی تعلیم فرمائیں، اُنھوں نے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍؕ-اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ. [النمل 16:27] اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہر چیز میں سے ہمیں عطا ہوا، بے شک یہی (اللہ کا) واضح فضل ہے۔

نبی کریم ﷺ کی زبان دانی: اللہ تعالی نے تمام رسولوں کو اُن کے وقت اور لوگوں کے مناسب معجزات عطا کیے؛ تاکہ لوگ اُن کے معجزات کو دیکھ کر اُن کے نبی ہونے کا یقین کر لیں۔ اُس نے ہمارے آقا کریم ﷺ کو تمام مخلوق کا اور ہر زمانے کا رسول بنایا، آپ ﷺ کو معجزات بھی ایسے دیے گئے کہ قیامت تک کے لوگ اپنے اپنے دور کے اعتبار سے آپ کے معجزات پر غور کر کے ایمان قبول کرتے رہیں۔[1] آپ ﷺ کے دور میں لوگوں کو زبان دانی پر بہت ناز تھا، چنانچہ باری تعالی نے آپ کو بطورِ معجزہ مختلف زبانوں اور بولیوں کی سمجھ بھی عطا کی، آپ ﷺ مختلف زبانوں میں کلام فرماتے[2]، بلکہ صرف انسانوں کی ہی نہیں جانوروں کی بولیاں بھی سمجھتے ہیں۔[3] آپ ﷺ کی عمومی گفتگو عربی میں ہوتی، اس عربی دانی سے متعلق اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے کہا:

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فُصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

---

[1] حدیث پاک ملاحظہ کیجیے: https://www.dawateislami.net/bookslibrary/1090/page/15

[2] عَنْ أُمِّ خَالِدٍ بِنْتِ خَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ، قَالَتْ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَعَ أَبِي وَعَلَيَّ قَمِيصٌ أَصْفَرُ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «سَنَهْ سَنَهْ» - قَالَ عَبْدُ اللهِ: وَهِيَ بِالحَبَشِيَّةِ حَسَنَةٌ - قَالَتْ: فَذَهَبْتُ أَلْعَبُ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ، فَزَبَرَنِي أَبِي، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «دَعْهَا»، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَبْلِي وَأَخْلِفِي ثُمَّ، أَبْلِي وَأَخْلِفِي، ثُمَّ أَبْلِي وَأَخْلِفِي» قَالَ عَبْدُ اللهِ: فَبَقِيَتْ حَتَّى ذَكَرَ. (صحیح بخاری، حدیث: 3071)

عن جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ ذَبَحْنَا بُهَيْمَةً لَنَا، وَطَحَنْتُ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ، فَتَعَالَ أَنْتَ وَنَفَرٌ، فَصَاحَ النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالَ: «يَا أَهْلَ الخَنْدَقِ! إِنَّ جَابِرًا قَدْ صَنَعَ سُؤْرًا، فَحَيَّ هَلًا بِكُمْ» (صحیح بخاری، حدیث: 3070)

[3] اَنَّ اللهَ عَلَّمَهُ جَمِيعَ اللُّغَاتِ فَكَانَ يَخْطُبُ كُلَّ قَوْمٍ بِلُغَتِهِمْ وَاِنْ لَمْ يَثْبُتْ اَنَّهُ تَكَلَّمَ بِاللُّغَةِ التُّرْكِيَّةِ؛ لِاَنَّهُ لَمْ يَتَّفِقْ اَنَّهُ خَاطَبَ اَحَدًا مِنْ اَهْلِهَا وَ لَوْ خَاطَبَهُ لَكَلَّمَهُ۔ (حاشية الصاوی، ج۲، ص۲۲۵)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ شہزادۂ والا شان حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ نے بچپنے کی وجہ سے صدقہ کی ایک کھجور منہ میں ڈال لی، آپ ﷺ نے دیکھ کر اُنہیں روکا اور فارسی زبان کا ایک کلمہ ارشاد فرمایا: «کِخْ کِخْ!» یعنی ”پھینک دو، پھینک دو! پھر فرمایا: «أَمَا تَعْرِفُ أَنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ» (صحیح بخاری، حدیث: 3072) ”آپ کو معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔“

ایک موقع پر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کو فارسی زبان میں ارشاد فرمایا: اَشِكَمَتْ دَرْدْ؟[4] ”کیا آپ کے پیٹ میں درد ہے؟“ اُنھوں نے کہا: نَعَمْ! جی ہاں یارسول اللہ! فرمایا: قُمْ فَصَلِّ، فَإِنَّ فِي الصَّلَاةِ شِفَاءً۔ ”اُٹھو نماز پڑھو، نماز میں شفا ہے۔“ (سنن ابن ماجہ، حدیث: 3458، مسند احمد، حدیث: 9066)

تربیت: معمولی بیماریوں کا بہانہ بنا کر نماز چھوڑنے والوں کے لیے حدیث پاک میں درس ہے کہ بیماری کے سبب نماز نہ چھوڑیں، نماز کی برکت سے اللہ تعالی بیماریاں بھی دور فرمادیتا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ انصار کے ایک باغ میں رونق افروز ہوئے، وہاں ایک اونٹ موجود تھا۔ راوی کہتے ہیں: فَلَمَّا رَأَى النَّبِيَّ ﷺ حَنَّ وَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ فَمَسَحَ ذِفْرَاهُ فَسَكَتَ، فَقَالَ: «مَنْ رَبُّ هٰذَا الْجَمَلِ؟ لِمَنْ هَذَا الْجَمَلُ». فَجَاءَ فَتًى مِنَ الأَنْصَارِ فَقَالَ: لِي يَا رَسُولَ اللهِ. فَقَالَ: «أَفَلَا تَتَّقِي اللهَ فِي هٰذِهِ الْبَهِيمَةِ الَّتِي مَلَّكَكَ اللهُ إِيَّاهَا، فَإِنَّهُ شَكَى إِلَيَّ أَنَّكَ تُجِيعُهُ وَتُدْئِبُهُ». (سنن ابی داود، حدیث: 2551) اُونٹ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی آواز کے ساتھ رونے لگا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ ﷺ اُس کے پاس تشریف لے گئے، اُس کے کان کے پچھلے حصے پر دست اقدس پھیرا، وہ خاموش ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اِس اونٹ کا مالک کون ہے؟“ ایک انصاری نوجوان نے حاضر ہو کر کہا: یہ میرا اُونٹ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تو اِس بے زبان کے بارے میں اللہ تعالی سے نہیں ڈرتا؟ اللہ تعالیٰ نے تجھے اِس کا مالک بنایا ہے، اس نے مجھے شکایت کی ہے تم اِسے بھوکا رکھتے ہو اور (زیادہ کام لینے کی وجہ سے) تھکا دیتے ہو“۔

تربیت: رسول اللہ ﷺ نے جانوروں پر ظلم سے منع کیا اور اُن خیال رکھنے کا حکم دیا، افسوس کہ ہم لوگ اپنے ماتحت لوگوں اور دیگر کمزور انسانوں کے حقوق کا بھی خیال نہیں کرتے۔

---

[4] اِن الفاظ سے متعلق راویوں کا اختلاف ہے، دیگر اسانید میں مختلف الفاظ منقول ہیں۔

افضل زبان

ویسے تو سبھی بولیاں اللہ تعالی کی عطا کردہ ہیں اور اُس کی قدرت کی نشانیاں ہیں، مگر اِن تمام میں عربی کی شان سب سے بڑھ کر ہے۔ عربی زبان سب سے زیادہ فصیح ہے، الفاظ کی وسعت اور معانی کی گہرائی جو عربی میں ہے کسی اور میں نہیں۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے اپنی افضل کتاب، اپنے افضل رسول ﷺ پر، افضل زبان (عربی) میں، اپنے افضل فرشتے کے ذریعے نازل فرمائی۔ ارشاد ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ. [یوسف 12:2] بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی نازل فرمایا تاکہ تم سمجھو۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کے عربی ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ [الشعراء 26:192-194] ”اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے، اسے روح امین لے کر نازل ہوئے، آپ کے دل پر تاکہ آپ ڈر سنانے والوں میں سے ہو جاؤ، روشن عربی زبان میں۔

عربی کو دنیا میں بھی نرالی شان حاصل ہے اور آخرت میں بھی اعلیٰ مقام حاصل ہو گا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "أَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ: لِأَنِّي عَرَبِيٌّ وَالْقُرْآنَ عَرَبِيٌّ وَكَلَامَ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ" (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 6999، شعب الایمان، حدیث: 1364) ”عرب کے ساتھ تین وجہ سے محبت کرو: کیوں کہ مَیں عربی ہوں (اور محبوب کی نسبتیں بھی محبوب ہوتی ہیں)، قرآن مجید عربی ہے اور جنتیوں کی زبان عربی ہے“ (نیز قبر کا حساب عربی میں ہو گا، یہ تمام زبانوں سے زیادہ فصیح ہے، عرب نے حضور سے شریعت سیکھ کر ہم تک پہنچائی، انہوں نے ہی اطرافِ عالم میں اسلام پھیلایا، بدر و حنین بلکہ یرموک اور قادسیہ وغیرہ غزوات انہوں نے ہی جیتے، وہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں [مرقاۃ المفاتیح])۔

مومن اگرچہ عربی بولنا نہ جانتا ہو، لیکن ایمانی تقاضے اور اِن نسبتوں کی وجہ سے عربی کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔[5] اِسی ماہ کے آغاز میں سینٹ آف پاکستان نے تعلیمی اداروں میں ششم سے گیارہوں تک عربی زبان لازمی پڑھانے کا بل منظور کیا ہے جو خوش آئند بات ہے۔

---

[5] عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: تَعَلَّمُوا الْعَرَبِيَّةَ. (السنن الکبری للبیہقی، حدیث: 2366)

مادری زبان کی اہمیت

انسان کی شناخت اُس کی مادری زبان ہے، اگر ایمانی تقاضے کے مطابق عربی سیکھی جائے تو کیا خوب ہے! عربی کے بعد اپنی مادری زبان کے ساتھ ہی محبت ہونی چاہیے۔ نبی کریم ﷺ سے پہلے متعدد انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لائے، جو نبی جس قوم کی طرف تشریف لاتا اسی قوم کی زبان میں احکامات سناتا؛ تاکہ لوگ سنیں اور سمجھیں۔ قرآن مجید فرقانِ حمید میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۖ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ [ابراھیم 4:14] ''اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان میں ہی بھیجا تاکہ وہ انہیں واضح کرکے بتائے، پھر اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہی علم والا، حکمت والا ہے''۔[6]

اگر اللہ تعالی چاہتا تو سبھی رسولوں کو ایک ہی زبان کے مطابق مبعوث فرماتا، مگر ہر قوم کے رسول مکرم کو اُن کی قوم کی بولی میں مبعوث فرمایا، نیز نبی کریم ﷺ نے بہت مرتبہ عربی کے علاوہ کوئی زبان بولنے والوں کے ساتھ اُن کی زبان میں کلام فرمایا، اس میں تربیت تھی کہ کوئی قوم اپنی زبان کو حقیر مت سمجھے، یہ بولیاں اللہ تعالی کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

انگریزی وغیرہ سے مرعوب نہ ہونا

انسان کی فطرت ہے کہ وہ جس کی ظاہری چمک دمک دیکھتا ہے اُس سے متأثر ہو جاتا ہے، جس شے کی مانگ زیادہ ہو جائے اُسے قیمتی سمجھنے لگتا ہے، حتی کہ بہت مرتبہ کوئی چیز نقصان دہ ہوتی ہے مگر ظاہر پرست اُس سے بھی مرعوب ہو جاتے ہیں۔ پھر انسان جس شے سے مرعوب اور متأثر ہو جائے نہ صرف اُسے اختیار کرنے اور پانے کی کوشش کرتا ہے، بلکہ اُسے ان نعمتوں سے بھی برتر سمجھتا ہے جو اللہ تعالی نے اُسے عطا کی ہیں۔

اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان اپنے افکار، کردار اور تہذیب و تمدن میں سب سے منفرد ہوں۔ اُن کی چال ڈھال، رسم ورواج، تہذیب وسیاست خالص اسلامی رنگ میں ہو، اُنہیں اپنے دین اور اُس کی تعلیمات پر فخر ہو اور وہ کسی بھی غیر مسلم قوم، اُن کی تہذیب، اُن کی دولت وعشرت حتی کہ اُن کی زبان اور بولی سے بھی متأثر اور مرعوب نہ ہوں۔ اقبال علیہ الرحمہ نے اس پہلو سے کیا خوب راہ نمائی کی:

---

[6] حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو رب نے تمام زبانیں سکھائی ہیں؛ کیونکہ ہر نبی اپنی قوم مبعوث الیہ کی زبان جانتے ہیں اور دنیا کی ساری قومیں حضور کی امت اور حضور کی مبعوث الیہ ہیں؛ لہذا حضور سب کی زبانیں جانتے ہیں۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

اگر ہم اپنی صورتِ حال پر غور کریں تو یہ کہنا بے جا نہیں کہ اس وقت اکثر مسلمان غیر مسلموں سے متأثر نظر آتے ہیں۔ زبان اور بولی کو ہی لیجیے! اکثر پاکستانی انگریزی سے ایسے مرعوب ہیں کہ اتنی محنت اپنی قومی اور مادری زبان کے لیے نہیں کرتے جتنی انگریزی کے لیے کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو قرآن مجید تو صحیح طور پر پڑھنا نہیں جانتے، مگر انگریزی بولنے کو اپنے لیے فخر سمجھتے ہیں، دین سیکھنے کے لیے اُن کے پاس وقت نہیں مگر انگریزی ایسے ہے جیسے یہی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہو۔ غیر مسلموں یا اُن کی تہذیب یا اُن کی بولی سے مرعوب ہونا بہت سی خرابیوں کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے لکھا: ''گمراہی کا پہلا پھاٹک یہی ہے کہ آدمی کے دل سے اتباعِ سبیلِ مومنین کی قدر نکل جائے (مسلمانوں کے راستے پر چلنا اہم نہ سمجھے)، وہ تمام امّت مرحومہ کو بے وقوف جانے اور اپنی رائے الگ جانے۔ (فتاوی رضویہ، ج:6، ص:323)

حضرت عطا بن دینار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: "لَا تَعَلَّمُوا رَطَانَةَ الْأَعَاجِمِ وَلَا تَدْخُلُوا عَلَى الْمُشْرِكِينَ فِي كَنَائِسِهِمْ يَوْمَ عِيدِهِمْ. فَإِنَّ السَّخْطَةَ تَنْزِلُ عَلَيْهِمْ"۔ (السنن الکبری للبیہقی، حدیث: 18861) یعنی عجمیوں کا کلام اور اُن کی زبان مت سیکھو اور غیر مسلموں کے تہواروں میں شرکت نہ کرو؛ کیونکہ اُن پر لعنت اُترتی ہے (اگر تم اُن کے ساتھ شریک ہوگے تو تم بھی نحوست میں مبتلا ہو جاؤ گے)۔

ایک موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے، آپ نے سنا کہ دو افراد عجمی زبان میں گفتگو کر رہے ہیں، آپ نے اُن کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: «اِبْتَغِيَا إِلَى الْعَرَبِيَّةِ سَبِيلًا» (مصنف عبد الرزاق، حدیث: 9793) یعنی عربی کا اہتمام کرو (دوسری زبانوں پر محنت کی ضرورت نہیں)۔

دین وملت کی خدمت کے لیے غیر عربی سیکھنا: سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے ارشاد مبارک کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ عربی کے علاوہ کوئی زبان بولنا یا سیکھنا جائز نہیں، آپ رضی اللہ تعالی عنہ یہ تعلیم فرمانا چاہتے تھے کہ مسلمان عربی کے علاوہ کسی زبان کا گرویدہ نہیں ہونا چاہیے۔ دین اور ملک و قوم کی خدمت کے لیے دوسری زبانیں سیکھنا بھی جائز بلکہ بعض اوقات ضروری ہوتا ہے۔ ''تورات'' سریانی زبان میں نازل ہوئی اور نبی کریم ﷺ کے دور میں یہودی عموماً یہی زبان بولتے اور لکھتے تھے۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا: (مفہوم) مجھے تبلیغِ دین کے سلسلے میں یہودیوں کے ساتھ خط وکتابت کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے اور یہودیوں پر اعتماد نہیں، اگر اُن سے سریانی زبان کے خطوط کا عربی میں ترجمہ کرایا جائے تو وہ اپنے مفادات

کے لیے غلط ترجمہ کر سکتے ہیں، لہٰذا تم سریانی زبان سیکھو۔ سیدنا زید فرماتے ہیں: فَمَا مَرَّ بِي نِصْفُ شَهْرٍ حَتّٰى تَعَلَّمْتُهُ لَهُ، قَالَ: فَلَمَّا تَعَلَّمْتُهُ كَانَ إِذَا كَتَبَ إِلَى يَهُودَ كَتَبْتُ إِلَيْهِمْ، وَإِذَا كَتَبُوا إِلَيْهِ قَرَأْتُ لَهُ كِتَابَهُمْ. (جامع ترمذی، حدیث: 2715) مَیں نے نصف مہینے سے بھی پہلے سریانی زبان سیکھ لی، پھر جب آپ ﷺ یہود کو خط لکھوانا چاہتے تو مَیں لکھنے کا شرف پاتا اور جب اُن کا خط آتا تو مَیں پڑھتا۔[7]

ترقی: حقیقت یہ ہے کہ انگریزی یا کسی بھی زبان کو ترقی کا ذریعہ سمجھنا حماقت سے کم نہیں۔ ہر زبان کو اپنی جگہ پر ہی رکھنا بہتر ہے۔ یورپ اور امریکہ سمیت کہیں بھی انگریزوں کے سوا کوئی قوم شوق سے انگریزی بولتی نہیں ملے گی۔ چینی انگریزی جانتے ہوں تو بھی گفتگو چائنیز میں ہی کریں گے، وہاں اگر سکول میں انگریزی کا استاذ ہی ہو تو بھی سکول سے باہر انگریزی نہیں بولے گا۔ وہ لوگ اپنی صلاحیتیں دوسری زبانیں سیکھنے میں صرف نہیں کرتے۔[8] یہ ہم ہی ہیں جنہیں اپنی مادری زبان سے زیادہ انگریزی کی فکر ہے، بلکہ سمجھتے ہیں کہ انگریزی ہی ترقی کا ذریعہ ہے۔ اگر انگریزی ترقی کا ذریعہ ہوتی تو چائنہ وغیرہ ممالک ترقی نہ کر پاتے۔

زبانوں کی تبدیلی کے اثرات

کہا جاتا ہے: کسی قوم کو مٹانا ہو تو اس کی زبان مٹا دو، قوم کی روایات، اس کی تہذیب، اس کی تاریخ اور اس کی شناخت سب کچھ خود بخود مٹ جائے گا۔ تاریخ میں کئی بار ایسا ہوا کہ قوموں کی شناخت ختم کرنے کے لیے زبان کی تبدیلی کا سہارا لیا گیا۔

ترکی میں زبان کی تبدیلی: ترکی زبان صدیوں سے عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ 1928ء میں مصطفی کمال اتاترک نے یہ حکم جاری کیا کہ ترکی زبان کو لاطینی یا رومن رسم الخط میں لکھا جائے۔

تصور کیجیے کہ اگر کسی روز یہ حکم پاکستان میں جاری ہو جائے کہ آج کے بعد کوئی شخص سوائے رومن حروف کے، کسی رسم الخط میں اردو نہیں لکھ سکتا تو وطن عزیز کی کتنی بڑی تعداد اَن پڑھ ہو جائے گی اور ایک نسل کے بعد کتنا بڑا ذخیرۂ کتب ناکارہ ہو جائے گا۔ یہی

---

[7] حضور ﷺ قدرتی طور پر تمام زبانیں جانتے ہیں، جب حضور جانوروں، پتھروں، کنکروں کی بولیاں سمجھتے ہیں تو انسانوں کی بولی کیوں نہ سمجھیں گے، یہ حکم عالی امت کی تعلیم کے لیے ہے کہ اُمراء و سلاطین اپنے ہاں دوسری قوموں کی زبان دانی رکھیں (اور اہم ریاستی معاملات میں غیر مسلموں پر بھروسہ نہ کریں)۔ (مرآۃ المناجیح)

[8] یورپ کے چھوٹے سے چھوٹے ممالک بلکہ صوبوں میں بھی مقامی زبانیں ہی سرکاری زبانیں ہیں۔ مثلاً پانچ لاکھ آدمیوں کی ایک چھوٹی سی زبان Basque زبان ہسپانیہ کے ایک صوبے میں سرکاری زبان ہے، اسی طرح ڈیڑھ لاکھ لوگوں کی زبان Corsian بھی فرانس کے ایک جزیرہ پر سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی ہے، انگلستان کے ایک بڑے علاقے میں چھوٹی سی زبان Wales کو بھی سرکاری حیثیت حاصل ہے کیونکہ وہاں کے لوگوں کی اصلی زبان یہی ہے۔ ان لوگوں نے ہرگز انہیں فرانسیسی، ہسپانوی یا انگریزی سیکھنے پر مجبور نہیں کیا۔ ترقی یوں ہی ہوا کرتی ہے۔

ترُکوں کے ساتھ ہوا۔ جب رسم الخط اور تلفظ تبدیل ہوا تو تمام ذخیرۂ علوم ردّی کا ڈھیر بن گیا اور ان کتابوں کو پڑھنے کے قابل نہ رہنے کی وجہ سے ترُکوں کی نئی نسل کا اپنے ماضی سے تعلق منقطع ہو گیا۔ نئی نسل عربی میں قرآنِ مجید کی تلاوت کرنے کی سعادت سے بھی محروم ہو گئی۔ یہ تو وہاں کے کچھ بزرگوں کی ذاتی کاوشیں تھیں کہ قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، ورنہ سازش نے تو اِس سے بھی محروم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

ماضی قریب میں صدر رجب طیب اردوان نے ترکی کے تعلیمی اداروں میں ترکانِ عثمانی کا رسم الخط پڑھانے کا حکم جاری کر دیا ہے۔ یہ حکم جاری کرتے ہوئے انھوں نے کہا: "دنیا میں ایسی کوئی قوم مجھے بتا دیں جو اپنی تاریخ اور تہذیب کے اصلی نسخوں ہی کو پڑھنے سے محروم ہو؟ کیا دنیا میں ایسی کوئی قوم ہے جو اپنے باپ دادا کی قبروں کے کتبوں کو پڑھنے کی صلاحیت ہی سے عاری ہو؟ کیا دنیا میں ایسی کوئی قوم ہے جو اپنے قابلِ فخر شعرا، ادیبوں، مصنفین، مفکرین اور عالموں کے تحریر کردہ شاہکاروں کو پڑھنے سے قاصر ہو؟ زبان انسانوں کے درمیان رابطے کا کام سرانجام دیتی ہے۔ اگر آپ کسی معاشرے سے اپنی زبان تحریر کرنے کا حق چھین لیں تو وہ معاشرہ صرف اپنی زبان ہی سے نہیں... مذہب، فن اور ادب سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ ہماری تہذیب الفاظ، تحریر، کاغذوں اور کتابوں سے پھلی پھولی ہے۔ استنبول ہمیشہ ہی مختلف تہذیبوں کا گہوارہ رہا ہے۔ اس کے تمام گوشے تحریر اور خطاطی سے اَٹے پڑے ہیں، لیکن بد قسمتی سے خطاطی کے ان نمونوں کو قوم سمجھنے ہی سے قاصر ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی نئی نسل کو عثمانی ترکی زبان سیکھنے کا موقع فراہم کریں۔ ہمیں تو عثمانی ترکی زبان سیکھنے کا کوئی موقع ہی فراہم نہیں کیا گیا، لیکن اب ہماری نئی نسل کو اس حق سے محروم نہیں رکھا جانا چاہیے"۔

برصغیر کی صورتِ حال: انگریز نے برصغیر میں حکومت سنبھالنے کے بعد یہاں کے لوگوں کو اپنے روشن اور تابندہ ماضی سے جدا کرنے کے لیے بھی یہی کھیل کھیلا، عربی اور فارسی کو بے توقیر کر کے انگریزی کو رواج دیا اور ذریعۂ تعلیم قرار دیا۔ اُس وقت بھی اکبرؔ نے پیش گوئی کی تھی:

یہ موجودہ طریقے راہیِ ملکِ عدم ہوں گے
نئی تہذیب ہو گی اور نئے ساماں بہم ہوں گے

نہ پیدا ہو گی خطِّ نسخ سے شانِ ادب آگیں
نہ نستعلیق حرف اِس طور سے زیبِ رقم ہوں گے

ہماری اصطلاحوں سے زباں ناآشنا ہو گی
لُغاتِ مغربی بازار کی بھاشا سے ضم ہوں گے

اگرچہ دینی مدارس نے اس سازش کو مکمل طور پر کامیاب نہ ہونے دیا اور کسی حد تک مسلمانوں کا اپنے اکابر کے سرمایہ کتب سے تعلق جوڑے رکھا، مگر یہ سازش اتنی گہری تھی کہ آج یہ ملک آزاد ہوئے ستر سال بیت چکے، ماضی سپریم کورٹ آف پاکستان اُردو کو نافذ کرنے کے لیے واضح آرڈر بھی جاری کر چکی، اس کے باوجود ہماری دفتری زبان آج بھی انگریزی ہے اور ہم نئی نسل کی آدھی صلاحیتیں یہ زبان سیکھنے پر ہی صرف ہو جاتی ہیں۔

کشمیر میں زبان کی تبدیلی: کشمیریوں کا پاکستانی قوم سے رشتہ کلمۂ طیبہ کی بنیاد پر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مزید بھی کچھ عوامل ہمارے دلوں کو آپس میں جوڑے ہوئے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ اہلِ کشمیر اور اہلِ پاکستان دونوں کی سرکاری زبان اردو ہے۔ ہم دِلی میں ہم زبانی کا بھی اہم کردار ہوتا ہے۔ مقبوضہ کشمیر کی سرکاری زبان بھی 1889ء سے اب تک اردو ہی تھی، مگر 131 سال بعد 13 ستمبر 2020ء کو مودی سرکار نے مقبوضہ کشمیر میں اردو کی سرکاری حیثیت ختم کر دی۔ سرکاری زبان ہندی کے ساتھ کچھ مقامی کشمیری زبانوں کی سرکاری حیثیت برقرار ہے، لیکن کشمیری زبانوں کو اپنا رسم الخط نستعلیق سے تبدیل کر کے دیوناگری اختیار کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اگر بھارت سمجھتا ہے کہ زبان بدلنے سے بہت کچھ بدل سکتا ہے تو ہمیں بھی اپنے رویے پر غور کرنا چاہیے۔

حرفِ آخر

اللہ تعالی نے ہمیں قوتِ گویائی سے نوازا، اس پر ہم جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ پھر یہ بھی اُس کا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں قرآن مجید کی صورت میں اپنا کلام عطا کیا، اس پر بھی جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔ مزید یہ کہ ہم میں سے تقریباً ہر ایک کو عربی کی کچھ نہ کچھ سوجھ بوجھ دی جس کے ذریعے ہم نماز وغیرہ عبادات بجالاتے ہیں، اس پر بھی ہمیں اُس کا شکر ادا کرنا لازم ہے۔ اگرچہ ہماری مادری زبان عربی تو نہیں، مگر پھر بھی ہمیں اپنے وطن کے ساتھ ساتھ اپنے وطن کی بولی سے محبت ہے اور ہم اِس پر بھی اللہ تعالی کے شکر گزار ہیں۔

ایک افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس وقت ایک سازش کے تحت ہمیں اپنی تہذیب، اپنی بولی اور اپنے ماضی سے مایوسی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لبرلز چاہتے ہیں کہ ہم دوسروں کی تہذیب کو ترجیح دیں، اُن کی بولی بولنے میں فخر محسوس کریں، اس کی ایک تازہ مثال یہ ہے کہ 14 فروری کو وفاقی وزیر فواد چوہدری نے لاہور کی تاریخی جامع مسجد وزیر خان کے سامنے ڈانس کرایا اور نئی نسل کو یہ بے ہودہ تہذیب اپنانے کی ترغیب دلائی، پھر اسی ہفتے میں عورتوں کے حجاب سے متعلق اپنے اندر بھری نجاست سے آلودہ بیان دیا، ہم وزیر موصوف کی ان حماقتوں کی مذمت کرتے ہیں۔ 21 فروری عالمی یوم مادری زبان کے تناظر میں یہ پیغام ہے کہ ہمارا فخر عربی اور مادری زبان ہے، انگریزی ہمارا فخر نہیں۔ اگر دین و ملت کی خدمت کے لیے یہ زبان سیکھی جائے تو حرج نہیں، لیکن ضرورت کو ضرورت ہی سمجھا جاتا ہے، فخر نہیں بنایا جاتا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ .[البقرة208:2]

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ.[النور2:24]

اسلامی سزاؤں کا نفاذ وقت کی اہم ضرورت

(اینٹی ریپ آرڈیننس کے تناظر میں)

آغازِ سخن: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو جو دین عطا کیا اُس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اسلام ہمیں صرف عقائد و عبادات ہی نہیں سکھاتا بلکہ معاملات اور عقوبات کے بارے میں بھی پوری وضاحت عطا کرتا ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کا دین جہاں انسان کو اپنی ذات سنوارنے کے اُصول بتاتا ہے وہیں معاشرت، ریاست اور عدلیہ کا بھی مکمل نظام فراہم کرتا ہے۔ یہ دین رب کے سامنے جھکنے کا بھی سلیقہ سکھاتا ہے اور جہاں گیری و جہاں بانی کے راز بھی آشکار کرتا ہے۔ باری تعالیٰ نے اسلام کے کامل و اکمل ہونے کا ذکر اِن الفاظ میں فرمایا: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. [المائدۃ5:3] آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔

اللہ تعالیٰ یہ حکم فرماتا ہے کہ اُس کے بندے اُس کے حبیب ﷺ کے غلام بننے کے بعد دل و جان سے صرف اُنہی کے دین پر عمل کریں اور کسی دوسری طرف توجہ بھی نہ کریں۔ وہ ارشاد فرماتا ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ .[البقرۃ2:208]"اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔ تفسیر ضیاء القرآن میں اس آیت مبارکہ کے تحت ہے: یہ آیت ہمیں اسلام کے مزاج سے آگاہ کر رہی ہے کہ یہ دین مستقل ضابطۂ حیات اور مکمل دستورِ زندگی ہے۔ اس کے اپنے عقائد ہیں، اس کا اپنا دیوانی اور فوجداری قانون ہے۔ سیاسیات اور معاشیات کے متعلق اس کے اپنے اُصول ہیں اور یہ انسان کی ذہنی، روحانی اور مادی ترقی کا ضامن ہے۔ لیکن اس کی برکتیں تبھی رونما ہو سکتی ہیں جب اسے ماننے والے اِسے پورے کا پورا اپنالیں اور اس کے تمام ضابطوں اور قوانین پر عمل پیرا ہو جائیں۔

اس وقت اہلِ مغرب پوری توانائیاں صرف کر کے مسلمانوں میں یہ سوچ پروان چڑھا رہے ہیں کہ "حکومتی اُمور، عدالتی نظام اور معاشی و معاشرتی معاملات میں مذہب کا عمل دخل نہیں ہونا چاہیے۔ مذہب کا اثر و رسوخ محض عبادت گاہ کی حد تک ہو"۔ شاید اِسی سوچ کا نتیجہ ہے کہ مسلم حکمران ریاستی اور عدالتی اُمور وغیرہ میں اسلام کو نافذ کرنا تو کجا اسلامی نظام کا حوالہ دینا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اسلام کے نام پر بننے والی اِس ریاست "پاکستان" میں وہی انگریز کا دیا ہوا فرسودہ عدالتی نظام ہے، اگر بہتری کے لیے قانون میں ترمیم کی جاتی ہے تو اُس میں بھی اسلامی اُصولوں کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔

حالیہ ہفتے میں وفاقی کابینہ نے بڑھتے ہوئے جنسی جرائم کے سدباب کے لیے Anti-rape Ordinance (اینٹی ریپ آرڈیننس) کے نام سے ایک ترمیم کی منظوری دی ہے، جس کی ایک شق یہ بھی ہے کہ زیادتی کیس کے مجرم کو جدید سائنسی

طریقے سے نامَرد بنادیا جائے گا۔ غور طلب امر یہ ہے کہ جب اِن جرائم کے خاتمہ کے لیے اللہ تعالی کا عطا کردہ ایک مؤثر اور صدیوں کا تجربہ شدہ اسلامی نظام موجود ہے تو آئے روز نئے قوانین بنانے کی ضرورت کیا ہے؟ جب برصغیر میں کئی سو سال تک یہ نظام نافذ رہا، اِس وقت بھی کئی اسلامی ممالک میں نافذ ہے اور اِس کے بہترین نتائج دیکھے گئے اور دیکھے جارہے ہیں تو پاکستان میں اس مبارک نظام کو کیوں نافذ نہیں کیا جاتا؟

چنانچہ آج کے خطبہ میں جرائم کے خاتمہ کے لیے اسلامی سزاؤں کی افادیت اور ضرورت پر گفتگو ہوگی۔

اسلامی سزاؤں کا تعارف

اسلام نے جرائم کے سدباب کے لیے تین طرح کی سزائیں جاری کی ہیں: 1) قصاص۔ 2) حدود۔ 3) تعزیرات۔

قصاص: ”قصاص“ سے مراد ہے: کوئی شخص دوسرے کو جان بوجھ کر ناحق طور پر قتل کر دے تو مقتول کے ورثا کو یہ حق ہے کہ وہ عدالت سے رجوع کریں اور عدالت شرائط پائے جانے کی صورت میں قاتل کو مار ڈالنے کا حکم جاری کرے۔ اِسے قصاص کہا جاتا ہے۔ یوں ہی کوئی شخص جان بوجھ کر ناحق طور پر دوسرے کا کوئی عضو ضائع کر دے تو شرائط موجود ہونے کی صورت میں عدالت اِس ظالم کے ساتھ بھی ویسے ہی سلوک کا حکم جاری کرے گی۔ اُمت مسلمہ کو قرآن کریم میں قصاص جاری کرنے کا حکم دیا گیا[1] اور ہم سے پہلے یہودیوں کو بھی تورات میں یہ حکم فرمایا گیا تھا[2]۔

حدود: ”حدود“ سے مراد وہ سزائیں ہیں جو شریعت نے مقرر فرمادی ہیں، ریاست اور عدلیہ کو اُن میں کمی بیشی کا کوئی اختیار نہیں۔ یہ چار سزائیں ہیں: بدکاری کی سزا، شراب نوشی کی سزا، چوری کی سزا اور تہمت لگانے کی سزا۔ کچھ کتابوں میں مرتد کی سزا کو بھی حدود میں ذکر کیا گیا ہے۔

تعزیرات: جو سزائیں شریعت کی طرف سے مقرر نہیں، ریاست اور عدلیہ کو اختیار دیا گیا ہے کہ جرم کی نوعیت اور مجرم کی کیفیت کے مطابق سزا تجویز کریں اُنھیں ”تعزیرات“ کہا جاتا ہے۔[3]

---

[1] البقرۃ، آیت: 178

[2] المائدۃ، آیت: 45

[3] مروجہ قانونی اصطلاح میں جرائم کی تمام سزاؤں کو تعزیرات کہا جاتا ہے، اسی لیے تعزیرات ہند، تعزیرات پاکستان کے نام سے جو کتابیں پائی جاتی ہیں، ان میں ہر قسم کے جرائم اور ہر طرح کی سزاؤں کا ذکر ہے۔

حُدود

وہ سزائیں جو شریعت مطہرہ نے مقرر فرمادی ہیں، ریاست اور عدلیہ کو اُن میں کمی بیشی کا کوئی اختیار نہیں، چار ہیں:

1) حدّزِنا۔
2) حدّسَرِقَه۔
3) حدّشُربِ خَمر۔
4) حدّقَذْف۔

بدکاری کی حد: جس شخص کے بارے میں چار شرعی گواہوں یا خود مجرم کے چار بار اقرار کرنے سے یہ ثابت ہو جائے کہ اُس نے واضح بدکاری کی، اُس کی دو صورتیں ہیں:

1) وہ شخص مُحصَن ہو۔ یعنی عاقل بالغ شادی شدہ مسلمان ہو۔ ایسے شخص کے بارے میں عدالت حکم جاری کرے گی کہ اُسے رجم کیا جائے، یعنی پتھر مار کر قتل کر دیا جائے۔ ہماری شریعت میں بھی یہی حکم ہے اور تورات میں بھی بدکاری کرنے والے کے بارے میں یہی حکم دیا تھا۔[1]

2) وہ شخص مُحصَن نہ ہو۔ یعنی مسلمان نہ ہو یا عاقل بالغ نہ ہو یا شادی شدہ نہ ہو[2]۔ ایسے شخص کے بارے میں قرآنی حکم کے مطابق[3] عدالت فیصلہ کرے گی کہ اِسے ایک سو کوڑے مارے جائیں۔

نبی کریم ﷺ کے دورِ اقدس میں ایک شخص سے یہ جرم ہو گیا، اُنھوں نے ایسی سچی توبہ کی کہ خود سرکارِ دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر چار بار اِس جرم کا اقرار کیا۔ آپ ﷺ نے اُن کے بارے رجم کا حکم دیا۔ پھر آپ ﷺ نے اُن کے بارے میں فرمایا: «لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ.» (صحیح مسلم، حدیث: 6820) یعنی اِس خوش نصیب نے ایسی پختہ توبہ کی ہے کہ اگر اِس کی توبہ (کا ثواب) ایک بڑی جماعت میں تقسیم کیا جائے تو (بخشش و رحمت کے لیے) اُنھیں کافی ہو۔ دوسری حدیث پاک میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهُ الآنَ لَفِي أَنْهَارِ الْجَنَّةِ يَنْغَمِسُ فِيهَا» (سنن ابی داود، حدیث: 4430) قسم بخدا! وہ اِس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔

---

[1] متفق علیہ، رقم البخاری: 6819

[2] اس نے کبھی اپنی بیوی کے ساتھ صحبت نہ کی ہو یا جس کے ساتھ صحبت کی ہو اس کے ساتھ نکاح فاسد ہوا ہو۔

[3] النور 2:24

شراب نوشی کی حد: شراب گناہوں کی جڑ ہے اور اللہ تعالیٰ کو ایسی ناپسند ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں دس افراد پر لعنت فرمائی: (۱) بنانے والا۔ (۲) بنوانے والا۔ (۳) پینے والا۔ (۴) اُٹھانے والا۔ (۵) جس کے پاس اُٹھا کر لائی گئی۔ (۶) پلانے والا۔ (۷) بیچنے والا۔ (۸) بیچ کر اس کی قیمت کھانے والا۔ (۹) خریدنے والا اور (۱۰) جس کے لیے خریدی گئی۔[1]

جو مسلمان عاقل بالغ ایک قطرہ بھی انگور سے بنی شراب پیے اور اقرار یا دو شرعی گواہوں سے جرم ثابت ہو جائے تو شرائط پائے جانے کی صورت میں عدالت اسے 80 کوڑے مارنے کا حکم دے گی۔[2]

تہمت لگانے کی حد: جو شخص کسی مسلمان عاقل بالغ نیک کردار پر بدکاری کی تہمت لگائے تو شرائط موجود ہونے کی صورت میں قرآن کریم کے فیصلے کے مطابق عدالت اُسے 80 کوڑے لگانے کا حکم دے گی۔

چوری کی حد: کوئی عاقل بالغ شخص کسی دوسرے کا مال اس کی اجازت کے بغیر چھپ کر لے لے تو جرم ثابت ہونے کے بعد حسبِ شرائط عدالت حکم دے گی کہ اِس چور کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اس حد کو بھی قرآن پاک نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔[3] یہ حد جاری ہونے کے لیے مزید بھی کچھ شرائط ہیں:

⟸ کم از کم دس درہم (تقریباً 30 گرام چاندی) کی مقدار کوئی چیز چرائے۔

⟸ وہ مال کسی فرد یا جماعت کی ملکیت ہو، چرانے والا نہ تو اُس کا مالک ہو نہ اُس کی ملکیت کا شبہ ہو اور نہ ایسی چیز ہو جس میں عوام کے حقوق مساوی ہیں۔[4]

⟸ وہ مال محفوظ ہو یعنی محفوظ جگہ ہو یا کسی نگران چوکیدار کے ذریعہ محفوظ ہو۔[5]

نوٹ: شرعی حدود سے متعلق تفصیلی شرائط و احکام جاننے کے لیے بہارِ شریعت، جلد دوم، حصہ نہم کا مطالعہ مفید ہے۔

---

[1] عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي الْخَمْرِ عَشَرَةً: عَاصِرَهَا، وَمُعْتَصِرَهَا، وَشَارِبَهَا، وَحَامِلَهَا، وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ، وَسَاقِيَهَا، وَبَائِعَهَا، وَآكِلَ ثَمَنِهَا، وَالْمُشْتَرِي لَهَا، وَالْمُشْتَرَاةَ لَهُ۔ (جامع ترمذی، حدیث: 1295)

[2] صحیح مسلم، حدیث: 4549

[3] المائدة 5:38

[4] اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز لے لی جس میں اس کی اپنی ملکیت یا ملکیت کا شبہ تھا یا ایسی چیز ہے جس میں عوام کے حقوق مساوی ہیں تو حد سرقہ جاری نہیں ہو گی، البتہ حاکم اپنی صوابدید کے مطابق تعزیر کے طور پر مناسب سزا جاری کر سکتا ہے۔

[5] معلوم ہوا کہ پبلک مقامات: مثلاً مسجد، پارک، اسٹیشن، ویٹنگ روم، ریل، جہاز وغیرہ میں عام جگہوں پر رکھے ہوئے مال کی کوئی چوری کر لے تو اس پر حد سرقہ جاری نہیں ہو گی، بلکہ تعزیری سزا دی جائے گی۔ اسی طرح وہ آدمی جس کو آپ نے اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے رکھی ہے خواہ وہ آپ کا نوکر ہو یا مزدور و معمار ہو یا کوئی دوست، عزیز ہو وہ اگر آپ کے مکان سے کوئی چیز لے جائے تو وہ اگرچہ عرفی چوری ہے، مگر ہاتھ کاٹنے کی شرعی سزا اِس پر جاری نہ ہو گی۔

حد کی معافی اور سفارش کی ممانعت: جب کسی شخص کے خلاف ایسا جرم ثابت ہو جائے جس پر حد جاری ہوتی ہے تو مدعی بھی اُسے معاف کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ جو مجرم عادی نہ ہو اُس کی پردہ پوشی مستحب ہے، مگر یہ گنجائش عدالت میں جرم ثابت ہونے سے پہلے تک ہے، حد ثابت ہونے کے بعد کسی طرح کی معافی یا سفارش کی کوئی گنجائش نہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُونَ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ فَقَدْ ضَادَّ اللَّهَ ...» (سنن ابی داود، حدیث:3599) جس کی سفارش اللہ تعالی کی کسی حد کو جاری کرنے میں رکاوٹ بن جائے اُس (بدبخت) نے اللہ تعالی کی مخالفت کی۔

حدود میں کوئی رعایت نہیں: اللہ تعالی نے فرمایا: وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ... [النور2:24] "اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو تمہیں اللہ کے دین (حدود جاری کرنے) کے معاملے میں اُن (مجرموں) پر کوئی رحم نہ آئے"۔ یعنی ایمان والوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں سخت مزاج ہوں اور نافذ کردہ حدود کو قائم کرنے میں کسی طرح کی نرمی سے کام نہ لیں، ایسا نہ ہو کہ حدود نافذ کرنا ہی چھوڑ دیں یا ان میں تخفیف کرنا شروع کر دیں۔

سیدنا عُبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: "أَقِيمُوا حُدُودَ اللَّهِ فِي الْقَرِيبِ وَالْبَعِيدِ، وَلَا تَأْخُذْكُمْ فِي اللَّهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ۔" (سنن ابن ماجہ، حدیث:2540) یعنی مجرم قریبی رشتہ دار ہو یا دور کا، طاقتور ہو یا کمزور، ہر ایک پر اللہ تعالی کی حدود جاری کرو، اور کسی (اپنے یا مخالف) کی ملامت اور زبان درازی کی وجہ سے حدود نافذ کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کرنا۔

تعزیرات

جن جرائم کی سزا شریعت نے معین نہیں کی اُنھیں تعزیرات کہا جاتا ہے۔ ان کی سزا جاری کرنے کی دو صورتیں ہیں:
ایک یہ کہ حاکمِ وقت عدالت کو اختیار دے دے کہ وہ جرم کی نوعیت، مجرم اور ماحول کے لحاظ سے جیسی اور جتنی سزا ضروری سمجھے وہ جاری کرے۔ دوسری یہ کہ حاکم شرعی اُصولوں کا لحاظ کرتے ہوئے عدالت کے اختیارات اور جرائم کی سزاؤں کا تعین کر دے۔ دوسری صورت آج کل کے حالات کے پیش نظر زیادہ بہتر ہے۔

شریعت نے ان جرائم سزا اِس لیے معین نہیں کی کہ جرم کی نوعیت مختلف ہوتی ہیں: کوئی معمولی جرم ہے تو کوئی سنگین، ایسے ہی مجرم بھی مختلف طرح کے ہوتے ہیں: کوئی حیادار باعزت اور غیرت والا ہوتا ہے، بعض بے باک دلیر ہوتے ہیں، لہٰذا جس موقع پر جو تعزیر مناسب ہو وہ جاری کی جائے۔ قید کرنا، کوڑے مارنا، کان کھینچنا، ڈانٹنا، ترش روئی وغیرہ سب تعزیر کی مختلف صورتیں ہیں۔ بعض صورتوں میں جرم کی سنگینی کے باعث قتل کا حکم بھی دیا جاسکتا ہے۔

اسلامی سزائیں نافذ کرنے کے فوائد اور نافذ نہ کرنے کے نقصانات

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی کہ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: إِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ خَيْرٌ مِنْ مَطَرِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً فِي بِلَادِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ. (سنن ابن ماجہ، حدیث: 2537) "اللہ تعالی کی حدود میں سے کسی حد کو قائم کرنا اللہ کے شہروں میں چالیس راتوں کی بارش سے بہتر ہے"۔ یعنی خوب بارش برسے تو بھی ایسی ہریالی اور برکت نہیں ہوتی جو کسی حد کو قائم کرنے سے ہوتی ہے۔

اللہ تعالی نے وراثت سے متعلق کچھ احکام ذکر کرنے کے بعد فرمایا: {إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ} [الأنفال: 73] "اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا"۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے جانِ رحمت ﷺ کا ارشاد نقل کیا، جس کے آخر میں یہ جملہ بھی ہے: "وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللهِ وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللهُ إِلَّا جَعَلَ اللهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ۔" (سنن ابن ماجہ، حدیث: 4019) یعنی جب مسلم حکمران اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہ کریں اور اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کو اختیار نہ کریں تو اللہ ان کو آپس کی جنگوں میں مبتلا کر دے گا۔

اسلامی حدود پر اعتراض کا جواب: اہل مغرب اور اُن سے متأثر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلامی سزائیں بہت سخت ہیں اور شرافتِ انسانی کے خلاف ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مجرم پر ترس کھانا اور اُسے رعایت دینے کے بہانے تلاش کرنا انسانیت پر ظلم کے مترادف ہے اور مجرم کو سزا دینا ہی سب کے مفاد میں ہے۔ باری تعالی نے فرمایا: {وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰـاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ} [البقرة2: 179] "اے عقل والو! قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے تاکہ تم (ناحق قتل سے) بچو"۔ رب العالمین جو نیک و بد، فاسق وفاجر، ابرار واشرار ہر ایک کو رزق عطا کرتا ہے، سانپوں، بچھوؤں کو بھی رزق دیتا ہے اور جس کی رحمت سب پر حاوی ہے، اس نے جب اپنی حکمت بالغہ کے مطابق سزائیں

مقرر فرمائی ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ مجرم کو سزا دینا رحمت کے عین مطابق ہے۔ جو لوگ شرعی حدود پر اعتراض کرتے ہیں در حقیقت وہ جرائم کا سدباب نہیں چاہتے، ورنہ جہاں تک رحمت وشفقت کا معاملہ ہے وہ اسلام سے زیادہ کوئی نہیں سکھا سکتا۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اسلامی سزاؤں پر اعتراض کرنے والے آئے روز نئے سے نئے بم بنانے اور ان کے تجربات کرنے میں مشغول ہیں، کیا وہ یہ بم برساتے ہوئے خیال کریں گے کہ اس کی زد میں بچہ آئے گا یا بوڑھا؟ مرد ہو گا یا خاتون؟

شریعت نے مختلف سنگین قسم کے جرائم پر جو سزائیں مقرر فرمائی ہیں ان کے انسداد کا اس کے سوا کوئی حل ہی نہیں۔ یہ ایسے گھناؤنے جرائم ہیں جو معاشرے کے لیے باعث ہلاکت ہیں۔ ان جرائم کی سنگین نوعیت کے پیش نظر یہ سزائیں ہرگز ہرگز سخت نہیں، بلکہ حکمت و عقل کے تقاضے کے عین مطابق ہیں۔

کیا اسلامی سزاؤں کے نفاذ سے لوگ مفلوج ہو جائیں گے؟ عمومی طور پر ذہنوں میں یہ بات بٹھائی جاتی ہے کہ اگر اسلامی سزائیں نافذ کر دی گئیں تو اکثر لوگ مفلوج ہو جائیں گے، کسی کا ہاتھ کٹا ہو گا، کسی کا پاؤں۔ اس حوالے سے سب سے پہلی غور طلب بات یہ ہے کہ جن ممالک میں اسلامی سزائیں نافذ ہیں کیا وہاں کے اکثر لوگ مفلوج ہو گئے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ وہاں نہ تو بہت سے افراد ہاتھ کٹے نظر آتے ہیں نہ برسہا برس تک سنگساری کا کوئی واقعہ پیش آتا ہے۔ اسلامی سزاؤں کا رعب اور دبدبہ ہی ایسا ہے کہ چوری، ڈاکہ اور بے حیائی کا نام نظر نہیں آتا۔

پھر شریعت مطہرہ نے جن جرائم کی سزائیں مقرر کی ہیں، ان کے بارے میں اصول ہے کہ اگر کوئی شبہ پایا جائے تو حد ساقط ہو جائے گی۔ مثلاً: زنا کے ثبوت پر صرف تین گواہ ہوں، اب چوتھا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے شرعی حد جاری نہیں ہو گی، لیکن عدالت اُسے مناسب سزا دے گی تاکہ آئندہ یہ شخص جرم پر بے باک نہ ہو۔ اسی طرح چوری کی حد کے لیے جو شرائط مقرر ہیں وہ نہ پائی جائیں تو مجرم پر حدِ شرعی نافذ نہیں ہو گی البتہ حسب حال دوسری مناسب سزا دی جاسکتی ہے۔ البتہ جب حد ثابت ہو جائے تو مجرم کو ایسی عبرتناک سزا دی جاتی ہے جس کی ہیبت لوگوں کے دل ودماغ پر مسلط ہو جائے اور اس جرم کے پاس جاتے ہوئے بھی بدن کانپنے لگے۔

حرفِ آخر... جرائم کے خاتمہ کے لیے ضروری اُمور

پاکستان میں بڑھتے ہوئے جنسی جرائم کے خاتمہ کے لیے درجِ ذیل اُمور از حد ضروری ہیں:

اسباب کا خاتمہ: زیادتی کے واقعات پر قابو پانے کے لیے سب سے پہلا کام یہ کرنا ہوگا کہ جن وجوہات سے واقعات بڑھ رہے ہیں اُن وجوہات واسباب کو ختم کیا جائے۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہم دانستہ یا نادانستہ طور پر برائی کے اسباب کو خود پروان چڑھا رہے ہیں، جب پانی سر سے گزر تا ہے تو رسمی طور پر کچھ وقت کے لیے شور ڈال کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ اسلام کی حسین تعلیمات یہ ہیں کہ لوگوں کی ایسی تربیت کی جائے اور اُنھیں ایسا ماحول فراہم کیا جائے کہ جبری بُرائی تو دور کی بات ہے، کوئی اپنی خوشی سے بھی بدکرداری کا تصور نہ کرے۔ چنانچہ سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ حیا کو فروغ دیا جائے، نگاہوں کی حفاظت کے لیے ذہن سازی کی جائے، اس سوچ کی حوصلہ شکنی کی جائے کہ "دوسرے مجھے دیکھیں"، نیز خواتین شرعی اُصولوں کے مطابق غیر محرم مَردوں کے ساتھ تنہائی اور اکیلے سفر سے اجتناب کریں۔

قوانین کو مؤثر بنانا: ہمارے ہاں قوانین بنانے پر تو زور دیا جاتا ہے، مگر قوانین کے نفاذ اور اطلاق کی صورت حال جوں کی توں ہے۔ جب بھی میڈیا کسی واقعہ کو اُٹھاتا ہے تو قانون میں نئی شقوں کے اِضافہ کی باتیں ہونے لگتی ہیں۔ صرف قوانین بنانے سے جرائم ختم نہیں ہوتے، جرائم کے خاتمہ کے لیے ضروری ہے کہ قانون کا مؤثر طریقے سے نفاذ ہو اور قانون کی گرفت اس قدر مضبوط ہو کہ جرائم پیشہ افراد قانون شکنی سے ڈریں اور مظلوم کو یہ یقین ہو کہ مَیں بآسانی انصاف حاصل کر سکتا ہوں۔ ہمارے نظام میں مظلوم کو ظالم کے خلاف رپورٹ درج کرانے سے لے کر اُسے سزا دلانے تک کیا کچھ کرنا پڑتا ہے؟ تفتیش کتنی شفاف ہوتی ہے؟ پھر کورٹس کی گرفت کتنی مضبوط ہے؟ اور کورٹس کے فیصلوں پر کتنا عمل درآمد ہوتا ہے؟ یہ سب بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس صورت حال میں ضروری ہے کہ تھانہ کلچر اور کورٹ پروسیجر کو بھی بہتر کیا جائے، حتی کہ غریب ترین شخص کو بھی یقین ہو کہ اگر میرے ساتھ ظلم ہوا تو مَیں عدالت کے ذریعے انصاف حاصل کرلوں گا۔ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے پہلے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا: وَالضَّعِيفُ فِيْكُمْ قَوِيٌّ عِنْدِيْ حَتّٰى أُرِيحَ عَلَيْهِ حَقَّهٗ إِنْ شَاءَ اللهُ، وَالْقَوِيُّ فِيْكُمْ ضَعِيفٌ عِنْدِيْ حَتّٰى آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ إِنْ شَاءَ اللهُ. (جامع الاحادیث، سیرتِ ابن ہشام، تاریخ ابن جریر) تم میں سے جو (بظاہر) کمزور ہے، وہ در حقیقت میرے نزدیک طاقتور ہے تاوقتیکہ میں (ظالم سے) اُس کا حق لے کر اُس کو واپس دلا دوں ان شاء اللہ تعالیٰ، اور تم میں جو بظاہر بڑا طاقتور ہے، وہ میرے نزدیک (سب سے) کمزور ہے تاوقتیکہ میں اُس سے (مظلوم کا) حق واپس لے لوں ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اسلامی سزاؤں کا نفاذ: سزا کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ جرائم کا خاتمہ ہو اور یہ تبھی ممکن ہے جب سزا معاشرے کی ضرورت کے مطابق ہو، نہ تو اتنی کم ہو کہ مجرم پر کوئی اثر ہی نہ کرے اور نہ ہی اتنی سخت ہو کہ معاشرے کو باغی کر دے۔ اس پہلو کو پیشِ نظر رکھا جائے تو بلاشبہ سزاؤں کے حوالے سے اسلام کا عطا کردہ نظام دنیا کا بہترین نظام تھا، ہے اور قیامت تک بہترین ہو گا۔ سب سے پہلے تو اِس لیے کہ یہ نظام اُس نے عطا کیا ہے تو تمام جہانوں کا خالق ہے، اور اُس نے پہنچایا ہے جو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ نیز اس لیے کہ یہ نظام سب سے زیادہ مؤثر ہے، اسلامی سزائیں ایسی ہیں جن سے نہ صرف مجرم آئندہ کے لیے جرم سے باز آجاتا ہے، بلکہ دوسروں کو بھی عبرت ہوتی ہے اور جرم کے ارتکاب سے خوف آتا ہے۔ مروجہ نظام کے سُقم کی وجہ سے جرائم پیشہ لوگوں کی نظر میں قانون ایک کھیل ہے، اس لیے مجرم جیل میں بیٹھے آئندہ اس جرم کو خوبصورتی سے کرنے کے پروگرام بناتے رہتے ہیں۔

حالیہ ہفتے میں وفاقی کابینہ نے ایک نیا آرڈیننس منظور کیا ہے، جسے Anti-rape Ordinance (اینٹی ریپ آرڈیننس) کا نام دیا گیا ہے۔ اس آرڈیننس میں یہ شق بھی شامل ہے کہ زیادتی کے مجرم کو جدید سائنسی طریقے سے نامرد بنادیا جائے گا۔ یہ سزا شرعی اُصولوں کے خلاف ہے، کیونکہ اسلام نے ان جرموں کی سزائیں مقرر کر رکھیں ہیں، اُن کے ہوتے ہوئے اولاً تو مزید کسی قانون کی ضرورت نہیں، ثانیاً یہ سزا مخفی ہے اور اِس سے دوسروں کو عبرت نہیں ہوگی، ثالثاً جس شخص کو یہ سزا دی گئی وہ نفسیاتی طور پر احساس محرومی کا شکار ہو کر مزید کئی جرام میں ملوث ہو سکتا ہے۔

تو حسینی حسنی کیوں نہ محیِ الدیں ہو

اے خضر مَجمَعِ بَحرَین ہے چشمہ تیرا

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اُونچے اُونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

تو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا
تو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیاسا تیرا

تو حسینی حسنی کیوں نہ محی الدیں ہو
اے خضر مجمع بحرین ہے چشمہ تیرا

جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے
سب ادب رکھتے ہیں دل میں مِرے آقا تیرا

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

کیوں نہ قاسم ہو کہ تو ابنِ ابی القاسم ہے
کیوں نہ قادِر ہو کہ مختار ہے بابا تیرا

تجھ سے در، در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دُور کا ڈورا تیرا

اِس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا

بد سہی، چور سہی، مجرم و ناکارہ سہی
اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا

مجھ کو رسوا بھی اگر کوئی کہے گا تو یوں ہی
کہ وہی نا، وہ رضاؔ بندہ رسوا تیرا

ہیں رضاؔ ! یوں نہ بلک تو نہیں جید تو نہ ہو
سیدِ جیّدِ ہر دہر ہے مولیٰ تیرا

آغازِ سخن: اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے ذمہ کرم پر لی ہے کہ وہ اسلام کو باقی، غالب اور زندہ رکھے گا۔ ارشادِ باری تعالی ہے: {هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ.} [التوبۃ33:9۔ الصف8:61] اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اُسے تمام دینوں پر غالب کر دے، اگرچہ مشرکوں کو ناپسند ہو۔[1]

اللہ تعالی اپنا یہ وعدہ پورا کرنے کے لیے کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اُسے اس بات کی ضرورت نہیں کہ کوئی اُس کے دین کا پیغام عام کرنے کے لیے کاوش کرے، کوئی دین کو زندہ کرنے کے لیے اپنی توانائیاں صرف کرے۔ وہ بے نیاز فرماتا ہے: {وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا} [الفتح7:48] "اور آسمانوں اور زمین کے سب لشکر اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔" وہ اپنا حکم جیسے چاہے پورا فرما سکتا ہے، البتہ انسان کی یہ سعادت ہے کہ اُسے خدمتِ دین کی توفیق نصیب ہو جائے۔

اللہ عزوجل کے کرم سے ہر دور میں خوش نصیب لوگ دین کی اقدار کو زندہ کرنے کے لیے کوششیں کرتے رہے ہیں، اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔ اِن خدامِ دین میں ایک عالی مرتبت شخصیت غوث الثقلین، محبوبِ سُبحانی، ابو محمد عبد القادر جیلانی قدس سرُّہ العزیز (470ھ / 1078ء- 561ھ / 1166ء) کی ہے، جن کی بے پناہ خدمات پر خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے اُنھیں "مُحْیِ الدِّیْنْ"[2] کہا جاتا ہے۔ محی الدین کا معنی ہے: "دین کو زندہ کرنے والا"۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ بارگاہِ غوث الوری میں عرض کرتے ہیں:

تُو حسینی حسنی کیوں نہ محی الدیں ہو
اے خضر مجمع بحرین ہے چشمہ تیرا

آج کے خطبہ میں غوثِ اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے اسی لقب پر گفتگو کی جائے گی، جس سے واضح ہو گا کہ ہم فقط حسنِ عقیدت کی بنا پر اُن کی محافل نہیں سجاتے، بلکہ دینی خدمات کے حوالے سے ہم پر اُن کے اِس قدر احسانات ہیں کہ ہماری نسلیں بھی اُن کا بدلہ نہیں چکا سکتیں۔

شعر کی وضاحت: اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا: {مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ۝ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ} [الرحمن19:55،20] یعنی اللہ تعالیٰ نے (میٹھے اور کھاری پانی کے) دو سمندر جاری کیے، دیکھنے میں ایسے لگتا ہے کہ وہ آپس میں ملے ہوئے ہیں (بظاہر اُن کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے، مگر اللہ کی قدرت سے) اُن کے درمیان (نظر نہ آنے والی ایک) ایسی رکاوٹ ہے کہ کسی سمندر کا پانی اپنی حد سے آگے نہیں بڑھتا

---

[1] دلائل کے اعتبار سے تو دین اسلام پہلے بھی غالب تھا، اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ اسلام نے اپنی حقانیت پر جو دلائل پیش کئے ہیں ایسے مضبوط دلائل کسی اور دین میں نہیں۔ جہاں تک قوت و مادی اعتبار سے غلبہ کا تعلق ہے تو ایک عرصہ تک دنیا میں دین اسلام ہی غالب رہا ہے، اب آئندہ اس کا کامل ظہور اس وقت ہو گا جب حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالی عنہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔

[2] اِس لقب کا تلفظ ایسے ہی ہے، اکثر لوگ اِسے مُحْیُّ الدِّیْن پڑھتے ہیں، جو فنی اعتبار سے درست نہیں۔

(اور دوسرے کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا)۔ پھر فرمایا: {يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ o فَبِأَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ} [الرحمن55: 22،23] اُس کے درمیان سے بڑے اور چھوٹے موتی نکلتے ہیں۔ تو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے رب کی کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ؟

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ غوث پاک رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں: اے غوث اعظم! آپ کے والد حضرت ابو موسی جنگی دوست رحمۃ اللہ علیہ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ کی اولادِ پاک سے ہیں اور آپ کی والدہ اُمّ الخیر اَمَةُ الْجَبَّار سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی اولاد سے ہیں۔ جہاں پانی کے دو سمندر ملتے ہیں وہاں (مجمعِ بحرین) سے اللہ تعالیٰ قیمتی موتی پیدا فرماتا ہے، تو جہاں حسنین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما کے فیضان کے سمندر ملے وہاں سے باری تعالیٰ "محی الدین" کیوں نہ پیدا فرماتا۔

احیائے دین کا مفہوم اور فضیلت

احیائے دین کا مفہوم: جس چیز کی رونق، حُسن اور رعب و دبدبہ باقی ہو اُسے زندہ سمجھا جاتا ہے اور جس چیز کی رونق، نکھار، خوبصورتی اور رعب ختم ہو جائے وہ مُردہ کہلاتی ہے۔ بنجر زمین "مردہ زمین" ہے، پھر جب اللہ تعالی بارش برسائے تو بجا طور پر کہا جاتا ہے: "اللہ عزوجل نے اِسے زندہ کر دیا"۔[1] جس قوم کی اقدار باقی ہوں اُسے "زندہ قوم" کہا جاتا ہے اور جو قوم اپنی اقدار بھول جائے وہ "مردہ قوم" کہلاتی ہے۔ جو دل عشقِ حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے آباد ہو وہ "زندہ" ہے اور جس دل میں یادِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے اضطراب نہ ہو وہ "مردہ" ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

نورِ اِلٰہ کیا ہے محبت حبیب کی
جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ خوک وخر کی ہے

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اِسی معنی میں "موت" کا لفظ استعمال کرتے ہوئے کہا:

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت

بے گانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق ومحبت کے لیے علم و ہنر موت

---

[1] {وَاللهُ الَّذِی أَرْسَلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنَاهُ إِلَى بَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُورُ} [فاطر:9]

ہر دور میں اسلام کے اندرونی اور بیرونی دشمن اُسے کمزور کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنی سازشوں سے دینِ اسلام کی رونق ختم کر دیں۔ مگر اللہ عزوجل اپنے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دین کے اِحیا کے لیے ہر دور میں ایسے افراد پیدا فرماتا ہے جو دین کا پیغام عام کرتے ہیں اور دشمنانِ اسلام کی سازشوں کو خاک میں ملا کر نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنتوں کی بہار لاتے ہیں، اُن کی کاوشوں کو ”احیائے دین“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ گویا اسلام دشمن لوگ دین کی رونق ختم کر کے اُسے مردہ کرنا چاہتے ہیں مگر اللہ کے پیارے اِس رونق بحال کر کے اُسے زندہ کر دیتے ہیں۔

احیائے دین کی فضیلت: دین کی خدمت کرنے والوں اور اُسے زندہ کرنے کی سعادت پانے والوں کے لیے قرآن وحدیث میں کئی فضیلتوں کا ذکر ہے۔

جنت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں: مجھے جانِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: يَا بُنَيَّ! إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ لَيْسَ فِي قَلْبِكَ غِشٌّ لِأَحَدٍ فَافْعَلْ۔ ”پیارے بیٹے! اگر ایسا کر سکو کہ صبح ہو یا شام تیرے دل میں کسی کے بارے کھوٹ (بدخواہی، حسد اور کینہ) نہ ہو تو ضرور کرنا۔“ سیدنا انس کہتے ہیں سرکار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پھر مجھے فرمایا: يَا بُنَيَّ! وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِي، وَمَنْ أَحْيَا سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي، وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِي فِي الجَنَّةِ۔ (جامع ترمذی، حدیث: 2678) ”پیارے بیٹے! یہ میری سنت ہے، جس نے میری سنت (شریعت مطہرہ) کو زندہ کیا (خود بھی اُس پر عمل کیا اور دوسروں کو بھی اُس کی تعلیم اور عمل کی دعوت دے کر اُسے رواج دیا[1]) ضرور اُسے میری (سچی اور کامل) محبت نصیب ہوئی، اور جسے میرا پیار نصیب ہو گیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا“۔

سو شہیدوں کا اجر: بالخصوص فتنوں اور جہالت کے دور میں احیائے دین کی سعادت پانے والوں کا اجر تو اور بھی بڑھ کر ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ ماہِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: «مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ۔» (الزھد الکبیر للبیہقی، حدیث: 217 واخرجہ ابو نعیم فی حلیۃ الاولیاء، 8/200۔ ورواہ ابن عدی فی ”الکامل فی الضعفاء“[2]) یعنی جب میری اُمت بگڑ جائے گی (جہالت اور فسق وفجور کا غلبہ ہو جائے گا)، اُس وقت میری سنت (دین متین) پر عمل کرنے والے اور اُسے عام کرنے والے کو اللہ تعالی ایک سو شہیدوں کے برابر ثواب عطا کرے گا (کیونکہ یہ احیائے دین کے لیے بے پناہ مشقت کا سامنا کریں گے[3])۔

---

[1] ایسے مواقع پر ”سنت“ سے شریعت مراد ہوتی ہے۔ شیخ محقق نے ایک حدیث پاک کی شرح میں لکھا: (من أحيا سنة) أي: أقامها وروّجها وأيّدها وقوّاها، والمراد بالسنة: الطريقة المسلوكة في الدين وشرائع الإسلام ولو كانت فرضًا وواجبًا... (لمعات التنقیح)

[2] وفي رواية أبي هريرة مرفوعًا "اَلْمُتَمَسِّكُ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي لَهُ أَجْرُ شَهِيدٍ". (المعجم الاوسط، حدیث: 5414)

[3] لِمَا يَلْحَقُهُ مِنَ الْمَشَقَّةِ بِالْعَمَلِ بِهَا بِإِحْيَائِهَا وَتَرْكِهِمْ لَهَا كَالشَّهِيدِ الْمُقَاتِلِ مَعَ الْكُفَّارِ لِإِحْيَاءِ الدِّينِ بَلْ أَكْثَرُ. (مرقاۃ المفاتیح)

دونوں جہانوں میں خوشخبری: متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے کہ جانِ جہاں ﷺ نے فرمایا:

«بَدَأَ الإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ.» (رواہ مسلم عن أبي هريرة، رقم: 389، ورواہ الترمذي عن عبد الله بن مسعود، رقم: 2629) وفي رواية عمرو بن عوف: «الَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي.» (الترمذي، رقم: 2630) مفہومِ حدیث یہ کہ "جس طرح اسلام کے ابتدائی دور میں اُسے ماننے والوں کی تعداد کم تھی، اسی طرح قیامت کے قریب اسلام پر عمل کرنے والے کم ہی رہ جائیں گے اور جس طرح ابتدائی دور میں مسلمان بے وطن، اجنبی اور لوگوں کی نظر میں غیر مانوس تھے اِسی طرح آخر زمانہ میں بھی اُنھیں پردیسی اور اجنبی سمجھا جانے لگے گا (لوگ اُنھیں ایسے سمجھیں گے جیسے وہ کوئی جداگانہ مخلوق ہیں[1])۔ اِن خوش نصیبوں کے لیے دنیا وآخرت میں خوشخبری ہے، جو اُس وقت بھی میری سنت (شریعت مطہرہ) کی ترویج واِشاعت کریں گے جب لوگ اُسے چھوڑ دیں گے"۔

علمانے اس حدیث پاک کو اُن احادیث میں شمار کیا جو رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر دلیل (دلائل النبوہ) ہیں۔ کوئی کاہن، نجومی، ستاروں کی چال سے جھوٹے اندازے لگانے والا، ہاتھ کی لکیروں سے اٹکل پچو بتانے والا صدیوں بعد ہونے والے واقعات کی خبر نہیں دے سکتا۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے اللہ کی عطا سے صدیوں بعد ہونے والے امور کی خبریں ارشاد فرمائیں، یہ حدیث بھی اُنھیں میں سے ہے۔ آج ہم اپنی آنکھوں سے اس حدیث کی سچائی کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ وہ ممالک جو اسلام کی روشنی سے منوّر نہیں اُن کی صورت حال تو کجا! امریکہ میں مسلمانوں کو کن ترچھی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اُس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے، بھارت میں ہندو مسلمانوں کو کتنا اچھوت سمجھتے ہیں اِسے کچھ وقت کے لیے پس پُشت ڈالتے ہوئے، اسلام کے نام پر بننے والی ریاست "پاکستان" میں اسلام پسندوں کو جس نظر سے دیکھا جارہا ہے وہ قابلِ افسوس ہے۔ ماڈرن لوگ سنت کی دعوت دینے والوں اور سنت پر عمل کرنے والوں کو "دقیانوسی" کہتے ہیں کہ یہ پرانی باتیں کر رہے ہیں۔ خود ہم لوگ داڑھی والوں کا "مولوی" کہہ کر مذاق اُڑاتے ہیں۔ ٹی وی پروگراموں میں اینکرز اسلام کی دعوت دینے والوں پر دل کھول کر غصہ نکالتے ہیں۔ اسلامی اقدار کی سرعام پامالی ہوتی ہے۔ روشن خیالی اور بین المذاہب ہم آہنگی کے نام پر اسلامی اقدار کی دھجیاں اُڑائی جارہی ہیں۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر انسان بلا اختیار کہہ اُٹھتا ہے کہ نبی غیب داں ﷺ نے بالکل سچ اِرشاد فرمایا تھا۔

حدیث پاک تربیت کرتی ہے کہ اس دور میں بھی دین کے نام پر طعنے سننے والوں کو حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے، بلکہ یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان اقدس سے اُنھیں خوشخبری عطا کی ہے۔

---

[1] يَعْنِي: إِنَّ أَهْلَ الدِّينِ فِي الْأَوَّلِ كَانُوا غُرَبَاءَ يُنْكِرُهُمُ النَّاسُ وَلَا يُخَالِطُونَهُمْ، فَكَذَا فِي الْآخِرِ. (مرقاة المفاتيح)

احیائے دین کے لیے محی الدین علیہ الرحمہ کا انتخاب اور جذبہ

انتخاب: غوث الثقلین رضی اللہ تعالی عنہ کی حیاتِ پاک اور واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پیدائش سے پہلے ہی اِس عظیم خدمت کے لیے منتخب کیے جاچکے تھے۔

والدِ گرامی کو بشارت: جس رات کو محی الدین رضی اللہ تعالی عنہ کی پیدائش ہوئی اُسی رات آپ کے والد ماجد حضرت ابو صالح سید موسی جنگی دوست رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مشاہدہ کیا کہ سرور کائنات ﷺ مع صحابہ کرام علیہم الرضوان اُن کے گھر میں جلوہ افروز ہیں اور بشارت سے نواز رہے ہیں: یَا اَبَا صَالِح! اَعۡطَاكَ اللہُ اِبۡنًا، وَ هُوَ وَلِيٌّ وَ مَحۡبُوۡبِيۡ وَ مَحۡبُوۡبُ اللہِ تَعَالٰی وَ سَيَكُوۡنُ لَهٗ شَانٌ فِي الۡاَوۡلِيَآءِ وَ الۡاَقۡطَابِ كَشَانِيۡ بَيۡنَ الۡاَنۡبِيَاءِ وَ الرُّسُلِ. یعنی "اے ابو صالح! اللہ عزوجل نے تم کو ایسا فرزند عطا فرمایا ہے جو ولی ہے، وہ میرا بھی محبوب ہے اور اللہ تعالی کا بھی محبوب ہے۔ اس کی اولیا اور اَقطاب میں ویسی شان ہوگی جیسی انبیا اور رسولوں میں میری شان ہے۔"

(تفریح الخاطر، للشیخ عبد القادر الاربلی، المنقبۃ الثانیۃ، ص:15، المکتبۃ الشاذلیۃ فی باکستان۔ سیرت غوث الثقلین، ص:55)

جانور کی عرض: غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میرے بچپن کا واقعہ ہے کہ حج کے دن (نو ذی الحج کو) مَیں جنگل کی طرف گیا، وہاں ایک گائے کے پیچھے چلنے لگا۔ اُس نے مجھے کہا: یَا عَبۡدَ الۡقَادِرِ! مَا لِهٰذَا خُلِقۡتَ وَلَا بِهٰذَا اُمِرۡتَ۔ اے عبد القادر! اللہ تعالی نے آپ کو اس طرح کے کاموں کے لیے پیدا نہیں کیا، نہ ہی آپ کو ایسے کاموں کا حکم دیا ہے (بلکہ اُس نے آپ کو اپنے دین کی خدمت اور اُسے زندہ کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے[1])۔ (بھجۃ الاسرار، ذکر طریقہ، ص:167۔ نزھۃ الخاطر الفاتر، ص:22)

نہ جانے اُس گائے کے پیچھے کتنے بچے چلے ہوں گے، مگر اُس نے کسی اور سے یہ بات نہیں کہی، صرف غوث الثقلین سے ہی کہی۔ شاید وہ بھی جانتی تھی یہ عام بچہ نہیں، ازل سے اس کا انتخاب ہو چکا ہے۔

چنانچہ اِس واقعہ کے بعد آپ والدہ ماجدہ سے اِجازت لے کر علمِ دین حاصل کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔

احیائے دین اور خیر خواہی کا جذبہ: 15 شوال، 545ھ کو اپنے دار العلوم "مدرسۂ قادریہ" میں جمعہ کے روز خطاب کرتے ہوئے حضور غوث پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: سُبۡحَانَ مَنۡ اَلۡقٰى فِيۡ قَلۡبِيۡ نُصۡحَ الۡخَلۡقِ وَجَعَلَهٗ اَكۡبَرَ هَمِّيۡ،اِنِّيۡ نَاصِحٌ وَلَا اُرِيۡدُ عَلٰى ذٰلِكَ جَزَاءً، آخِرَتِيۡ قَدۡ حَصَلَتۡ لِيۡ عِنۡدَ رَبِّيۡ عز وجل، مَا اَنَا بِطَالِبِ دُنۡيَا، مَا أنا عَبۡدُ الدُّنۡيَا وَلَا الآخِرَةِ

---

[1] جانور کا گفتگو کرنا بعید نہیں؛ قرآن کریم میں چیونٹی، دابۃ الارض اور ہدہد کے گفتگو کرنے کا تذکرہ موجود ہے۔

وَلَاسِوَی الْحَقِّ عز وجل۔ فَرَحِیْ بِفَلَاحِکُمْ وَغَمِّیْ لِهَلَاکِکُمْ ۔ إذا رَأَیْتُ وَجْهَ مُرِیْدٍ صَادِقٍ قَدْ أَفْلَحَ علی یَدِی، شَبِعْتُ وَارْتَوَیْتُ وَاکْتَسَیْتُ وَفَرِحْتُ۔۔۔ (الفتح الربانی والفیض الرحمانی، المجلس السادس، ص:39، دار الریان للتراث) مفہوم یہ کہ ”الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں مخلوق کی خیر خواہی کا جذبہ پیدا کیا ہے اور یہی میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ مَیں تمھیں نصیحت کرتا ہوں اور اِس پر کسی اجر کی خواہش نہیں رکھتا۔ اللہ تعالی کی طرف سے اُخروی اجر مجھے مل چکا ہے اور دنیا کی طلب ہے ہی نہیں۔ میری خوشی اِس میں ہے کہ تم کامیابی حاصل کرلو اور میرا غم اِس میں ہے کہ تم ہلاکت کے راستے پر چل پڑو۔ جب مَیں کسی سچے مرید کا چہرہ دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے اُسے کامیابی سے نوازا ہے اور توبہ کی توفیق عطا کی ہے تو مجھے ایسی خوشی ہوتی ہے کہ بھوک بھی دور ہو جاتی ہے اور پیاس بھی بجھ جاتی ہے۔

ایک موقع پر آپ نے اِرشاد فرمایا: لَوْ اَمْکَنَنِیْ دَخَلْتُ مَعَ کُلِّ وَاحِدٍ مِنْکُمُ الْقَبْرَ وَجَاوَبْتُ عَنْهُ مُنْکَرًا وَنَکِیْرًا رَحْمَةً وَشَفْقَةً عَلَیْکُمْ۔۔۔ (الفتح الربانی والفیض الرحمانی، مجلس:62، ص:367، دار الریان للتراث) یعنی میرے دل میں تمہارے لیے ایسی شفقت ورحمت ہے کہ اگر میرے لیے ممکن ہوتا (شریعت اجازت دیتی) تو مَیں تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اُس کی قبر میں جاتا اور اُس کی طرف سے منکَر نکیر کو جواب دیتا۔

احیائے دین کے لیے محی الدین علیہ الرحمہ کی خدمات

سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالی نے شوال 521ھ / 1127ء کو وعظ کے ذریعے احیائے دین کے لیے اپنی کاوشوں کا آغاز کیا۔ پھر وصالِ مبارک (561ھ / 1166ء) تک تدریس، تقریر، تصنیف، فتاوی نویسی اور فیض رسانی وغیرہ کے ذریعے مخلوقِ خدا کو راہِ ہدایت دکھاتے رہے، یوں تقریباً چالیس سال تک آپ نے احیائے دین کے لیے خدمات سرانجام دیں۔

تقریر کے ذریعے: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند لوگوں کو وعظ فرمانے سے خطابات کا آغاز کیا، جب سامعین کی تعداد بڑھ گئی تو مدرسہ، پھر عید گاہ میں وعظ فرمانے لگے، ازاں بعد شہر سے باہر بڑے میدان میں وعظ فرماتے۔ ایک وقت آیا کہ آپ کا وعظ سننے کے لیے 70,000 افراد کا اجتماع ہوتا۔ مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے 400 اصحابِ قلم آپ کے فرمودات نوٹ کرتے تھے۔ (سیرت غوث الثقلین، ص:77، بحوالہ بهجۃ الاسرار وقلائد الجواہر) ایسا کیوں نہ ہوتا، آخر خود نانا جان ﷺ نے اپنا لعاب عطا فرما کر وعظ کرنے کا حکم فرمایا تھا۔

آپ نے فرمایا: ”میرے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زائد یہودیوں اور عیسائیوں نے اسلام قبول کیا اور ایک لاکھ سے زیادہ ڈاکو، چور، فساق و فجار، فسادی اور بدعتی لوگوں نے توبہ کی۔“ (قلائد الجواہر، ص:19۔ بہجۃ الاسرار، ذکر وعظہ، ص184)

تدریس کے ذریعے: آپ رحمہ اللہ تعالی نے 528ھ سے 561ھ تک تقریباً33سال خود دینی علوم کے اسباق پڑھائے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام اور اُصول وغیرہ کے اسباق کی تدریس فرمایا کرتے۔(زبدۃ الاسرار از شیخ محقق، ص39)

طلبا سے محبت: شیخ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: ہم محبوبِ سبحانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں پڑھنے کے لیے اُن کے پاس حاضر ہوئے۔ کہتے ہیں: فَأَسْكَنَنَا فِيْ مَدْرَسَتِهٖ، وَكَانَ يُعْنِي بِنَا، وَرُبَّمَا أَرْسَلَ إِلَيْنَا ابْنَهٗ يَحْيٰى فَيُسْرِجُ لَنَا السِّرَاجَ، وَرُبَّمَا يُرْسِلُ إِلَيْنَا طَعَامًا مِنْ مَنْزِلِهٖ، وَكَانَ يُصَلِّي الْفَرِيضَةَ بِنَا إِمَامًا... ([1]سیر اعلام النبلاء، الجزء:20، رقم الترجمۃ:286) آپ نے ہمیں اپنے مدرسہ میں رہائش فراہم کی اور ہمارا بہت خیال فرماتے۔ کبھی اپنے شہزادے حضرت یحیٰ علیہ الرحمہ کو ہماری طرف بھیجتے تو وہ چراغ اور روشنی کا انتظام کر دیتے۔ بعض اوقات اپنے دولت خانے سے ہمارے لیے کھانا بھجواتے اور فرض نمازوں کی خود امامت کراتے۔

طلبا کی اصلاح: شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (سلسلۂ سہروردیہ کے بانی) فرماتے ہیں: مجھے علم کلام کا بہت شوق تھا، مَیں نے اس کی کتابیں حفظ کرلی تھیں اور اس میں خوب ماہر ہو گیا تھا۔ میرے چچا سیدی نجیب الدین عبد القاہر سہروردی علیہ الرحمہ مجھے منع فرماتے تھے مگر میں باز نہ آتا تھا۔ ایک روز وہ مجھے ساتھ لے کر بارگاہ غوث پاک میں حاضر ہوئے۔ راستے میں مجھے فرمایا: ”اے عمر! ہم اس ہستی کے پاس حاضر ہونے والے ہیں جس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیتا ہے۔ ان کے سامنے احتیاط سے حاضر ہونا تاکہ ان کے دیدار کی برکات حاصل ہو سکیں۔“ جب ہم حاضر بارگاہ ہوئے تو اُنھوں نے غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی: یہ میرا بھتیجا علمِ کلام کا شوقین ہے، مَیں منع کرتا ہوں لیکن باز نہیں آتا۔ غوث اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا: ”اے عمر! تم نے علم کلام میں کون سی کتاب حفظ کی ہے؟“ میں نے عرض کی: فلاں فلاں کتابیں۔ کہتے ہیں: فَأَمَرَّ يَدَهٗ عَلٰى صَدْرِيْ، فَوَاللّٰهِ مَا نَزَعَهَا وَأَنَا أَحْفَظُ مِنْ تِلْكَ الْكُتُبِ لَفْظَةً وأَنْسَانِي اللّٰهُ جَمِيْعَ مَسَائِلِهَا، وَلٰكِنْ وَقَّرَ اللّٰهُ فِيْ صَدْرِي الْعِلْمَ اللَّدُنِّيَّ فِي الْوَقْتِ الْعَاجِلِ، فَقُمْتُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَأَنَا أَنْطِقُ بِالْحِكْمَةِ. غوث پاک رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر پھیرا، اللہ تعالیٰ قسم! ابھی آپ نے ہاتھ ہٹایا نہیں تھا کہ مجھے ان کتابوں سے ایک لفظ بھی یاد نہ رہا، اور اللہ تعالی نے ان کے تمام مطالب مجھے بھلا دیے۔ ہاں! اللہ تعالی نے میرے سینے میں فوراً علم لدنی بھر دیا۔ مَیں آپ کے پاس سے اُٹھا اور حالت یہ تھی کہ میری زبان پر حکمت کی باتیں جاری ہو چکی تھیں۔

---

[1]، وَكُنْتُ أَقرَأُ عَلَيْهِ مِنْ حِفْظِي مِنْ كِتَابِ الخِرَقِيِّ غُدْوَةً، وَيَقرَأُ عَلَيْهِ الحَافِظُ عَبْدُ الغَنِيِّ مِنْ كِتَابِ الهِدَايَةِ فِي الكِتَابِ، وَمَا كَانَ أَحَدٌ يَقرَأُ عَلَيْهِ فِي ذَلِكَ الوَقْتِ سِوَانَا، فَأَقَمنَا عِنْدَهُ شَهراً وَتِسْعَةَ أَيَّامٍ، ثُمَّ مَاتَ، وَصلَّيْنَا عَلَيْهِ لَيلاً فِي مدرستِهِ، وَلَمْ أَسْمَعْ عَنْ أَحَدٍ يُحكَى عَنْهُ مِنَ الكَرَامَاتِ أَكْثَرَ مِمَّا يُحكَى عَنْهُ، وَلاَ رَأَيْتُ أَحداً يُعَظِّمُهُ النَّاسُ لِلدِّينِ أَكْثَرَ مِنْهُ، وَسَمِعنَا عَلَيْهِ أَجزَاءَ يَسِيْرَةً.

آپ نے مجھ سے فرمایا: ”عراق میں سب سے آخری نامور تم ہو گے (تمہارے بعد عراق بھر کوئی اتنا مشہور نہیں ہو گا)“۔ شیخ الشیوخ سہروردی علیہ الرحمہ فرماتے: حضرت شیخ عبد القادر رضی اللہ تعالی عنہ بادشاہِ طریق ہیں اور تمام عالم میں یقیناً تصرف فرمانے والے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (بھجۃ الاسرار، ذکر فصول من کلامہ، ص:32۔ فتاوی رضویہ، ج:21، ص:390)

تصنیف کے ذریعے: محبوبِ سبحانی علیہ الرحمہ نے بے پناہ مصروفیات کے باوجود نہایت قیمتی کتابیں بھی تحریر فرمائیں، جن میں سے چند کے نام یہ ہیں: "فتوح الغیب"، "الفتح الربانی والفیض الرحمانی"، "سر الأسرار ومظهر الأنوار"، "جلاء الخاطر فی الباطن والظاهر" اور "الغنیة لطالبی طریق الحق"۔ نیز آپ تقریباً 33 سال تک خود فتاوی تحریر فرماتے رہے۔

فیض رسانی سے: غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فیض رسانی کا عالم یہ ہے کہ آپ کا قدمِ مبارک اولیا کی گردنوں پر ہے۔

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

یہ فیض رسانی صرف ظاہری حیات میں ہی نہیں تھی، بلکہ آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ امام ربانی مجدد الفِ ثانی علیہ الرحمہ نے فرمایا: وصولِ فیوض و برکات دریں راہ بہ ہر کہ باشد از اقطاب و نجباء بتوسطِ شریف اُو مفہوم می شود، چہ ایں مرکز غیرِ اُو را میسّر نشدہ۔ ازیں جاست کہ فرمود

أَفَلَتْ شُمُوْسُ الأَوّلِینَ و شمسُنا أبدًا عَلی الأُفُقِ العُلٰی لا تَغْرُب.

یعنی راہِ طریقت میں بڑے سے بڑے اولیا کو بھی جو فیض اور برکتیں ملتی ہیں وہ غوث پاک کے وسیلے سے ہی ملتی ہیں۔ یہ مرکزیت کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی، جیسا کہ غوث پاک نے اپنے شعر میں خود ذکر فرمایا: ”پہلوں کے سورج ڈوب گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ افق پر رہے گا، کبھی غروب نہیں ہو گا“۔ (مکتوب نمبر:123، سیرت غوث الثقلین، ص:107) حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ نے عرض کیا:

ہیں میرے پیر لاثانی محی الدین جیلانی
نبی کی شمع نورانی محی الدین جیلانی

علی کے لاڈلے نورِ نگاہِ حضرت زہرہ
رسول اللہ (ﷺ) کے جانی محی الدین جیلانی

لقب ہے قطبِ ربانی شرف محبوبِ سبحانی
ہے رخ قندیل نورانی محی الدین جیلانی

بلادُ اللہِ ملکی تحت حکمی سے ہوئی ثابت
جہاں میں تیری سلطانی محی الدین جیلانی

بجز تیرے شہِ بغداد کوئی اور کیا جانے
میرے دل کی پریشانی محی الدین جیلانی

فقیر قادری مَیں بادشاہ قادری تم ہو
ہو دردِ دل کی درمانی محی الدین جیلانی

تمہارا اِک اشارہ ہو تو میرا کام بن جائے
رفع ہو ساری حیرانی محی الدین جیلانی

مدد کا وقت ہے مشکل کشائی کے لیے آؤ
ہے بحرِ غم میں طغیانی محی الدین جیلانی

غلام درگہِ والا ہے سالک پھر کدھر جائے
سنانے رنجِ پنہانی محی الدین جیلانی

خلاصۂ زندگی: غوثِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یکم رمضان 470ھ / 1078ء کو ایران کے صوبہ گیلان / جیلان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی 18 سال یہیں گزارے۔ پھر نو سال تک بغداد شریف میں علومِ ظاہری و باطنی کی تحصیل و تکمیل میں مصروف رہے۔ بعد ازاں 25 سال عراق کے جنگلوں، بیابانوں اور ویران مقامات پر ریاضتوں اور مجاہدات سے منازلِ سلوک طے کیں۔ پھر 40 برس تک احیائے دین متین کا فریضہ انجام دیا۔ بالآخر 561ھ / 1166ء کو 91 برس کی عمر شریف میں وصال فرمایا۔

حرفِ آخر: اللہ تعالیٰ اپنے دین کا خود نگہبان ہے اور وہ جس سے چاہے اپنے دین کی خدمت لیتا ہے۔ انسان کو اگر اِخلاص کے ساتھ دین کی خدمت نصیب ہو جائے تو بہت بڑی سعادت ہے۔ جو شخص اِخلاص کے ساتھ دین کی خدمت کرے اللہ تعالیٰ اُسے دونوں جہانوں میں اجر و ثواب، اپنی رضا اور عزتوں سے نوازتا ہے۔ انسان تو انسان رہے فرشتے بھی اُس سے پیار کرتے ہیں۔

محبوبِ سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دین کو زندہ کرنے کے لیے بے پناہ کاوشیں کیں۔ آج صدیاں گزرنے کے باوجود نہ صرف آپ کی عزتیں برقرار ہیں، بلکہ اُن میں اِضافہ ہوتا جارہا ہے۔

خدمتِ دین کی برکت سے عزتیں ملنے کی تازہ مثال امیر المجاہدین شیخ الحدیث مولانا خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ کا جنازہ ہے۔ اُنھوں نے ہر محاذ اور ہر قیمت پر دینی مفادات اور بانیٔ دین ﷺ کی ناموس کا تحفظ کیا تو باری تعالی نے اُنھیں دونوں جہانوں کی عزتوں سے نوازا۔ آخرت میں اُن کا اجر تو عقل و فہم سے ورا ہو گا، دنیوی اجر کی ایک جھلک یہ ہے کہ لاکھوں عاشقانِ ﷺ اُن کے رسول جنازے میں شریک ہوئے اور ہر ایک اللہ تعالی کی رحمت سے پُر امید تھا کہ اِس جنازے میں شمولیت کی وجہ سے میری بخشش ہو جائے گی۔

شہزادۂ حسین اور خادمِ حسین علیہما الرحمہ کے کردار سے سبق ملتا ہے کہ ہم بھی دین کی خدمت کے لیے اپنی طاقت کے مطابق کوشش کریں۔ اصحابِ علم اُسے عام کریں، اربابِ دولت اپنا سرمایہ دین کی ترویج واِشاعت کے لیے پیش کریں، باصلاحیت حضرات اپنی صلاحتیں دین کے لیے وقف کریں، دین کا کام کرنے والوں کے دست وبازو بنیں، نسلِ نَو کو دین سے روشناس کرائیں۔ اللہ تعالی اور اُس کے حبیب ﷺ کو خوش کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے اور شہزادۂ حسین وخادمِ حسین کا مشن بھی یہی ہے۔

{يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ} [آل عمران 102:3] اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ضرور تمہیں موت صرف اسلام کی حالت میں ہی آئے۔

{وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ} [الحدید 10:57] اور ہر ایک (صحابی) سے اللہ تعالیٰ جنت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرو گے۔

فتنوں کے دور میں ایمان کی حفاظت

آغازِسخن: اللہ تعالی نے اپنے حبیب ﷺ کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ علم عطا فرمایا... ماکان ومایکون کا عالم بنایا... زمین وآسمان کے رازوں سے خبر دار کیا... جنت ودوزخ کا مشاہدہ کرایا... سب کی نگاہوں سے اوجھل چیزیں آپ ﷺ کی نگاہوں کے سامنے رکھیں... اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے انوار و تجلیات کے وہ جلوے دکھائے جو کسی دوسرے پر آشکار نہیں کیے۔ اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے خوب کہا:

اور کوئی غیب تم سے کیا نہاں ہو بھلا　　　جب خدا ہی نہ چھپا تم پہ کروڑوں دُرود

پھر یہ خوبی بھی عطا کی کہ آپ ﷺ غیب بتانے میں بخل نہیں فرماتے... (التکویر 24:81) جس چیز کو ظاہر کرنے میں لوگوں کا فائدہ ہو اُسے ظاہر کر دیتے ہیں... سب کے لیے مُفید ہو تو سب کو بتا دیتے ہیں اور صرف خاصوں کے لیے فائدہ مند ہو تو اُنھیں خبر دیتے ہیں۔

آپ ﷺ نے اپنے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد قیامت کے قریب جو کچھ ہونے والا تھا اُس کی بھی خبریں عطا کیں... قیامت کی نشانیاں بھی بتائیں... قربِ قیامت کے لوگوں کی کیفیات سے بھی مطلع کیا... آنے والے فتنوں سے بھی خبر دار کیا اور یہ بھی بتایا کہ اُن حالات میں ایمان کی حفاظت کیسے کرنی ہے؟ سچ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تو کوئی ضروری بات مخفی نہیں رکھی، قصور ہمارا ہی ہے کہ ہم نے اپنے دور کی اُلجھنوں کو حل کرنے کے لیے آپ ﷺ کے ارشادات سے راہ نمائی نہیں لی۔

آج کے خطبہ میں ذکر ہو گا کہ موجودہ دور کے اندر ایمان کی حفاظت کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

فتنوں کا دور

فتنوں کی کثرت: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا.» (صحیح مسلم، حدیث:328) وفی روایۃ: «اَلنَّائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْيَقْظَانِ، وَالْيَقْظَانُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي...» (ایضاً، حدیث:7431) مفہوم یہ کہ جلدی جلدی اچھے اعمال کر لو، اس سے پہلے کہ اندھیری رات کے ٹکڑوں جیسے فتنے پیدا ہوں (جیسے رات کی تاریکی میں کچھ نظر نہیں آتا ایسے ہی اُن خطرناک فتنوں میں حق اور باطل کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو گا)، آدمی صبح کو مؤمن ہو گا اور شام کو کافر، یا شام کو مؤمن ہو گا اور صبح کو کافر (لوگ ایمان کے بارے میں اتنے سُست اور لاپرواہ ہو جائیں گے کہ بہت جلد ایمان کی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے)، انسان معمولی دنیوی دولت کے لیے اپنا ایمان بیچ دے گا۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: اُن فتنوں میں سویا ہوا جاگنے والے سے بہتر ہو گا، جاگنے والا (جو بیٹھا ہے) کھڑے سے بہتر ہو گا اور کھڑا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا (یعنی انسان فتنوں سے جتنا دُور رہے گا اُتنا ہی اُس کا ایمان محفوظ ہو گا)۔

موجودہ صورت حال: اس حدیث پاک میں آپ ﷺ نے اللہ تعالی کی عطا سے جو غیب کی خبر دی کہ فتنے بہت زیادہ ہوں گے، ہم اپنی آنکھوں سے اس صورت حال کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ موجودہ دور میں کسی بھی فتنہ پرور کے لیے اپنی گمراہی پھیلانا بہت آسان

ہے، بس ایک کلپ یا تحریری میسج تیار کر کے سوشل میڈیا پر نشر کر دے، چند ہی منٹوں میں اُس کا پیغام لاکھوں لوگوں تک پہنچ جائے گا۔ سوشل میڈیا تو کجا الیکٹرانک میڈیا پر بھی بہت سے لوگ اہل علم کا لبادہ اوڑھ کر گمراہی پھیلانے میں مصروف ہیں اور اُن کے فتنے میں مبتلا ہو کر بے شمار کم علم مسلمان اپنے نظریات خراب کر بیٹھتے ہیں۔

تعلیم اُمت کے لیے فتنوں سے حفاظت کی دعا: نبی کریم ﷺ اُمت کو سکھانے کے لیے یہ دعا بھی کرتے تھے:
اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ، وَأَنْ تَغْفِرَ لِي وَتَرْحَمَنِي، وَإِذَا أَرَدْتَّ فِتْنَةً فِي قَوْمٍ فَتَوَفَّنِي غَيْرَ مَفْتُونٍ، وَأَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ، وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُ إِلَى حُبِّكَ. (جامع ترمذی، حدیث: 3235) یعنی اے اللہ! مَیں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ: مجھے بھلائیاں کرنے اور برائیوں سے بچنے (کی توفیق) عطا کر دے، میرے دل میں مسکینوں کی محبت پیدا فرما دے، اور مغفرت و رحمت سے نواز دے۔ اور جب تو کسی قوم کو (اس کے اعمال کی وجہ سے) فتنے میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے فتنے سے محفوظ رکھتے ہوئے (ایمان کی سلامتی کے ساتھ) وفات دینا۔ میں تجھ سے تیری محبت، تجھ سے محبت کرنے والوں کی محبت اور تیری محبت کے قریب کرنے والے اعمال کی محبت مانگتا ہوں۔

پُر فتن دور میں کیا کرنا چاہیے؟

ایمان بچانے کی فکر: کسی شخص کی کوئی قیمتی شے خطرے میں ہو تو وہ نہایت چوکس رہتا ہے، اُس کی حفاظت کے تمام ممکنہ ذرائع اختیار کرتا ہے، ہماری صورت حال اس کے برعکس ہے۔ مختلف قوتیں ہمارا ایمان لوٹنا چاہتی ہیں... سوشل اور الیکٹرانک میڈیا پر لادین لوگوں کی یلغار ہے... مسلم حکمران دین کے مخالفین کو روکنے کے بجائے اُن کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ گزشتہ دنوں پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار دارالحکومت اسلام آباد کے اندر حکومتی سرپرستی میں مندر کی تعمیر شروع کی گئی ہے، جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے... مگر ہمیں احساس تک نہیں کہ ہمارا سب سے قیمتی سرمایہ اور سب سے بڑی دولت، یعنی ایمان، خطرے میں ہے اور ہم نے اِس کی حفاظت کرنی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ} [آل عمران 3:102] اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ضرور تمہیں موت صرف اسلام کی حالت میں ہی آئے (مراد یہ ہے کہ زندگی کے ہر لمحے میں اپنا ایمان بچانے کی فکر کرو اور اسلام پر قائم رہنے کی کوشش کرو، تاکہ جب بھی تمہیں موت آئے حالتِ اسلام پر ہی آئے)۔

فتنوں اور فتنہ پروروں سے دوری: گزشتہ سطور میں گزرا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ جانِ عالم ﷺ سے راوی ہیں:
«اَلنَّائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْيَقْظَانِ، وَالْيَقْظَانُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي...» (ایضاً، حدیث: 7431)
اُن فتنوں میں سویا ہوا جاگنے والے سے بہتر ہو گا، جاگنے والا (جو بیٹھا ہے) کھڑے سے بہتر ہو گا اور کھڑا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا (یعنی انسان فتنوں سے جتنا دُور رہے گا اُتنا ہی اس کا ایمان محفوظ ہو گا)۔

ہماری صورتِ حال: اس حدیث میں سکھایا گیا کہ مسلمان حتی الامکان فتنوں سے دور رہیں۔ ہماری صورت حال یہ کہ سوشل میڈیا پر ہر طرح کے کلپ سنتے ہیں، ہر شخص کی باتوں میں آجاتے ہیں اور کہتے ہیں: "ہم تو تحقیق کر رہے تھے۔" صرف یہی نہیں کہ خود سنتے اور دیکھتے ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی شیئر کرتے ہیں، نادان لوگ گستاخی والی باتوں کو بھی ثواب سمجھ کر شیئر کرنے لگ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شیئر کرکے اس برائی کو روکیں گے۔ ہر بات کو شیئر کرنا، اللہ تعالی، اس کے رسول ﷺ اور اکابرِ دین کی طرف من گھڑت باتیں منسوب کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ.» (صحیح مسلم:4994) انسان کے لیے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کر دے (جو بغیر تصدیق کیے ہر سنی سنائی بات دوسروں تک پہنچائے وہ ضرور جھوٹ میں مبتلا ہو جائے گا؛ کیونکہ ہر بات کا سچا ہونا ممکن ہی نہیں)۔

ادب پر استقامت: اسلام کی قابلِ فخر ہستیوں کا وصفِ امتیاز رہا ہے کہ اُنھوں نے زندگی بھر ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالی کی ذات ہو، مصطفیٰ کریم ﷺ کی بارگاہ ہو، شعائرِ دین ہوں یا بزرگانِ دین، وہ ہر پہلو سے ادب کو ملحوظ رکھتے۔

اسلام کی اہم عبادت "حج" شعائر اللہ کی تعظیم کا ایک حسین نمونہ ہے۔ حاجی حج کے دوران جن مقامات پر جاتا ہے، جو افعال سر انجام دیتا ہے، جو کلمات پڑھتا ہے اُن میں سے اکثر شعائر اللہ ہیں۔ احرام باندھنا، تلبیہ کہنا، طواف کرنا، سعی کرنا، وقوفِ عرفہ ومزدلفہ، رمیِ جمرات غرضیکہ تمام افعالِ حج حاجی کو شعائر اللہ کی تعظیم سکھاتے ہیں۔

بزرگوں کی سوانح میں ایسی ڈھیروں مثالیں ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس سے نسبت تو بہت بڑی ہے، وہ اپنے استاذ، اپنے شیخ کی نسبتوں کی بھی تعظیم کرتے تھے۔ ہمارے مسلک کا تو یہ مزاج ہے کہ بزرگوں کے نام پر تقسیم ہونے والا کھانا (لنگر) بھی لائقِ تعظیم سمجھا جاتا ہے۔

صحابہ واہل بیت کا ادب: انبیائے کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے بعد سب سے بڑھ کر جن ہستیوں کی تعظیم وتوقیر اور ادب ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام اور آپ کے اہل بیت رضی اللہ تعالی عنہم ہیں۔ ہمارے اکابر نے سکھایا: "رسول اللہ ﷺ کے کسی بھی صحابی یا رشتہ دار (اہل بیت) کا ذکر آئے تو فرض ہے کہ ایسے الفاظ بولے جائیں جن سے تعظیم اور ادب کا پہلو نمایاں ہو، بے ادبی والے الفاظ سے اُن کا تذکرہ کرنا حرام ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ اُن کی تعریف کی ہے اور اچھے الفاظ سے یاد فرمایا ہے۔" نیز "صحابہ واہل بیت میں سے ہر ایک سے محبت کرنا فرض ہے، کسی ایک سے بھی بُغض اور نفرت رکھنے والا گمراہ اور جہنم کا مستحق ہے۔" (بہار شریعت، ج:1، ص:252، ملخصًا)

سیدنا عبد اللہ بن مُغفّل رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِي أَصْحَابِي! لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللّٰهَ، وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ. (جامع ترمذی، حدیث:3862) میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ میرے بعد اُنھیں نشانہ نہ بنانا؛ کیونکہ جس نے اُن سے محبت کی تو اُس نے میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کی، اور جس نے اُن سے بغض رکھا تو اُس نے میرے بغض کی وجہ سے اُن سے بغض رکھا۔ جس نے اُنھیں ستایا اُس نے مجھے تکلیف دی اور جس

نے مجھے تکلیف دی اُس نے اللہ تعالیٰ کو اِیذا دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اِیذا دی تو قریب ہے اللہ تعالیٰ اُس کی گرفت فرمائے۔“

کسی نے اہل بیت کی تعظیم کا انداز سیکھنا تو شہزادۂ فاروقِ اعظم سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے سیکھے۔ آپ مسجد میں بیٹھے تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ اُس کا لباس لمبا ہے، سنت کے مطابق نہیں، فرمایا: یہ کون ہے؟ کاش میرے پاس آتا تو میں اِسے سمجھاتا! کسی نے کہا: یہ محمد بن اُسامہ بن زید (سرکار ﷺ کے منہ بولے بیٹے ”اسامہ بن زید“ کے پوتے) ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ راوی کہتے ہیں: فَطَأْطَأَ ابْنُ عُمَرَ رَأْسَهُ، وَنَقَرَ بِيَدَيْهِ فِي الأَرْضِ، ثُمَّ قَالَ: «لَوْ رَآهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَأَحَبَّهُ». سیدنا ابن عمر نے (محمد بن اسامہ کا نام سنتے ہی محبت و تعظیم کے پیشِ نظر) سر جھکا لیا، ہاتھ زمین پر رکھے اور فرمایا: (مَیں اِن کی تعظیم اِس لیے کر رہا ہوں کہ) اگر یہ سرکار ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں پیدا ہوتے تو سرکار ﷺ اِن سے محبت کرتے (کیونکہ آپ ﷺ کو اِن کے باپ دادا سے بھی بہت محبت تھی)۔

سمجھنے کی بات ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ جناب محمد بن اسامہ رضی اللہ تعالی عنہ سے عمر میں بھی بڑے تھے، علم و فضل بھی کہیں زیادہ تھا، شرفِ صحابیت میں تو ہمسری ہو ہی نہیں سکتی، اس کے باوجود آپ نے شہزادے کی تعظیم کی، حالانکہ اِن کا آپ ﷺ کے ساتھ کوئی خونی رشتہ بھی نہیں تھا، صرف یہ بات پیشِ نظر تھی کہ اِن باپ دادا رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے۔ اگر اس نسبت کی اتنی تعظیم ہے تو اُن کی شان کا کیا عالم ہو گا جن کے بارے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے کہا: ”خونِ خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر... اُن کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام“

صحابہ و اہل بیت پر اعتراض: انسانوں میں معصوم صرف انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ صحابۂ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم معصوم نہیں تھے، اگرچہ اللہ تعالی اپنے پیاروں کو محفوظ رکھتا ہے۔ کسی بھی شخص کو یہ اِجازت نہیں کہ وہ اُن پر اعتراض کرے یا بے ادبی کے انداز میں اُن کے کسی قول و فعل کا تذکرہ کرے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے تمام اعمال کو جانتے ہوئے اُن سے مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: { وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ } [الحدید 10:57] اور ہر ایک (صحابی) سے اللہ تعالیٰ جنت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کروگے۔

صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: تو جب اُس (اللہ) نے اُن کے تمام اعمال جان کر حکم فرمادیا کہ اُن سب سے ہم جنتِ بے عذاب و کرامت و ثواب کا وعدہ فرما چکے تو دوسرے کو کیا حق رہا کہ اُن کی کسی بات پر طعن کرے...؟ کیا طعن کرنے والا اللہ (عزوجل) سے جُدا اپنی مستقل حکومت قائم کرنا چاہتا ہے؟ (بہار شریعت، ج:1 (الف)، ص:255)

حرفِ آخر: موجودہ دور فتنوں کا دور ہے، اپنوں کے روپ میں بیگانے بھی ایمان لوٹنے کے درپے ہیں۔ ایسے میں ہمیں ایمان کی سلامتی کی دعائیں بھی کرنی چاہییں اور ایمان بچانے کی فکر بھی۔ ایمان کے لیے ادب اور تعظیم کی حفاظت بہت ضروری ہے، ایسی بات کبھی بھی نہ اپنی زبان پر لائیں نہ دوسرے سے سنیں جس سے تعظیم اور ادب میں کمی آتی ہو۔ اپنے والدین، اساتذہ اور صحیح العقیدہ علماء و مشائخ سے ادب کا آغاز کریں، جب اِن کی تعظیم دل میں ہو گی تو بڑے لوگوں (بزرگانِ دین اور صحابہ و اہل بیت) کی تعظیم کا بھی سلیقہ آئے گا، جو اپنی زبان کو بزرگوں کی بے ادبی سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے رسول کریم ﷺ اور اپنی بارگاہ کی بے ادبی سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔

{رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ}[آل عمران 8:3] اے ہمارے رب! تو نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی، اس کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، بے شک تو بہت عطا فرمانے والا ہے۔

{إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعاً لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ.} (الانعام 6: 159) (مفہوم) جنہوں نے مسلمانوں کی اکثریت کے عقائد چھوڑ کر نئے راستے اختیار کیے اور فرقے بنا لیے آپ کا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔

فتنوں کے دور میں ایمان کی حفاظت (حصہ دوم)

آغازِ سخن: اللہ عزوجل نے جسمانی اعضا اور قوتیں صرف انسان کو ہی نہیں عطا کیں بلکہ دیگر حیوانات کو بھی اِن سے نوازا ہے، باقی جاندار بھی سنتے اور دیکھتے ہیں، بلکہ بعض جانوروں میں یہ قوتیں انسانوں سے بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ یعنی انسان کا دیگر مخلوقات سے امتیاز جسمانی قوت کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کا امتیاز یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اُسے اِن اعضا اور قوتوں کے ساتھ ساتھ عقل عطا کرکے اِنھیں استعمال کرنے کا سلیقہ بھی سکھایا ہے۔ مزید کرم نوازی یہ بھی کہ ممکن تھا عقل خطا کرے اور انسان کو غلط راستے پر لگا دے، اللہ تعالی نے عقل کی راہ نمائی کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، پھر سب سے آخر میں سید الانبیا ﷺ کو بھیجا اور اُنھیں سب سے افضل، آسان اور کامل شریعت عطا فرمائی۔

ظاہر ہے کہ جب نعمت اپنے کمال اور عروج پر ہو تو اُس کی قدر دانی کرنے والا بھرپور فائدہ اُٹھاتا ہے اور ناقدری کرنے والا نہایت نقصان پاتا ہے۔ نبی آخر الزمان ﷺ تمام انبیا میں افضل، اُن پر نازل ہونے والی کتاب تمام کتابوں سے افضل، اُن کی شریعت تمام شریعتوں سے افضل، اُن کا زمانہ تمام زمانوں سے افضل۔ احسانات کے اِس تلاطم میں اگر انسان اُن کے دین پر عمل کرے تو اتنی بلندیوں تک پہنچ جاتا ہے کہ بعض اوقات فرشتوں سے بھی افضل ہو جاتا ہے۔ پھر حیدر کرار رضی اللہ تعالی عنہ کے بازو میں ''قوتِ پروردگار'' آجاتی ہے اور داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا چہرہ ''مظہر نورِ خدا'' ہو جاتا ہے۔ اور اُن کا دین چھوڑ دے تو اس قدر پستیوں کا شکار ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا: {أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ} [الاعراف 7:179] یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ (بدتر ہونے کی کئی وجوہات ہیں: (1) جانوروں میں اللہ تعالیٰ کی آیات سمجھنے کی قوت ہی نہیں لہٰذا اگر وہ نہ سمجھیں تو معذور ہیں لیکن کفار کے اعضا میں یہ قوت ہے، پھر بھی وہ اس سے کام نہیں لیتے۔ (2) چوپایہ بھی اپنے نفع کی طرف جاتا ہے اور ضرر والی چیز سے پیچھے ہٹتا ہے، لیکن کافر جہنم کی راہ پر چل کر اپنا ضرر اختیار کرتا ہے۔ (3) جانور اپنے مالک کے کہنے پر چلتے ہیں، جبکہ کافر نافرمان اپنے مالک حقیقی خداوندِ قدوس کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں)

نبی کریم ﷺ اللہ تعالی کے دیے ہوئے علم سے یہ جانتے تھے کہ قیامت کے قریب بے شمار فتنوں کے سبب اُمت کے ایمان کو خطرات لاحق ہوں گے، چنانچہ آپ ﷺ نے اُمت کو اُن فتنوں کی خبر بھی دی اور اُن میں اپنا ایمان بچانے کے حوالے سے راہ نمائی بھی فرمائی۔

گزشتہ خطبہ کی طرح آج بھی اِس حوالے سے گفتگو ہوگی کہ ہمیں ایمان کی حفاظت کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

پُر فتن دور کی صورتِ حال

☆ گزشتہ خطبہ میں یہ حدیث پاک مذکور ہوئی: (مفہوم) جلدی جلدی اچھے اعمال کرلو، اس سے پہلے کہ اندھیری رات کے ٹکڑوں جیسے فتنے پیدا ہوں (جیسے رات کی تاریکی میں کچھ نظر نہیں آتا ایسے ہی اُن خطرناک فتنوں میں حق اور باطل کے درمیان فرق کرنا مشکل ہوگا)، آدمی صبح کو مؤمن ہوگا اور شام کو کافر، یا شام کو مؤمن ہوگا اور صبح کو کافر (لوگ ایمان کے بارے میں اتنے سُست اور لاپرواہ ہو جائیں گے کہ بہت جلد ایمان کی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے)، انسان معمولی دنیوی دولت کے لیے اپنا ایمان بیچ دے گا۔ (صحیح مسلم، حدیث:328)

☆ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ اَلصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ. (جامع ترمذی، حدیث:2260) مفہوم یہ کہ لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ جیسے کسی شخص کی مٹھی میں کوئلہ ہو تو اُسے نہایت تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے، ایسے اُس زمانے میں اپنے دین کی حفاظت پر صبر کرنے والے کو نہایت مشقت اُٹھانا پڑے گی۔

☆ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے: میں نے تمہارے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: «...لَا يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ إِلَّا الَّذِي بَعْدَهٗ شَرٌّ مِنْهُ، حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ.» (صحیح بخاری، حدیث:7068) شرحِ حدیث کے ساتھ مفہوم یہ کہ جب تک تم زندہ ہوا کثر ایسا ہی ہوگا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں میں شر بڑھتا جائے گا، ہر دور میں لوگوں کے اندر برائیاں پہلوں سے بڑھ کر ہوں گی (کیونکہ ہر دور میں صالحین اور علما اُٹھتے چلے جائیں گے)۔ (ملخص از مرقاۃ المفاتیح للقاری، والتیسیر للمناوی)

پُر فتن دور میں کیا کرنا چاہیے؟

گزشتہ خطبہ میں گزرا کہ موجودہ دور میں ایمان بچانے کے لیے "ایمان کی فکر" کے ساتھ ساتھ "فتنوں اور فتنہ پروروں سے دوری" اور "تعظیم وادب پر استقامت" کی کوشش کرنی چاہیے۔ مزید کچھ اہم نکات بھی لائقِ توجہ ہیں۔

ایمان کی حفاظت کی دعا: ایمان اور ہدایت کی توفیق بہت بڑی سعادت ہے، لیکن اس کا فائدہ تبھی ہے جب اسی سعادت پر موت نصیب ہو۔ اگر کوئی شخص پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے احسان سے ہدایت پر رہے لیکن مرتے وقت اُس کی بداعمالیوں کے سبب ہدایت چھن جائے تو وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ.» اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث:6607)

اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ایمان بچانا ممکن نہیں، چنانچہ ایمان کی حفاظت کا ایک اہم ذریعہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بکثرت ایمان پر استقامت کی دعا کی جائے۔ قرآن مجید میں ہے کہ علمِ دین کے ماہر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں: {رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ} [آل عمران 3:8] اے ہمارے رب! تونے ہمیں ہدایت عطا فرمائی، اس کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، بے شک تو بہت عطا فرمانے والا ہے۔

علمائے کرام نے لکھا: اس آیت مبارکہ میں سکھائی گئی دعا بکثرت کرتے رہنا خاتمہ بالخیر کے لیے مفید ہے۔ (صراط الجنان)

رسول اللہ ﷺ نے دعا تعلیم فرمائی: «اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ شَيْئًا وَّاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَا اَعْلَمُ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ.» اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ جان بوجھ کر تیرے ساتھ کسی کو شریک بناؤں اور جو میں نہیں جانتا اُس کے بارے میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں۔ بے شک تو دانائے غیوب ہے۔

علمائے کرام نے لکھا: صبح، شام یہ دعا پڑھ لی جائے تو ارشادِ نبوی کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ ایمان محفوظ رہے گا۔ (در مختار)

نوٹ: کتب احادیث میں درج بالا دعا کے یہ کلمات بھی مذکور ہیں: "اَللّٰھُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ نُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا نَعْلَمُهُ، وَنَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا نَعْلَمُ." (مسند احمد، حدیث:19606)

علم دین کا حصول: جس شخص نے اپنی قیمتی شے کی حفاظت کے لیے کوئی اہتمام نہ کیا ہو اُسے جلد لوٹا جاسکتا ہے، اس کے برعکس جس نے کئی حفاظتی حصار قائم کر رکھے ہوں اولاً تو لٹیرے اُس تک پہنچنے کی کوشش ہی نہیں کرتے اور کوشش کریں بھی تو ناکام ہو جاتے ہیں۔ علمِ دین ایمان کے لیے گویا ایک حفاظتی حصار اور آہنی باڑ ہے، جو شخص دین کا علم رکھتا ہے اولاً تو دین دشمن اُسے گمراہ کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے، کریں بھی تو ناکام ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالی علمِ دین کی برکت سے ایمان کی حفاظت فرماتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص دین کا علم نہیں رکھتا، اُسے کوئی بھی فتنہ پرور آسانی سے اپنے جال میں پھنسا سکتا ہے۔ آج سوشل میڈیا پر کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو قرآن وسنت کا غلط ترجمہ اور نئی تشریحات کرکے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں، سننے والے اپنی لاعلمی کی وجہ سے یہی سمجھتے ہیں کہ اُنھیں قرآن وسنت کی تعلیم دی جارہی ہے۔ ہمارے نظامِ تعلیم کا حال یہ ہے کہ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اس نظام سے گزرنے والوں کے بارے میں کہا:

خوش تو ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر ۔۔۔ لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے آہ بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم ۔۔۔ کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا اِلحاد بھی ساتھ

قیامت کے قریب علمِ دین سے غفلت: علمِ دین کے حوالے سے ہماری جو صورتِ حال ہے اس کی خبر بھی جانِ کائنات صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے عطا فرمائی۔

☆ رازدارِ رسول، سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالی عنہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں: "يُدْرَسُ الْإِسْلَامُ كَمَا يُدْرَسُ وَشْيُ الثَّوْبِ، حَتّٰى لَا يُدْرٰى مَا صِيَامٌ وَلَا صَلَاةٌ وَلَا نُسُكٌ وَلَا صَدَقَةٌ..." (سنن ابن ماجہ:4049) رفتہ رفتہ اسلام (کے آثار اور اُس کا علم) یوں ختم ہو جائے گا جیسے (پرانا ہونے پر) کپڑے کا نقش ونگار مٹ جاتا ہے، حتی کہ لوگوں کو نماز، روزہ وغیرہ بنیادی دینی چیزوں کا بھی علم نہیں ہو گا۔

☆ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے معلمِ کائنات صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے روایت کیا: «تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ، وَتَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهَا النَّاسَ، وَتَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ، فَإِنِّي مَقْبُوضٌ، وإِنَّ الْعِلْمَ سَيُنْقَصُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ حَتّٰى يَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِي فَرِيضَةٍ لَا يَجِدَانِ أَحَدًا يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا.» (سنن نسائی الکبری، حدیث:6306) قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، علمِ دین سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، بے شک میرا وصال ہو جائے گا، اور علم کم ہونے لگے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے، حتی کہ دو افراد کا کسی فریضہ (دین کے کسی فرض یا میراث کے مسئلہ) میں اختلاف ہو گا اور اُنھیں کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جس کے پاس دین کا علم ہو اور اُن میں فیصلہ کر دے۔

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ جانِ رحمت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتّٰى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا.» (صحیح بخاری، حدیث:100) یعنی اللہ تعالی قیامت کے قریب دین کا علم اٹھا لے گا، ایسا نہیں ہو گا کہ سینے

سے علم کھینچ لیا جائے اور لوگ پڑھا ہوا بھول جائیں، بلکہ علما کی وفات کے ذریعے علم اٹھا لیا جائے گا (پہلے والے علما دنیا سے چلے جائیں گے اور مزید لوگ علم دین حاصل نہیں کریں گے)، حتیٰ کہ جب کوئی عالم نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو راہ نما اور پیشوا بنالیں گے، اِن جاہلوں سے مسائل پوچھے جائیں گے، وہ بغیر علم فتویٰ دیں گے (قرآن وسنت سے راہ نمائی کے بجائے اپنی طرف سے بتاتے رہیں گے) تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پہلے لوگ دینی مسائل میں علمائے کرام اور مفتیانِ عظام سے راہ نمائی لیتے تھے، آج چینلز پر بیٹھ کر اینکر اور اداکار ہمیں دین سکھا رہے ہیں۔ پہلے کوئی کام شروع کرنے سے پہلے دینداروں سے مشورہ کیا جاتا تھا، اب نجومیوں سے پوچھتے ہیں: یہ کام اچھا رہے گا یا نہیں؟ بزنس کا ایشو ہو یا رشتوں کا، اُس کے بارے میں ہر پہلو پر غور کرتے ہیں، اگر نہیں پوچھتے تو یہی کہ "شریعت نے اِسے جائز قرار دیا ہے یا نہیں؟"

حدیث پاک سے تربیت: ان احادیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے جہاں قربِ قیامت کے حالات بیان کیے وہیں ایمان بچانے کا ذریعہ ارشاد فرمایا: "قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، علمِ دین سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ"۔ عنقریب مدارسِ دینیہ میں تعلیمی سلسلہ کا دوبارہ سے آغاز ہونے والا ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد مبارک پر عمل کے لیے ہم خود بھی علمِ دین سیکھیں اور اپنے بچوں کو بھی اس راہ پر چلائیں۔ اُس گھر والوں کے ایمان کی دین دشمنون سے کون حفاظت کرے گا جہاں ایک بھی شخص دین کا علم نہ رکھتا ہو! اولاد کے لیے والدین کی طرف سے اور چھوٹے بہن بھائیوں کے لیے بڑے بھائی کی طرف سے سب سے بڑا تحفہ یہ ہے کہ وہ اُنھیں دینی تعلیم وتربیت فراہم کریں۔

بدمذہبوں اور بدکرداروں سے دوری: ہر شخص کو معلوم ہے کہ انسان پر اپنے ہم نشینوں کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ انسان جن کے پاس اُٹھتا بیٹھتا ہو، جن کی باتیں سنتا ہو، جن کے ساتھ کھاتا پیتا ہو اُنھیں جیسا بن جاتا ہے۔ ایمان کی حفاظت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ بدمذہبوں اور بدکرداروں کے ساتھ میل جول سے پرہیز برتی جائے۔

☆ بدمذہب وبدعقیدہ ایسے بدبخت ہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا: "آپ کا اِن سے کوئی تعلق نہیں"۔ {إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعاً لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ.} (الانعام159:6) مفہوم یہ کہ: جنھوں نے مسلمانوں کی اکثریت کے عقائد چھوڑ کر نئے راستے اختیار کیے اور فرقے بنالیے آپ کا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ (ملخص از کنز الایمان وخزائن العرفان) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے اِس آیت مبارکہ سے متعلق فرمایا: هُمْ أَهْلُ الْبِدَعِ وَالْأَهْوَاءِ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ. (المعجم الاوسط، حدیث:664)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی طویل حدیث پاک میں یہ کلمات بھی ہیں: عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ .... مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ... (جامع ترمذی، حدیث:2165) یعنی تم پر لازم ہے کہ مسلمانوں کی جماعت (اکثریت، سوادِ اعظم) کے نظریات پر قائم رہو اور اُن کی اتباع کرو، اور فرقوں (اکثریت کے نظریات چھوڑنے والے گمراہوں) سے بچو.... جو جنت کے وسط میں (اعلیٰ) محل کی خواہش رکھتا ہو وہ جماعت (سوادِ اعظم) کی اتباع کرے۔ یہی مفہوم دیگر کئی احادیث پاک میں بھی ارشاد فرمایا گیا۔

کسی فرقہ سے تعلق نہیں: آج کل ایک بات بہت مشہور ہو رہی ہے کہ "میرا کسی فرقہ سے تعلق نہیں"۔ بلاشبہ فرقوں سے تعلق نہیں ہونا چاہیے، مگر رسول اللہ ﷺ نے جماعت (اکثریت) کے نظریات اختیار کرنے کو لازم قرار دیا ہے۔ مفسرین و محدثین اور فقہاء و اولیائے کرام نے تصریح فرمائی کہ "جماعت، سوادِ اعظم" کا مصداق اہل سنت و جماعت ہیں۔ یعنی "سنی" ہونا فرقہ پرستی نہیں جس کی مذمت کی گئی ہے، یہ تو جماعت پرستی ہے جسے لازم کیا گیا ہے۔

حرفِ آخر: آمنہ کے چاند ﷺ کے ساتھ نسبت کی وجہ سے ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی رحمتیں حاصل کرنے کے جتنے مواقع ہیں اتنے پہلی اُمتوں کو میسر نہیں تھے۔ اِن تمام رحمتوں کا ذریعہ اور بنیاد "ایمان" ہے۔ ایمان ہے تو رحمتیں اور آخرت کی عزتیں ہیں، معاذ اللہ ایمان نہیں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رائی کے دانے برابر بھی عزت نہیں اور آخرت میں دائمی عذاب کے علاوہ کچھ نہیں۔

فتنوں کے اس دور میں کائنات کی اس سب سے قیمتی شے کی حفاظت کے لیے ہمیں چند اُمور پیش نظر رکھنے چاہئیں:

⇐ ایمان کی حفاظت کے لیے نہایت فکر مند اور محتاط ہونا چاہیے، کیونکہ انسان جس چیز کے بارے میں لاپرواہ ہو اُسے جلد ضائع کر بیٹھتا ہے۔

⇐ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اخلاص کے ساتھ ایمان سلامت رہنے کی دعائیں کرنی چاہئیں، اکرم الاکرمین کے کرم سے یہی اُمید ہے کہ وہ اپنی بارگاہ سے بھلائی مانگنے والے کو مایوس نہیں کرتا۔

⇐ ایمان کی حفاظت کے لیے علمِ دین حاصل کرنا ضروری ہے۔ گھر کے کم از کم ایک فرد کو ضرور عالم بنانا چاہیے، اگر یہ سعادت میسر نہ ہو تو ضرور بالضرور روزانہ کی بنیاد پر کچھ نہ کچھ علم دین سیکھنا چاہیے۔ صحیح العقیدہ سُنّی علما کی کتابوں کا مطالعہ کر کے، اُن کے بیانات سن کر، اُن کے پاس نشست و برخاست اور بامقصد سوال و جواب کے ذریعے روزانہ کم از کم دین کی ایک بات تو ضرور سیکھنی چاہیے۔

⇐ بدمذہبوں، گمراہوں، فتنہ پروروں اور بزرگوں سے دور کرنے والوں کی صحبت ایمان کے لیے زہر قاتل ہے، قرآن کریم کے مطابق ایسے لوگوں سے تعلق رکھنے والا قیامت کے دن افسوس کرے گا مگر اُس وقت افسوس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ (الفرقان:27،28) ایمان کی حفاظت اور ترقی کے لیے دین سے محبت رکھنے والے اور اُس پر عمل کرنے والے صحیح العقیدہ عاشقانِ رسول سے تعلق مضبوط کرنا چاہیے، قرآن مجید کے مطابق اِن کی دوستی قیامت کے دن بھی فائدہ دے گی۔ (الزخرف:67)

⇐ ایمان کی حفاظت کے لیے ادب اور تعظیم کی حیثیت بنیاد کی ہے۔ اپنے والدین، اساتذہ، صحیح العقیدہ علماء و مشائخ، اور سب سے بڑھ کر صحابہ و اہل بیت اور اُن سے بھی بڑھ کر جانِ کائنات ﷺ کی تعظیم ایمان پر خاتمہ کا بہترین ذریعہ ہے۔ بزرگوں نے خوب فرمایا:

کردم از عقل سوالے کہ بگو ایمان چیست؟
عقل در گوشِ دلم گفت کہ ایمان ادب است

چشم بکشا و ببیں جملہ کلام اللہ را
آیہ آیہ ہمگی معنیٔ قرآن ادب است

{وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌo اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ.} [الحج22:41،40]

{وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا.}

[النساء4:93]۔

ریاستِ مدینہ میں شہریوں کا تحفظ

آغازِ سخن: نبی کریم ﷺ کائنات کی سب سے بڑی صاحب کمالات شخصیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر صفتِ کمال عروج کے اعلیٰ ترین درجہ پر عطا فرمائی۔ انبیاورُسُل علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِمُ الصَّلوٰۃُ والسَّلَام میں بھی آپ کی شان سب سے اعلیٰ وارفع ہے، آپ سب سے بڑے قانون دان ہونے کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ بااختیار قانون ساز بھی ہیں، سپہ سالاری بھی آپ پر فخر کرتی ہے، حقیقی سیاست، حکمرانی اور جہاں بانی میں بھی کوئی آپ کا ثانی نہیں، فلاحِ انسانیت کے لیے جو کاوشیں آپ نے کیں اُن کی نظیر ملنا بھی ناممکن ہے، حتیٰ کہ نجی اور گھریلو معاملات میں بھی آپ جیسا کہیں نظر نہیں آتا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے خوب کہا:

تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بَرِی
حیراں ہوں میرے شاہا مَیں کیا کیا کہوں تجھے

کہہ لے گی سب کچھ اُن کے ثناخواں کی خامُشی
چپ ہو رہا ہے کہہ کے مَیں کیا کیا کہوں تجھے

لیکن رضا نے ختم سخن اِس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خَلق کا آقا کہوں تجھے

یہ کہنا بھی سو فیصد درست ہے کہ آپ ﷺ خود تو صاحبِ کمالات تھے ہی جو آپ ﷺ کی بارگاہ میں صدق واخلاص سے حاضر ہوا آپ نے اُسے بھی کامل بلکہ دوسروں کو کمال دینے والا بنا دیا۔ اکبر الہٰ آبادی نے کہا:

دُرّ فِشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

رحمتِ جہاں ﷺ کی حیاتِ اقدس کا ایک حسین پہلو آپ کا "بے مثال طرزِ حکومت" ہے۔ آپ ﷺ نے مدینہ پاک میں عظیم الشان اسلامی فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی اور پھر اُسے ایسی کامیابی سے چلایا کہ قیامت تک "ریاست مدینہ" کی مثالیں پیش کی جائیں گی۔ آپ ﷺ آنے والی نسلوں کو ریاست وسیاست کے ایسے اُصول بھی عطا فرمائے کہ جو بھی حقیقی معنوں میں کامیاب ریاست قائم کرنا چاہے اُسے ریاستِ مدینہ کے اُصولوں سے راہ نمائی لینا پڑے گی۔

2018ء کے الیکشن کے بعد جب موجودہ وزیر اعظم نے پاکستان کو ریاستِ مدینہ کے اُصولوں کے مطابق چلانے کا عزم ظاہر کیا تو اہلِ پاکستان میں ایک نئی اُمید پیدا ہوئی کہ مدینہ شریف کی خیرات سے اب یہ ملک مثالی بنے گا؛ کیونکہ ہر صاحبِ شعور جانتا ہے کہ یہ مُلک اسلام کے نام پر بنا تھا اور اِس کی بقا اور ترقی بھی اسلامی نظام کے ساتھ ہی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ خدشہ سچ ثابت ہونے لگا کہ یہ نعرہ صرف لوگوں کے جذبات سے کھیلنے کے لیے لگایا گیا تھا؛ کیونکہ اب تک نہ تو حکمرانوں میں کوئی ایسی خوبی نظر آئی ہے جو ریاستِ مدینہ کے والیان میں ہونی چاہیے اور نہ ہی نظام میں ریاستِ مدینہ کا کوئی رنگ نظر آیا ہے، بلکہ آئے روز کوئی نہ کوئی ایسی بات سامنے آجاتی ہے جو مسلمانوں کے لیے تکلیف دہ ہوتی ہے اور اسلام دشمن اُس سے خوش ہوتے ہیں۔

ریاستِ مدینہ میں ریاست کے ذمہ دار شہریوں کے جان ومال کے بارے میں جواب دہ ہوتے ہیں اور اُن کے اولین فرائض میں یہ بھی شامل ہوتا ہے کہ کوئی شہری خود غیر محفوظ تصور نہ کرے۔ ہر شہری یہ یقین رکھتا ہو کہ اگر میرے ساتھ ظلم ہوا تو قانون مجھے میرا حق دلائے گا، مگر افسوس کہ یہاں والیانِ ریاست سے تحفظ فراہم کرنے کی توقع تو دُور کی بات ہے عوام کو اُنہیں سے خوف محسوس ہونے لگا ہے، ایسا لگتا ہے کہ بکریوں کی حفاظت کے لیے بھیڑیے مقرر ہیں اور اسلامی مملکت کو چلانے کے لیے کفر کے ایجنٹ مسلط ہیں۔

چند دن پہلے اسلام آباد میں انٹر میڈیٹ کے ایک طالبِ علم اسامہ ندیم کو پولیس نے گولیاں مار کر قتل کر ڈالا، ابتدائی تحقیقات کے مطابق اُس نوجوان کے پاس سے کوئی اسلحہ بھی برآمد نہیں ہوا۔ اگرچہ تحقیقات کے لیے جے آئی ٹی تشکیل دی جاچکی ہے مگر ماضی میں ایسے واقعات پر کبھی انصاف کے تقاضے پورے نہیں کیے گئے، اللہ کرے کہ اب انصاف کا خون نہ ہو۔ اسی طرح رواں ہفتے میں بلوچستان کے علاقے مچھ میں گیارہ کان کُنوں کو اِغوا کر کے قتل کر دیا گیا۔ آئے روز قتل اور عزت لوٹے جانے والے واقعات مزید عام ہو رہے ہیں۔

آج کے خطبہ میں اس حوالے سے گفتگو ہو گی کہ حقیقی ریاستِ مدینہ کا کیا تعارف ہے؟ اور ریاستِ مدینہ میں شہریوں کے جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کتنی اہمیت کی حامل ہے۔

والیانِ ریاستِ مدینہ کا قرآنی تعارف اور انعام

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں یہ ذکر فرمایا کہ محبوبِ خدا ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جو خوش نصیب آپ کی جانشینی میں ریاستِ مدینہ سنبھالیں گے اُن میں کیا خوبیاں ہوں گی اور اُنہیں بارگاہِ الٰہی سے کیا اِنعام ملے گا۔ ارشاد ہے: { وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌo اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ. } [الحج22:41،40] ”جو اللہ تعالی کے دین کی مدد کرے اللہ تعالی ضرور اُس

کی مدد فرمائے گا، بے شک اللہ تعالی قدرت والا غالب ہے۔ وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو نماز قائم رکھیں اور زکوۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں اور بُرائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے"۔

آیت مبارکہ میں ریاستِ مدینہ کو آگے بڑھانے والے خلفائے راشدین علیہم الرضون کے بارے میں پہلے سے یہ بتایا گیا تھا کہ:

- مسندِ حکومت پر بیٹھ کر وہ اپنے رب کی یاد سے غافل نہیں ہوں گے، بلکہ نماز ادا کرنے کے ساتھ ساتھ نظامِ نماز بھی قائم کریں گے۔
- ملک کے خزانوں کی کنجیاں اُن کے ہاتھ میں آئیں گی تو وہ انہیں اپنے ذاتی آرام و آسائش اور عیش و عشرت میں صرف نہیں کریں گے، نظامِ زکوٰۃ وغیرہ کے ذریعے دولت کی منصفانہ تقسیم کریں گے۔
- ان کے اقتدار کے جھنڈے کے نیچے بدکاری اور فسق و فجور پروان نہیں چڑھیں گے، بلکہ اُن کے کردار اور قائم کردہ نظام کی ایسی برکت ہوگی کہ جہاں ان کے مبارک قدم پہنچیں گے وہاں نیکی اور تقویٰ کے چمنستان لہلہانے لگیں گے۔

جب وہ ایسے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالی کے دین کے خدمت گزار اور مددگار ہوں گے تو اللہ تعالی اُنہیں کسی بھی میدان میں سرنگوں نہیں ہونے دے گا، بلکہ اللہ تعالی کی مدد اُن کے ساتھ ہوگی اور وہ ہر میدان میں کامیابی کے جھنڈے گاڑیں گے۔

نظامِ ریاستِ مدینہ سے رُوگردانی کا انجام

اللہ تعالی نے اپنے محبوب ﷺ کو جو دین عطا کیا وہ مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ آپ ﷺ نے ریاست مدینہ میں جس طرح اس دین کا نفاذ کیا وہ قیامت تک کے لیے مینارۂ نور ہے۔ اللہ تعالی نے اِس دین کو اپنے ذاتی معاملات سے لے کر ملکی اور بین الاقوامی معاملات تک مکمل طور پر نافذ کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: {يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ.} [البقرة2:208]"اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔ یعنی ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ زندگی کے بعض معاملات سے متعلق تم اسلام کو اپناؤ اور باقی اُمور میں یہ دیکھو کہ دنیا کیا کر رہی ہے، عبادات تو دین کے مطابق کر لو اور ریاستی نظام کے بارے میں یورپ کا منہ تکتے رہو، نہیں! یہ دین مستقل ضابطۂ حیات اور مکمل دستورِ زندگی ہے۔ اسے چھوڑ کر کسی دوسرے نظام کو اپنانا دونوں جہانوں میں نقصان کا سبب ہے۔

ریاستِ مدینہ کے اُصول چھوڑ کر دوسرا نظام اختیار کرنے، کتاب و سنت کو چھوڑ کر نت نئے قوانین نافذ کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے جانِ رحمت ﷺ کا ارشاد نقل کیا، جس کے آخر میں یہ جملہ بھی ہے:"وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللهِ وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللهُ إِلَّا جَعَلَ اللهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ۔" (سنن ابن ماجہ، حدیث:4019) یعنی "جب مسلم حکمران اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہ کریں اور اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کو اختیار نہ کریں تو اللہ ان کو آپس کی جنگوں میں مبتلا کر دے گا"۔

اقبال علیہ الرحمہ نے فرمایا:

زَمِستانی ہوا[1] میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھُوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحَر خیزی

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جُدا ہو دِیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضی کی نشانی: رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے: «إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِقَوْمٍ خَيْرًا وَلّٰى عَلَيْهِمْ حُلَمَاءَهُمْ وَقَضٰى بَيْنَهُمْ عُلَمَاؤُهُمْ وَجَعَلَ الْمَالَ فِيْ سَخَايَاهُمْ، وَإِذَا أَرَادَ بِقَوْمٍ شَرًّا وَلّٰى عَلَيْهِمْ سُفَهَاءَهُمْ وَقَضٰى بَيْنَهُمْ جُهَّالُهُمْ وَجَعَلَ الْمَالَ فِيْ بُخَلَاءِهِمْ.» (الفردوس بماثور الخطاب للدیلمی، حدیث: 954) یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اُن کے بردبار لوگوں کو ذمہ داری (حکومت) عطا کرتا ہے، اور اُن کے علما اُن میں فیصلے کرتے ہیں اور مال اُن کے سخی لوگوں کو دیتا ہے۔ اور جب اللہ عزوجل کسی قوم کو سزا دینے کا ارادہ فرمائے تو اُن کے احمقوں کو ذمہ دار بنا دیتا ہے، اُن کے جاہل جج بن کر فیصلے کرتے ہیں اور مال اُن کے بخیلوں کو دیتا ہے۔

ریاستِ مدینہ کی ایک خوبصورت مثال

یزید اور اُس کے بعد کے حکمرانوں نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین کی ریاستِ مدینہ کو ظالمانہ بادشاہت میں بدل دیا۔ 99ھ / 717ء میں سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالی خلیفہ بنے تو پھر سے ریاست مدینہ کی یادیں تازہ کر دیں۔ خلیفہ بننے کے بعد آپ کو شاہی سواری پیش کی گئی تو فرمایا: میرے لیے میرا خچر ہی کافی ہے، یہ سواریاں بیت المال میں جمع کر دو۔ پروٹوکول آفیسر سواری کی لگام تھامنے کے لیے آگے بڑھا تو فرمایا: مَیں بھی تمہاری ہی طرح ایک عام مسلمان ہوں، پروٹوکول کی کوئی ضرورت نہیں۔ شاہی خیمے دیکھ کر فرمایا: مجھے پہلے والا خیمہ کافی ہے، یہ خیمے بیت المال میں شامل کر دو۔ حتی کہ پہلے خلیفہ کی خوشبو اور اُس کا خاص تیل بھی بیت المال میں جمع کرا دیا۔ سابقہ خلفا کے پاس 300 دربان اور 300 سپاہی حفاظت کے لیے رہا کرتے تھے، جب آپ خلیفہ بنے تو سپاہیوں اور دربانوں سے فرمایا: مجھے تمہاری حفاظت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میرے پاس قَضَا وقَدَر (تقدیر) کے نگہبان موجود ہیں (جو وقت مقرر

[1] سرد ہوا / موسم بہار کی ہوا

سے پہلے مجھے موت نہیں آنے دیں گے)۔ آپ کی تنخواہ صرف دو درہم تھی، یعنی گورنروں کی تنخواہیں زیادہ تھیں اور خلیفہ کی تنخواہ کم تھی۔ اہلیہ کو سابقہ خلفانے اپنی رشتہ داری کی بناپر جو زیوارات دیے تھے وہ بھی بیت المال میں جمع کرادیے۔

خلیفہ بنتے ہی اِعلانِ عام کروادیا کہ جن لوگوں کے مال وجائیداد پر کسی نے بھی قبضہ کرر کھا ہے وہ اپنی شکایتیں پیش کریں، اُنھیں اُن کا حق دلایا جائے گا۔ اسی طرح جو بھی اَموال وجائیدادیں وغیرہ شاہی خاندان کے پاس ناحق موجود تھیں وہ سب کی سب حق داروں کو واپس کرادیں اور کسی حق دبانے والے کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی۔

اُس دور کے لوگ کہتے ہیں: سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالی عنہ سے پہلے خلیفہ ولید بن عبد الملک عمارات وغیرہ کا بانی تھا، لوگ جب اس کے زمانے میں آپس میں ملتے تھے تو صِرف عمارتوں کو بنانے، خریدنے کے بارے میں ہی گفتگو ہوتی تھی۔ پھر سلیمان بن عبد الملک کا دور آیا، یہ کھانے پینے اور نکاح کا شوقین تھا، اِس کے عہد میں لوگ شادیوں اور کنیزوں کی باتیں کیا کرتے۔ وَكَانَتْ هِمَّةُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فِي قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ، وَفِي الصَّلَاةِ وَالْعِبَادَةِ، وَكَانَ النَّاسُ كَذٰلِكَ، يَلْقَى الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَيَقُولُ: كَمْ وِرْدُكَ؟ كَمْ تَقْرَأُ كُلَّ يَوْمٍ؟ مَاذَا صَلَّيْتَ الْبَارِحَةَ؟ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالی کی توجہ تلاوت، نماز اور عبادت کی طرف تھی، چنانچہ آپ کے دور میں جب لوگ آپس میں ملتے تو عبادات کے بارے میں ہی گفتگو ہوتی اور وہ ایک دوسرے سے پوچھتے: تم کتنا وظیفہ پڑھتے ہو؟ تم کتنے پارے تلاوت کرتے ہو؟ کتنا قرآن پاک یاد کر لیا؟ قرآن کریم کی تلاوت کب مکمل کروگے؟ رات نوافل کتنے پڑھے تھے؟ مہینے میں کتنے روزے رکھتے ہو؟ وغیرہ (البدایہ والنھایہ)

کاش! ریاستِ مدینہ کی بات کرنے والے اپنے اندر ریاستِ مدینہ والوں کی کوئی تو خوبی اختیار کرلیں، ان شاء اللہ تعالی رعایا میں بھی اُس کی بہار نظر آنے لگے گی۔

ریاستِ مدینہ میں جان ومال اور عزت کا تحفظ

نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ظاہری حیاتِ مبارکہ کا زمانہ ہو یا آپ کے خلفائے راشدین علیہم الرضوان کا دور، ریاستِ مدینہ میں ہر مسلمان کی جان بھی مکمل محفوظ تھی اور ہر ایک کا مال و آبرو بھی۔ مدتوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے باہم شیر وشکر ہوگئے تھے۔ وہ لوگ جن کی نظروں میں انسانی جان کی قیمت جانور سے بھی کم تھی ریاستِ مدینہ کا یہ اثر ہوا کہ اُن کی نظر میں مسلمان کی جان ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہوگئی۔ اتنی بڑی تبدیلی کیسے آئی؟ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کے لیے اخلاقی تربیت بھی فرمائی، احساسِ جواب دہی بھی بیدار کیا اور قانون کی بالا دستی بھی قائم فرمائی۔

تربیت: آپ ﷺ نے مختلف احادیث میں خونِ مسلم کی حرمت بیان فرمائی۔

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے، جانِ جہاں ﷺ نے فرمایا: «لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ» (جامع ترمذی:1395) مفہوم یہ کہ "اللہ تعالی کے نزدیک ایک مسلمان کا قتل پوری دنیا کی تباہی سے سخت تر ہے"۔ یعنی اگر کوئی شخص پوری دنیا کو تباہ کر سکتا ہو اور وہ ظلم کرتے ہوئے پوری دنیا تباہ کر دے تو اللہ تعالی کے ہاں اِس کی سزا کم ہو گی، جب کہ ایک مسلمان کو ناحق قتل کرنے والے کی سزا اِس سے زیادہ ہو گی؛ دنیا کو اِسی لیے پیدا کیا گیا ہے کہ انسان اِس میں رہتے ہوئے اللہ تعالی کی معرفت حاصل کریں، تو مسلمان کو قتل کرنے والے نے دنیا کے دولہا کی جان ضائع کر دی۔ (التنویر بشرح الجامع الصغیر، للمناوی، ملخصًا)

☆ سیدنا ابو سعید خدری اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہما نقل کرتے ہیں کہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: «لَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ اشْتَرَكُوا فِي دَمِ مُؤْمِنٍ لَأَكَبَّهُمُ اللهُ فِي النَّارِ» یعنی "اگر (بفرض محال) زمین وآسمان والے مل کر کسی ایک مسلمان کو (ناحق) قتل کر دیں تو اللہ تعالی اُن سب کو منہ کے بل جہنم میں گرائے گا"۔

☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالی کے محبوب ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَعَانَ عَلَى قَتْلِ مُؤْمِنٍ وَلَوْ بِشَطْرِ كَلِمَةٍ، لَقِيَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ: آيِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ» یعنی "جس نے مسلمان کے ناحق قتل میں معمولی تعاون کیا، حتی کہ صرف آدھا لفظ بولا، جب وہ اللہ تعالی کی بارہ میں حاضر ہو گا تو اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا: « یہ اللہ تعالی کی رحمت سے مایوس ہے » (قتلِ مسلم میں تعاون کا یہ انجام ہے تو خود قاتل کا کیا حال ہو گا)"۔

احساسِ جواب دہی: رسول اللہ ﷺ نے جہاں باقی اعمال کے بارے میں یہ احساس بیدار کیا کہ ایک دن اللہ تعالی کو جواب دینا ہے، وہیں خونِ مسلم کے بارے میں بھی بھرپور طریقے سے یہ احساس پیدا کیا۔

☆ ایک مرتبہ جہاد کے دوران کسی کافر نے کلمہ پڑھ لیا، ایک مسلمان نے غلط فہمی میں اُسے قتل کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اس حوالے سے عرض کی گئی تو آپ نے قتل کرنے والے کو فرمایا: «فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟» یعنی "اُس وقت تم کیا کرو گے جب قیامت کے دن کلمہ طیبہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں اُس کی طرف سے تیرے خلاف دعوی کرے گا (اور کہے گا: اے اللہ! کلمہ پڑھنے والے کو مَیں نے امان دے رکھی تھی، اِس شخص نے میری امان کو توڑا ہے)؟" اُنھوں نے عرض کی: یا رسول اللہ (مجھے غلط فہمی ہوئی تھی) آپ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالی مجھے معاف کر دے۔ آپ ﷺ نے خونِ مسلم کی حرمت سکھانے کے لیے متعدد بار یہی کلمہ ارشاد فرمایا: اُس وقت تم کیا کرو گے جب قیامت کے دن کلمہ طیبہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں اُس کی طرف سے تیرے خلاف دعوی کرے گا۔ (صحیح مسلم، حدیث:289)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ نے فرمایا: يَجِيءُ الْمَقْتُولُ بِالْقَاتِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، نَاصِيَتُهُ وَرَأْسُهُ بِيَدِهِ وَأَوْدَاجُهُ تَشْخُبُ دَمًا، يَقُولُ: يَا رَبِّ! قَتَلَنِي هٰذَا، حَتّٰى يُدْنِيَهُ مِنَ الْعَرْشِ. (جامع ترمذی، حدیث:3029) یعنی (قیامت کے دن قتل کا مقدمہ اتنے اہتمام کے ساتھ اللہ تعالی کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا کہ) "مقتول اپنے قاتل کو اُس کی پیشانی اور سر کے بالوں سے پکڑ کر اللہ تعالی کی بارگاہ میں حاضر کرے گا، مقتول کی رگوں سے خون بہ رہا ہو گا، وہ (مسلسل یہ) کہے گا: اے میرے رب! اِس نے مجھے قتل کیا تھا، حتی کہ اُسے عرشِ الٰہی کے قریب لے آئے گا"۔

قانون کی مضبوط گرفت: ریاست مدینہ میں شہریوں کے تحفظ کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ شرعی سزائیں نافذ تھیں اور قانون کی گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ حکومتی اہلکار تو کیا کسی وڈیرے کو بھی قانون ہاتھ میں لینے کی جرأت نہیں تھی۔

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی کہ دورِ فارقی میں کچھ لوگوں نے مل کر ایک لڑکے کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی بارگاہ میں مقدمہ پیش ہوا، آپ نے فرمایا: «لَوِ اشْتَرَكَ فِيهَا أَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُهُمْ .» (صحیح بخاری، حدیث:6896) "اگر صنعا[2] (جیسی بڑی آبادی والے شہر) کے تمام لوگ مل کر اِسے قتل کرتے تو مَیں قصاص کے طور پر سب کو قتل کرا دیتا"۔

☆ ریاستِ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے پہلے جانشین جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے والیٔ ریاست بنتے ہی اپنے پہلے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا: وَالضَّعِيفُ فِيكُمْ قَوِيٌّ عِنْدِيْ حَتّٰى أُرِيحَ عَلَيْهِ حَقَّهُ إِنْ شَاءَ اللهُ، وَالْقَوِيُّ فِيكُمْ ضَعِيفٌ عِنْدِيْ حَتّٰى آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ إِنْ شَاءَ اللهُ. (جامع الاحادیث، سیرتِ ابن ہشام، تاریخ ابن جریر) "تم میں سے جو (بظاہر) کمزور ہے، وہ در حقیقت میرے نزدیک طاقتور ہے تاوقتیکہ میں (ظالم سے) اُس کا حق لے کر اُس کو واپس دلا دوں ان شاء اللہ تعالیٰ، اور تم میں جو بظاہر بڑا طاقتور ہے، وہ میرے نزدیک (سب سے) کمزور ہے تاوقتیکہ میں اُس سے (مظلوم کا) حق واپس لے لوں ان شاء اللہ تعالیٰ"۔

حکمران ذمہ دار ہے: ریاست کی کمزوری سے شہری کہیں بھی قتل ہو وقت کا حاکم دنیا میں بھی اُس کا جواب دہ ہے اور قیامت کے دن بھی اُس سے اِس بارے میں سوال ہو گا۔ سیدنا جُندب رضی اللہ تعالی عنہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں: يَجِيءُ الْمَقْتُولُ بِقَاتِلِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَقُولُ: سَلْ هٰذَا فِيمَ قَتَلَنِي؟ فَيَقُولُ: قَتَلْتُهُ عَلٰى مُلْكِ فُلَانٍ. (سنن نسائی:4009)

---

[2] "صنعاء" شہر کا نام ہے، جو موجودہ دور میں یمن کا دار الحکومت ہے۔

مقتول قیامت کے دن اپنے قاتل کو بارگاہِ الٰہی میں حاضر کرکے کہے گا: ”اے اللہ! اِس سے پوچھ، اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟“ قاتل کہے گا: مَیں نے فلاں کی حکومت میں قتل کیا تھا (اس کی مدد یا اُس کے نظام کی کمزوری کی وجہ سے مجھے یہ جرأت ہوئی تھی)۔

حرفِ آخر

اس وقت پاکستان ہی نہیں، پوری دنیا میں خونِ مسلم ارزاں ہے۔ کفار تو مسلمانوں کو کاٹ ہی رہے تھے، مسلمان خود بھی ایک دوسرے کی جان کے دشمن بنتے جارہے ہیں۔ آج اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی ذات سے آغاز کرتے ہوئے اپنے متعلقین اور پھر اپنے شہر، ملک اور دنیا بھر میں یہ پیغام عام کریں کہ مسلمان کی جان اتنی قیمتی ہے کہ پوری دنیا اُس کا بدل نہیں ہوسکتی۔ مسلمان کی جان، اُس کا مال اور اُس کی عزت وآبرو سب کچھ اللہ تعالی اور اُس کے رسول ﷺ کی امان میں ہیں، جو شخص اُس کے جان ومال اور عزت کا پاس نہیں رکھتا وہ اللہ تعالی اور اُس کے حبیب ﷺ کی امان کو توڑ رہا ہے۔ باری تعالی نے مسلمان کا خونِ ناحق بہانے والے کے بارے میں فرمایا:

{وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا} [النساء4:93] اور جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کردے تو اس کا بدلہ جہنم ہے عرصۂ دراز تک اس میں رہے گا اور اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کررکھا ہے۔

آج ہر شخص کو سیاست، سرکاری عہدوں اور وزارتوں کا شوق ہے۔ اس سلسلے میں یہ حدیث پاک پیشِ نظر ہونا ضروری ہے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن شُماسہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: مَیں کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لیے اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر حاضر ہوا۔ اُنھوں نے پوچھا: ”کہاں سے آئے ہو؟“ مَیں نے کہا: مصر سے۔ اُنھوں نے پوچھا: ”دورانِ جہاد تمہارے سپہ سالار کا تمہارے ساتھ سلوک کیسا تھا؟“ میں نے کہا: (مفہوم) ہمیں اُس سے کوئی شکایت نہیں۔ وہ ہماری ضروریات کا خیال رکھتا تھا۔ اُنھوں نے فرمایا: مَیں نے اپنے اِس حجرہ میں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: « اَللّٰهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ۔» (صحیح مسلم، حدیث:4826) ”اے اللہ! جسے میری اُمت کے کسی بھی معاملے کی ذمہ داری ملے، پھر وہ اُمت کو مشقت میں ڈالے تو تُو اُس پر سختی فرما اور اُسے مشکل میں ڈال دے، اور جسے میری اُمت کی کوئی ذمہ داری ملے پھر وہ اُن پر نرمی کرے تو تُو بھی اُس کے ساتھ نرمی والا معاملہ فرمانا“۔

جس شخص کو بھی مسلمانوں سے متعلق کوئی ذمہ داری ملی، خواہ سرکاری ہو یا غیر سرکاری، انتظامی ذمہ داری ہو یا تعلیمی، عدالتی ذامہ داری ہو یا دفاعی، گھریلو ذمہ داری ہو یا کاروباری، اگر وہ چاہتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ اس کے ساتھ نرمی فرمائے تو اسے چاہیے کہ اپنے ماتحتوں سے انصاف اور حسنِ سلوک کرے، ان پر ظلم نہ کرے۔ اگر اِس کا اُلٹ کرے گا تو رسول اللہ ﷺ کی دعا کو یاد رکھے۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا. [الفتح 16:48] اے حبیب! پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے فرمائیے: عنقریب تمہیں ایک سخت لڑائی والی قوم کی طرف بلایا جائے گا، تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے، پھر اگر تم فرماں برداری کرو گے تو اللہ تمہیں اچھا ثواب دے گا اور اگر تم نے (اس وقت بھی) منہ موڑا جیسے تم نے اس سے پہلے منہ موڑا تھا تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔

جنگِ یمامہ...

اثرات و نتائج

آغازِسخن: دشمنانِ اسلام کا ناپاک خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اسلام کا نام تک مٹ جائے گا، آپ ﷺ کے آنکھوں سے اوجھل ہونے کے بعد آپ ﷺ کا مشن جاری رکھنے والا کوئی نہیں ہو گا، مگر اللہ تعالی نے اسلام کو غالب رکھنے کا وعدہ پورا فرمایا۔ جانِ عالَم ﷺ کے وصال کے بعد ایسے لوگوں کو آپ کا جانشین بنایا جنہوں نے پوری دنیا میں دین کا جھنڈا بلند کیا، کِسرائے ایران اور قیصر روم کا غرور خاک میں ملا کر وہاں بھی اسلام کا نور پھیلایا۔

جب رسول اللہ کا وصالِ باکمال ہوا تو صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی کیفیت ناقابلِ بیان تھی، ظاہر ہے کہ کائنات بھر میں سب سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے سچا عشق کرنے والے صحابۂ کرام ہی تھے، وہ جس محبوب کے دیدار کے لیے زندگی کی چاہت رکھتے تھے اُس کے وصال کے بعد اُن کے دلوں پر جو بیتی ہو گی اُسے بیان کرنا اور سمجھنا ممکن نہیں، حتی کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ جیسے بہادر بھی عجیب کیفیت میں تھے اور وصالِ اقدس کا یقین نہیں کر پا رہے تھے۔ اِس موقع پر جس شخصیت نے اللہ تعالی کی توفیق سے نہ صرف تمام صحابہ کو سنبھالا، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ وجانشین کے طور پر صرف اڑھائی سال کے قریب عرصہ میں اسلام کے خلاف اُبھرنے والے تمام فتنوں کا خاتمہ کر کے ریاستِ مدینہ کو نہایت مضبوط کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں ہونے والی فتوحات کے لیے راہ ہموار کی، بلکہ ان فتوحات کا آغاز کیا وہ خلیفۃ الرسول، امیر المؤمنین، یارِ غار ومَزار، صدیق اکبر، ابو بکر عبد اللہ بن عثمان رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔ آپ صرف خلیفہ ہی نہیں بلکہ شانِ خلافت اور نازِ خلافت ہیں۔ جہاں آپ کے لیے یہ اِعزاز کی بات ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے پہلے خلیفہ اور جانشین ہیں، وہیں منصبِ خلافت کو بھی ناز ہے کہ اُسے جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ جیسا جاں نثار، وفا شعار، صاحبِ تدبیر اور پیکرِ استقامت مسند نشین میسر ہوا۔

آپ نے جن مشکل حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے اُمت کو سہارا دیا اگر یہ مشکلات کسی پہاڑ پر اُترتیں تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک موقع پر اللہ کی قسم اُٹھا کر تین بار کہا: وَاللهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ! لَوْلَا أَنَّ أَبَا بَكْرٍ اسْتُخْلِفَ مَا عُبِدَ اللهُ... (کنز العمال، حدیث: 14066، تاریخ دمشق، البدایہ والنہایہ) "قسم بخدا! اگر ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ نہ بنتے تو اسلام باقی نہ رہتا، یوں اللہ تعالی کی عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوتا"۔ پھر ذکر کرتے کہ صدیق اکبر نے ہی بہر صورت لشکرِ اُسامہ روانہ کرنے پر استقامت اختیار کی تھی، جس کی وجہ سے تمام قبائل مرعوب ہو گئے تھے۔[1]

---

[1] قال عبد الله بن مسعود: لقد قمنا بعد رسول الله ﷺ مقامًا كِدْنا نَهلك فيه لولا أن الله منّ علينا بأبي بكر، أجمعنا على أن لا نقاتل على ابنة مخاض وابنة لبون، وأن نأكل قرى عربية ونعبد الله حتى يأتينا اليقين، فعزم الله لأبي بكر على قتالهم... (الكامل في التاريخ، لابن اثير)

صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کے عظیم الشان کارناموں میں سے ایک "جنگِ یمامہ" ہے، اس جنگ میں سخت مشکل کے بعد مسلم فوج نے نبوت کا دعوی کرنے والے دجّال مسیلمہ کو اُس کی فوج سمیت جہنم پہنچا کر اس فتنہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اس جنگ کے بہت سے پہلو آج بھی اُمت کو راہِ ہدایت دکھاتے ہیں۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں اِسی معرکہ کے حوالے سے کچھ باتوں کا ذکر ہو گا۔

مُسَیْلِمَہ اور یَمَامَہ کا تعارف

رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ اقدس میں مُسَیْلِمَہ بن حَبِیْب نامی ایک شخص نے نبی ہونے کا جھوٹا دعوی کر دیا، اس جھوٹ کی بنیاد پر اِسے "مسیلمہ کذّاب" کہا جاتا ہے۔ یہ بدبخت عرب شریف کے موجودہ دار الحکومت ریاض (نجد) کے مشرقی علاقے "یَمَامَہ" کا رہنے والا تھا۔ بَنُو حَنِیْفَہ نامی قبیلے سے تعلق تھا۔ 10 ھ میں مدینہ منوّرہ حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بھی پیش ہوا تھا۔ آپ ﷺ کے وصالِ پاک کے بعد بہت سے لوگوں نے اِس کا کلمہ پڑھ لیا اور یہ ایک بڑے فتنے کی شکل اختیار کرنے لگا۔ چنانچہ 12 ھ میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے اِس کے خلاف جہاد کے لیے لشکر روانہ کیا، بہت سخت لڑائی کے بعد یہ اپنے ماننے والوں سمیت مارا گیا۔ اس کے خلاف جہاد اسی کے علاقے "یمامہ" میں ہوا تھا، اِس لیے اِس جہاد کو "جنگِ یمامہ" یا "معرکۂ یمامہ" کہا جاتا ہے۔

مدینہ شریف حاضری: 10 ہجری میں مسیلمہ کذاب اپنی قوم بنو حنیفہ کے وفد کے ہمراہ مدینہ منورہ آیا، وفد کے افراد کی تعداد 17 تھی، مسیلمہ کے سوا باقی سب نے اسلام قبول کر لیا۔ مسیلمہ کہنے لگا: "اِنْ جَعَلَ لِیْ مُحَمَّدٌ الْاَمْرَ مِنْ بَعْدِہٖ تَبِعْتُہٗ۔ یعنی "اگر محمد ﷺ اپنے بعد خلافت مجھے دیں تو مَیں ان کی اتباع کروں گا اور ایمان قبول کر لوں گا۔" آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے، دستِ اقدس میں کھجور کی شاخ کا ایک ٹکڑا تھا، فرمایا: "لَوْ سَاَلْتَنِیْ ھٰذِہِ الْقِطْعَةَ مَا اَعْطَیْتُکَھَا، وَلَنْ تَعْدُوَ اَمْرَ اللّٰہِ فِیْكَ، وَلَئِنْ اَدْبَرْتَ لَیَعْقِرَنَّكَ اللّٰہُ۔ یعنی "اگر تُو مجھ سے (شاخ کا) یہ ٹکڑا بھی مانگے تو مَیں تجھے نہیں دوں گا، اور تُو اپنے بارے میں اللہ تعالی کے حکم سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور اگر تُو نے منہ پھیرا تو اللہ تعالیٰ ضرور تیری گرفت فرمائے گا۔" (صحیح بخاری، حدیث: 3620)

معرکۂ یمامہ

نبی کریم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد مسیلمہ کذّاب کا کاروبار چمک اٹھا اور تقریباً ایک لاکھ افراد اسے ماننے لگے۔ 12ھ، ربیع الاول شریف میں امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے سیدنا عِکرِمہ بن ابی جہل رضی اللہ تعالی عنہ کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا، پھر سیدنا شُرَحْبِیل بن حَسَنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی مدد کے لیے بھیجا، دونوں حضرات کی اُس سے

خوب جنگ ہوئی، اس کے کئی لوگ مارے بھی گئے، مگر ابھی فتنے کا خاتمہ نہیں ہوا۔ پھر جناب صدیق نے سیف اللہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چوبیس ہزار افراد کے ہمراہ روانہ کیا، مسیلمہ کذاب کے پاس اس وقت چالیس ہزار فوج تھی۔ فریقین میں بہت سخت جنگ ہوئی اور جنگ کا نقشہ کئی بار تبدیل ہوا، کبھی حالات مسلمانوں کے حق میں ہو جاتے اور کبھی کفار کے۔ مسلمانوں نے نہایت بہادری کا مظاہرہ کیا اور بالآخر کفار کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے، سپاہی بھاگے تو خود مسیلمہ بھی بھاگ نکلا اور ایک دیوار کے پیچھے جا کر چھپ گیا، ایک صحابی سیدنا وَحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُسے زوردار طریقے سے نیزہ مارا، جو اس کے سینے کے آر پار ہو گیا اور وہ تقریباً 140 سال کی عمر میں قتل ہوا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یمامہ کی فتح اور مسیلمہ کذاب کے مرنے کی خبر ملنے پر سجدۂ شکر ادا کیا۔

(فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو)

جنگ کی شدت: کچھ لوگ حُدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حاضر نہیں ہو سکے تھے۔ اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا. [الفتح 16:48] اے حبیب! پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے فرمایئے: عنقریب تمہیں ایک سخت لڑائی والی قوم کی طرف بلایا جائے گا، تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے، پھر اگر تم فرماں برداری کرو گے تو اللہ تمہیں اچھا ثواب دے گا اور اگر تم نے (اس وقت بھی) منہ موڑا جیسے تم نے اس سے پہلے منہ موڑا تھا تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔

اس آیت مبارکہ میں ”سخت لڑائی والی قوم“ سے کون مراد ہیں؟ ایک تفسیر کے مطابق یمامہ کے رہائشی مسیلمہ کی قوم بنو حنیفہ مراد ہیں۔ حضرت رافع بن خَدِیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! ہم اس آیت کو پہلے پڑھتے تھے البتہ یہ معلوم نہیں تھا کہ اس سخت جنگ جُو قوم سے کون سی قوم مراد ہے، حتیٰ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں بنو حنیفہ کے خلاف جنگ کی دعوت دی، تب ہمیں پتہ چلا کہ اس جنگ جُو قوم سے مراد بنو حنیفہ ہیں۔

شہدائے یمامہ

جنگِ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے لشکر سے دس یا دیگر روایات کے مطابق بیس ہزار منکرینِ ختمِ نبوت مارے گئے۔ 1200 مسلمان شہادت سے سرفراز ہوئے جن میں 700 حفاظ و قُرّا صحابہ بھی تھے۔ (معرفۃ الصحابہ، ج2، ص325، مراٰۃ المناجیح، ج3، ص283) شہدا میں سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سگے بھائی سیدنا زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں، خطیبِ رسول سیدنا ثابت بن قیس بن

شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ دیگر بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں: سیدنا عباد بن بشر انصاری، سیدنا ابو حُذیفہ، سیدنا سالم [مولی ابی حُذیفہ]، سیدنا شجاع بن وہب، سیدنا عبد اللہ بن سہل، سیدنا مالک بن عمرو، سیدنا طفیل بن عمرو دَوسی، سیدنا یزید بن قیس، سیدنا عامر بن کبیر، سیدنا عبد اللہ بن مَخْرمہ، سیدنا سائب بن عثمان بن مظعون، سیدنا مَعْن بن عدی، سیدنا ابو دُجانہ سماک بن خرشہ، وغیرہم، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (سیرت سید الانبیاء، ص609، بحوالہ فیضان صدیق اکبر، مکتبۃ المدینہ)

ایمان افروز واقعات

جنگِ یمامہ میں جاں نثاری اور وفا شعاری کے ایسے بہت سے رونما واقعات ہوئے جنہیں پڑھ اور سن کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ چند واقعات پیشِ خدمت ہیں:

سیدنا خالد بن ولید کی پکار: جس وقت جنگ کی صورتِ حال کافی مشکل تھی سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی میدان میں تشریف لائے اور مقابلے کے لیے کفار کو للکارا۔ مؤرخین نے لکھا: وَنَادٰی بِشِعَارِهِمْ، وَكَانَ شِعَارُهُمْ "يَا مُحَمَّدَاهْ"، فَلَمْ يَبْرُزْ إِلَيْهِ أَحَدٌ إِلَّا قَتَلَهُ۔۔ یعنی جناب خالد بن ولید نے مسلمانوں کی عادت کے مطابق "یَا مُحَمَّدَاہ" (یارسول اللہ! ہماری مدد فرمائیے) نعرہ لگایا اور اس وقت جنگ میں مسلمانوں کا شعار یہی تھا، پھر دشمنوں کی طرف سے جو بھی مقابلے میں آیا جناب خالد نے اس کی گردن اڑا دی۔ (البدایہ والنہایہ، الکامل فی التاریخ لابن الاثیر، تاریخ طبری[2])

---

[2] **رسول اللہ ﷺ سے مدد مانگنے پر دلیل:** امام طبرانی علیہ الرحمہ نے ایک حدیث روایت کی اور اُسے صحیح قرار دیا کہ ایک حاجت مند اپنی حاجت کے لیے امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں متعدد بار حاضر ہوا، لیکن اس کی حاجت پوری نہ ہوئی۔ اس نے حضرت سیدنا عثمان بن حُنَیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی اور اس کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے فرمایا: وضو کرکے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھو، پھر یوں دعا مانگو: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلٰى رَبِّكَ عَزَّ وَجَلَّ فَيَقْضِي لِي حَاجَتِي۔۔۔ یعنی "اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کے وسیلہ سے تیری طرف توجہ کرتا ہوں، جو نبیِ رحمت ہیں۔ یارسول اللہ! مَیں آپ کے وسیلے سے آپ کے رب کی طرف اس حاجت میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری فرمائے"۔ پھر اپنی حاجت ذکر کرو اور شام کے وقت میرے پاس آنا؛ تاکہ میں بھی تمہارے ساتھ امیر المؤمنین کے پاس چلوں۔ وہ حاجت مند چلا گیا اور جس طرح حضرت سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا ویسا ہی کیا۔ پھر وہ اکیلا ہی امیر المؤمنین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، دربان اسے اندر لے گیا، امیر المؤمنین نے اسے اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور اس کی حاجت پوچھی، اس شخص نے اپنی حاجت عرض کی تو امیر المؤمنین نے فوراً اس کی حاجت پوری کر دی اور ارشاد فرمایا: اب تک تم نے اپنی حاجت بیان نہیں کی! اب جب بھی تمہیں کوئی حاجت پیش آئے تو ہمارے پاس چلے آیا کرو۔ وہ شخص امیر المؤمنین کے پاس سے نکل کر حضرت سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا اور عرض کرنے لگا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، آپ کی سفارش کی وجہ سے امیر المؤمنین نے میری حاجت پر نظر فرمائی اور میری حاجت کو پورا کر دیا۔ حضرت سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے تمہارے معاملہ میں امیر المؤمنین سے کچھ بھی نہیں کہا، مگر ایک بات ضرور ہے کہ میں نے سرکارِ نامدار ﷺ کو دیکھا کہ آپ کی بارگاہ میں ایک نابینا

سیدنابراء کی بہادری: جب جنگی صورتِ حال خطرناک ہوئی تو کفار خود کو محفوظ کرنے کے لیے ایک باغ میں داخل ہوگئے اور اُس کا دروازہ بند کرلیا۔ باغ کی دیواریں اُونچی تھیں جنھیں پھلانگنا ممکن نہیں تھا۔ خادمِ رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کے بھائی، سیدنا براء بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے مجاہدین سے کہا: مجھے ڈھال کے اُوپر رکھو اور ڈھال کو نیزوں سے بلند کرکے مجھے باغ میں پھینک دو، مَیں اندر جاکر دروازہ کھول دوں گا۔ راوی کہتے ہیں: فَاقْتَحَمَ إِلَيْهِم، وَشَدَّ عَلَيْهِم، وَقَاتَلَ حَتّٰى افْتَتَحَ بَابَ الحَدِيْقَةِ، فَجُرِحَ يَوْمَئِذٍ بِضْعَةً وَثَمَانِيْنَ جُرْحًا۔ حضرت براء نے خود کو مشقت کے ساتھ (باغ کے اندر) دشمنوں کے نرغے میں ڈال دیا اور ان پر حملہ کردیا اور باغ میں تنہا ان سے لڑتے رہے یہاں تک کہ باغ کا دروازہ کھول دیا۔ آپ کو اُس دن اَسی (80) سے زائد زخم لگے۔ بعد میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کو ایک ماہ تک جہاد سے روک دیا تھا، تاکہ اپنے زخموں کا علاج معالجہ کریں۔ (سیر اعلام النبلاء، ذکر البراء بن مالک) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ جانِ کائنات، زینتِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: كَمْ مِنْ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِيْ طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهُ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ، مِنْهُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ۔ (جامع ترمذی، حدیث: 3854) "کتنے ہی بکھرے بالوں والے، غبارآلود، بوسیدہ کپڑوں والے جنھیں قابلِ اِلتفات نہیں سمجھا جاتا، اگر وہ اللہ تعالی پر قسم اٹھالیں تو اللہ تعالی ضرور ان کی قسم پوری فرمادے گا، اُنہیں میں براء بن مالک بھی ہیں"۔ آپ نے مختلف جنگوں میں سو سے زیادہ کفار کو قتل کیا۔

سیدنا زید بن خطاب: یمامہ میں مہاجرین کا جھنڈا فاروق اعظم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی سیدنا زید بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس تھا۔ آپ نے بہادری اور ہمت کا وہ پُرجوش مظاہرہ کیا جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ دورانِ جنگ ایک موقع پر دشمن فوج کا پلڑا بھاری ہوتا نظر آیا تو آپ مجاہدین کو جوش دلاتے رہے۔ ایک روایت کے مطابق یوں کہا: أَيُّهَا النَّاسُ! عَضُّوا عَلٰى أَضْرَاسِكُمْ وَاضْرِبُوْا فِيْ عَدُوِّكُمْ وَامْضُوْا قُدُمًا، وَقَالَ: وَاللهِ لَا أَتَكَلَّمُ حَتّٰى يَهْزِمَهُمُ اللهُ أَوْ أَلْقَى اللهَ فَأُكَلِّمَهُ بِحُجَّتِيْ۔ اے لوگو! مضبوط رہو اور دشمنوں پر ٹُوٹ پڑو اور قدموں کو آگے بڑھاتے رہو، پھر فرمایا: خدا کی قسم! میں اب کوئی بات نہیں کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالی کُفّار کو شکست فاش دے یا مَیں شہادت پالوں گا اور اپنے رَبّ کی بارگاہ میں اپنا عذر پیش کرکے سرخرو ہوجاؤں۔ (البدایہ والنہایہ، ج5، ص30) چنانچہ نہایت بہادری سے لڑتے رہے اور جامِ شہادت نوش کیا۔ جب فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کو آپ کی شہادت کی خبر ملی تو اُنہوں نے فرمایا: رَحِمَ اللهُ أَخِيْ سَبَقَنِيْ إِلَى الْحُسْنَيَيْنِ أَسْلَمَ قَبْلِي، وَاسْتُشْهِدَ قَبْلِي.

شخص حاضر ہوا اور اپنی حاجت ذکر کی تو سرکار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسے یہی دعا تعلیم فرمائی۔ فَوَاللهِ مَا تَفَرَّقْنَا وَطَالَ بِنَا الْحَدِيْثُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَيْنَا الرَّجُلُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهِ ضَرَرٌ قَطُّ۔ خدا کی قسم! ہم اٹھنے بھی نہ پائے تھے اور بات طویل نہیں ہوئی تھی کہ وہ نابینا شخص ہمارے پاس اس حال میں آیا کہ گویا وہ کبھی اندھا ہی نہ تھا۔ (المعجم الصغیر، حدیث: 508، دلائل النبوۃ للبیہقی، حدیث: 2417، فتاوی رضویہ، ج29، ص550)

(الاستیعاب، الاصابہ، البدایہ والنہایہ) اللہ تعالیٰ میرے بھائی پر رحم کرے! دو اچّھی باتوں میں وہ مجھ سے آگے بڑھ گئے، ایک یہ کہ مجھ سے پہلے اسلام لائے، دوسری یہ کہ مجھ سے پہلے شہید ہوگئے۔[3]

غزوۂ اُحُد میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو قسم دے کر اپنی زرہ پہنائی، آپ نے پہن کر پھر اُتار دی، فاروق اعظم نے پوچھا: کیا ہوا؟ کہنے لگے: آپ اپنے لیے مرتبۂ شہادت پسند کرتے ہیں تو مجھے بھی رتبۂ شہادت پالینے کا شوق ہے (زرہ وہ پہنے جو جان بچانا چاہتا ہے، مَیں تو جان دینے اور شہادت پانے کے لیے بے تاب ہوں)۔ (طبقاتِ ابن سعد، ج3، ص289)

سیدنا سالم کی وفاشعاری: برادرِ فاروقِ اعظم کی شہادت کے بعد مہاجرین کا جھنڈا سیدنا سالم (مولی ابی حذیفہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تھام لیا۔ آپ ایرانی نژاد تھے البتہ قرآن مجید کے زبردست قاری تھے۔ جھنڈا آپ کے ہاتھ آیا تو لوگوں نے کہا: ہمیں تمہاری طرف سے اندیشہ ہے (کہ کہیں یہ پوزیشن کمزور نہ ہوجائے)۔ فرمانے لگے: بِئْسَ حَامِلُ الْقُرْآنِ أَنَا إِنْ أُتِيتُمْ مِنْ قِبَلِي۔ (المستدرک علی الصحیحین، حدیث:5006) اگر میری طرف سے دشمن آگے بڑھے (اور مَیں نے اُن کا راستہ نہ روکا) تو مَیں بہت بُرا حاملِ قرآن ہوں گا (پھر تو مَیں نے حافظ و قاریِ قرآن ہونے کا حق ادا نہ کرپاؤں گا)۔ یہ کہہ کر نہایت جوش کے ساتھ حملہ آور ہوئے اور جھنڈا دائیں ہاتھ میں تھام لیا، وہ کٹ گیا تو بائیں ہاتھ میں تھاما، وہ بھی کٹ گیا تو اِنہیں کٹے ہوئے بازوؤں کا حلقہ بنا کر جھنڈے کو سینے سے لگا لیا۔ اس دوران قرآن مجید کی شہادت سے متعلق آیات پڑھتے رہے حتی کہ درجۂ شہادت نصیب ہوا۔[4]

اثرات و نتائج اور سبق آموز پہلو

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے جنگِ یمامہ میں بہت سے ایسے نقوش چھوڑے ہیں جو قیامت تک اُمت کو روشنی فراہم کرتے رہیں گے۔ اس جنگ میں سیدنا صدیق اکبر، دیگر سپہ سالاروں اور سپاہی حضرات علیہم الرضوان نے ایمانی جذبات کا اِظہار بھی کیا اور دُور اندیشی کا ثبوت بھی دیا، بہت بڑے فتنے کا خاتمہ بھی کیا اور اسلامی ریاست کو نہایت مضبوط بھی کیا۔ چند نتائج اور اسباق پیشِ خدمت ہیں۔

---

[3] مزید دیکھیے: https://www.dawateislami.net/magazine/ur/roshan-sitarae/hazrat-zaid-bin-khitab

[4] فقاتل فقطعت يمينه، فأخذ اللواء بيساره، فقطعت يساره، فاعتنق اللواء وهو يقول: {وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ} [آل عمران:144] إلى قوله تعالى: {وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ} [آل عمران:146]، فلما صرع قال لأصحابه: ما فعل أبو حذيفة؟ قيل: قُتل، قال: فما فعل فلان؟ قيل: قُتل، قال: فأضجعوني بينهما۔ (اسد الغابۃ، تہذیب الأسماء واللغات)

عقیدۂ ختمِ نبوت کا تحفظ

مفہوم و اہمیت: ”عقیدۂ ختمِ نبوت“ کا مفہوم ہے: اللہ تعالیٰ نے سرورِ عالم ﷺ کو سب سے آخری نبی بنایا، آپ ﷺ کے بعد نہ تو کوئی نیا نبی آیا ہے اور نہ ہی قیامت تک آئے گا، نہ نئی شریعت والا آسکتا ہے نہ آپ کی شریعت کا تابع بن کر“۔

جس طرح احکام کے مختلف درجات ہیں، کوئی مستحب ہے اور کوئی فرض و واجب۔ مستحب کے کرنے پر ثواب ہے اور چھوڑنے پر گناہ نہیں، جب کہ فرض کو بلاوجہ جان بوجھ کر ایک بار چھوڑنا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔ اِسی طرح عقائد کے بھی مختلف درجے ہیں، کچھ فضیلت کے درجہ میں ہیں، کوئی شخص علمی تحقیق کی وجہ سے اُن کا انکار کرے تو بھی ایمان پر کوئی فرق نہیں پڑتا، جب کہ کچھ عقائد قرآن و سنت کے قطعی دلائل سے ثابت ہیں اور ضروریاتِ دین سے ہیں، اِن میں معمولی شک کرنے والا بھی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، بلکہ اِن میں شک کرنے والے کو مسلمان سمجھنے والا بھی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا، اِسی طرح اُس کا جھوٹ سمیت تمام عیبوں سے پاک ہونا، جو شخص اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے میں شک کرے وہ کافر ہے، حتیٰ کہ جو اللہ تعالیٰ کو ایک نہیں مانتا اُسے مسلمان سمجھنے والا بھی کافر ہے، بلکہ اُس کے بارے شک کرنے والا، بلکہ جو یہ کہے: ”مجھے معلوم نہیں کہ وہ مسلمان ہے یا کافر“ وہ بھی کافر ہے۔

پوری اُمت کا اجماع ہے کہ ”عقیدۂ ختمِ نبوت“ ضروریاتِ دین سے ہے۔ جو یہ کہے کہ آپ ﷺ کے بعد نبی تھا، یا ہے، یا ہو گا، یا آپ کے بعد کسی نبی کی آمد کو ممکن سمجھے وہ کافر ہے، حتیٰ کہ جو آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کی آمد کو ممکن جانے اُسے مسلمان سمجھنے والا بھی کافر ہے، بلکہ اُس کے کفر میں شک کرنے والا، بلکہ جو یہ کہے: ”مجھے معلوم نہیں کہ وہ مسلمان ہے یا کافر“ وہ بھی کافر ہے؛ کیونکہ وہ قرآن کریم کی واضح آیات اور نبی کریم ﷺ کے صریح ارشادات کا اِنکار کر رہا ہے۔

یمامہ اور تحفظِ عقیدۂ ختمِ نبوت: جب بھی اس عقیدے کے تحفظ کے لیے ضرورت پیش آئی اُمت مسلمہ نے دیگر قربانیوں کے ساتھ ساتھ اپنی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کیا۔ تحفظِ ختمِ نبوت کے لیے قربانیاں پیش کرنے والوں میں سرِ فہرست جنگِ یمامہ کے مجاہدین و شہدا ہیں۔ **اُنہوں نے قیامت تک کے لیے اُمت کو درس دیا کہ تاجدارِ ختمِ نبوت ﷺ کی ناموس کے تحفظ اور عقیدۂ ختمِ نبوت کے دفاع کے لیے کوئی بھی قیمت چکانی پڑے، کسی بھی طرح سے قربانی پیش کرنی پڑے تو سُستی کا مظاہرہ نہ کرنا۔**

موجودہ صورتِ حال: ختمِ نبوت کے منکر قادیانی شروع سے ہی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں، اُنہوں نے ہمیشہ اسلام اور پاکستان کے خلاف یہود و نصاریٰ اور دیگر اسلام دشمنوں کی مدد کی، البتہ موجودہ حکومت کے دور میں اُن کی سرگرمیاں بہت زیادہ ہو چکی ہیں۔ وہ آزادانہ طور پر اپنے جھوٹے عقائد کی تبلیغ کر رہے ہیں، ملک کے کئی کلیدی عہدوں پر قابض ہیں، بلکہ

آئے روز اُنہیں قانونی تحفظ فراہم کرنے کے لیے بھی مختلف حربے استعمال کیے جارہے ہیں۔ اس صورتِ حال میں ہم پر لازم ہے کہ خود بھی عقیدۂ ختمِ نبوت اور قادیانی سازشوں کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور اپنی بساط کے مطابق دوسروں کو بھی آگاہ کریں۔ نیز یہ عہد کریں کہ اگر ضرورت پیش آئی تو اس عقیدہ کے تحفظ کے لیے کسی بھی قربانی سے گریز نہیں کریں گے۔

دینی مفاد کی تقدیم

جنگِ یمامہ میں اُمت کے لیے یہ بھی درس ہے کہ دینی مفاد کو ہر طرح کے دنیوی مفادات سے مقدم رکھنا ضروری ہے۔ جس وقت یہ جنگ ہوئی تب رسول اللہ ﷺ کے وصالِ اقدس کا غم بھی تازہ تھا، چاروں طرف مرتد ہو جانے والوں کا زور بھی تھا، مالی حالات بھی مستحکم نہیں تھے، مسیلمہ کذّاب کی فوج بہت طاقت وَر ہونے کے ساتھ ساتھ مضبوط مورچوں میں تھی، مگر صحابۂ کرام علیہم الرضوان مدینہ شریف چھوڑ کر دشمنانِ اسلام کے علاقے میں پہنچے، بے مثال جاں نثاری کا مظاہرہ کیا، قرآن مجید کے حافظ و قاری صحابہ بھی شہید ہوئے، ہزاروں مجاہدین زخمی ہوئے، یہ سب کچھ کر کے اُنہوں نے **پیغام دیا کہ دینی مفاد کا تحفظ ہر چیز سے زیادہ اہم ہے۔**

فرانس کا بائیکاٹ: کچھ عرصہ قبل فرانس نے سرکاری سطح پر آپ ﷺ کی شانِ اقدس میں کھلی توہین کی، مگر مسلم حکمران تب سے اب تک اپنے مفادات میں مگن ہیں۔ اپنے ملک سے باہر، دشمنوں کے گھر پہنچ کر اُنہیں سبق سکھانا تو دُور کی بات ہے، حکومتِ پاکستان اپنے گھر میں اُن کا سفارتی اور معاشی بائیکاٹ کرنے میں حیلے بہانے کر رہی ہے اور اپنے کیے ہوئے معاہدے کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے مزید مہلت کے لیے معاہدہ کر رہی ہے۔ اس بے حسی کا بہانہ یہ ہے کہ ہماری معیشت مستحکم نہیں ہے، اگر ہم فرانس کا بائیکاٹ کرتے ہیں تو معاشی مشکلات پیش آئیں گی۔ یمامہ کے شہیدوں کا لہو آج پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ **ہم تو دینی مفاد کی خاطر سب کچھ قربان کر کے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی بارگاہوں میں سرخرو ہو چکے، تم بھی فکر کرو کہ کل کیا منہ دکھاؤ گے۔**

تحفظِ شعائرِ اسلام کے لیے پیش بندی

جنگِ یمامہ میں کثرت کے ساتھ حفاظ و قرّا شہید ہوئے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا اُسے پورا فرمانے کے لیے اس موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اب قرآن کریم کو ایک جگہ جمع کرنا چاہیے۔ چنانچہ اُنھوں نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ قرآن کریم کو جمع کرنے کا اہتمام کریں۔ صدیق اکبر فرمانے لگے: «كَيْفَ أَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟» ”جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا، وہ مَیں کیسے کروں؟“ سیدنا عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے عرض کی: **هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ**۔ یعنی اگرچہ سرکار ﷺ نے ایسا نہیں کیا، مگر یہ کام بہتر ہے، شریعت کے اُصولوں کے خلاف نہیں ہے (اس جملہ میں بہت سے فرقہ وارانہ مسائل کا حل ہے)۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک صحیفہ میں قرآن کریم جمع کرنے کی ذمہ داری سپرد کی۔ اُنھوں نے سرکار ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق قرآن کریم کو مختلف مقامات سے نقل کرکے ایک مصحف (مجموعہ) تیار کردیا۔

اس سے **مسلم حکمرانوں اور عوام کو یہ سبق ملتا ہے کہ اُنہیں حالات پر نظر رکھنی چاہیے، اسلامی شعائر میں سے کسی کو مستقبل میں خطرہ لاحق ہوسکتا ہو تو ابھی سے اُس کے تحفظ کے لیے منصوبہ بندی کرنا لازم ہے۔**

دینی اقدار کے خلاف اُٹھنے والے فتنوں کا بروقت خاتمہ

جس وقت جنگِ یمامہ ہوئی اُس وقت مُسیلمہ دجال اور اُس کے ماننے والے اگرچہ رفتہ رفتہ روز پکڑ رہے تھے، مگر تاحال وہ مدینہ منوّرہ پر حملہ آور ہونے یا مسلمانوں کو کوئی بڑا نقصان پہنچانے کی پوزیشن میں نہیں تھے، البتہ اگر اس فتنے کا خاتمہ نہ کیا جاتا تو مستقبل میں یہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے نہایت خطرناک ہوسکتا تھا۔ خلیفۃ الرسول ﷺ و رضی اللہ عنہ نے بروقت اُس کا خاتمہ کرکے اُمت کو پیغام دیا کہ **"پانی سر سے گزرنے" کا انتظار کرنا عقلمندی نہیں، مسلمانوں پر لازم ہے کہ اسلام اور اسلامی اقدار کے خلاف اُبھرنے والے ہر فتنے کو بروقت جڑ سے اکھاڑ پھینکیں؛ تاکہ کسی بڑے دینی نقصان کی نوبت ہی نہ آئے۔**

ویلنٹائن ڈے: گزشتہ کچھ عرصہ سے پاکستان میں بھی 14 فروری کو ایک غیر اسلامی تہوار "ویلنٹائن ڈے" منایا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ اپنے بھولے پن کی وجہ سے کہتے ہیں کہ کسی کو ایک پھول دینے سے کیا ہوجائے گا؟ اس حوالے یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ دنیا کے کسی بھی معاشرے میں فحاشی و عریانی یک دم نہیں پھیلی، لوگوں کو آہستہ آہستہ فحاشی کی جانب مائل کیا گیا۔ اس وقت دنیا میں علاج کا ایک جدید طریقہ موجود ہے جسے Desensitization یعنی حساسیت کو کم کرنا کہتے ہیں۔ جو شخص کسی معاملے میں ضرورت سے زیادہ حساس ہو اسے مختلف طریقوں اور مشقوں سے آہستہ آہستہ اس کے قریب کیا جاتا ہے اور پھر ایک دن وہ بالکل حساسیت سے عاری ہوجاتا ہے۔[5] فحاشی و عریانی کی راہ میں دو بڑی رکاوٹیں ہیں: 1) ایک معاشرتی، تہذیبی اور اخلاقی خوف، کہ ایسا کرنے سے وہ ذلیل

---

[5] مثلاً کوئی شخص خرگوشوں سے ڈرتا ہے تو پہلے ایک شیشے کے پیچھے نقلی خرگوش رکھ کر اس کے سامنے اس کا پسندیدہ کھانا رکھا جاتا ہے، وہ آہستہ آہستہ ان کی موجودگی میں کھانے لگتا ہے، پھر نقلی کی جگہ اصلی خرگوش لائے جاتے ہیں۔ اس طرح اسے عادی کیا جاتا ہے، پھر شیشہ ہٹا دیا جاتا ہے اور بالآخر وہ خرگوشوں کو چھونے بھی لگ جاتا ہے۔ اسی طرح گھر میں جب کوئی مہمان آتا ہے تو بچہ اُسے دیکھ کر رونے لگتا ہے، پھر.....

ورسوا ہو جائے گا۔ 2) دوسرا مذاہب کا بنایا ہوا آخرت کا خوف۔ یہ دونوں خوف انسان کو فحاشی و عریانی سے دور رکھتے ہیں اور حیا، شرم، ستر اور حجاب سے محبت سکھاتے ہیں۔ مغرب اور لبرلز ہمارے سامنے سے یہ دونوں رکاوٹیں ختم کرنا چاہتا ہے۔ ایک شخص جو اپنے مذہبی جذبات کی بنیاد پر اجنبی خاتون کو بُری نظر سے دیکھنا بھی جرم سمجھتا ہے جب وہ سنتا ہے ویلنٹائن ڈے کیا ہے؟ اس میں کیا ہوتا ہے؟ تو حیا کے جذبات کس طرح مجروح ہوتے ہیں، یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

"اس سے کیا ہو جائے گا" سمجھنے والوں کو یمامہ کا پیغام ہے: حیا کے خلاف اُبھرنے والے اِس فتنے کو ابھی سے ختم کر دو، ورنہ وہ صورت حال پیدا ہو جائے گی جس کا ذکر کرتے ہوئے جانِ جہاں ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الأُولَى: إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ». (صحیح بخاری، حدیث: 6120) یعنی "پہلے تشریف لانے والے انبیائے کرام علیہم السلام کے کلام میں سے یہ بات بھی ہے کہ اگر تیرے پاس حیا کی دولت نہیں تو جو چاہے کر، تجھے کوئی روکنے والا نہیں"۔

ایمانی جذبات

جنگِ یمامہ میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے مختلف ایسے ایمان افروز نشانات چھوڑے ہیں جنہیں اختیار کرنے اور آنے والی نسلوں تک پہنچانے کی بے حد ضرورت ہے۔ موت سے ایسی بے خوفی کہ جناب براء رضی اللہ تعالی عنہ تنِ تنہا دشمنوں میں گھس کر کفار کے محفوظ مقام (باغ) کا دروازہ کھولنے پہنچ گئے اور 80 سے زیادہ زخم لگنے کے باوجود دروازہ کھول دیا۔ مشن پر ایسی استقامت کے جناب سالم رضی اللہ تعالی عنہ کٹے ہوئے بازو کا حلقہ بنا کر اسلامی جھنڈے کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں، مگر نیچے نہیں گرنے دیا۔ بعض مجاہدین نے تو گڑھے کھود کر خود کو گھٹنوں تک زمین میں دبا دیا تاکہ بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔ چشمِ فلک نے سخت ترین حالات میں ایسی جاں نثاری کا مظاہرہ رسول اللہ ﷺ کے غلاموں کے علاوہ کسی سے نہیں دیکھا ہو گا۔

اگر فوجی جوانوں کو صرف یمامہ کے واقعات ہی یاد کرا دیے جائیں تو میدان سے بھاگنا اور بُزدلی کا مظاہرہ کرنا تو دُور کی بات ہے، وہ نماز کے بعد گڑگڑا کر شہادت کی دعائیں کریں اور زندگی سے زیادہ موت سے پیار کرنے لگیں۔

اللہ تعالی یمامہ کے تمام شرکا کے درجات میں بے شمار بلندیاں عطا فرمائے، اُن کے قدموں کی برکت سے اُمت مسلمہ میں دینی غیرت بیدار فرمائے اور اُمت کی عزت رفتہ کو بحال فرمائے۔

وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ. [المؤمنون23:8]

اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمۡ بِهٖ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا. [النساء4:58]

مومن وہ ہے جسے لوگ امین سمجھیں

آغازِسخن: نبی رحمت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اللہ تعالی نے ظاہری حُسن بھی بے مثال عطا فرمایا ہے اور آپ کا باطنی حسن بھی سب سے بڑھ کر ہے۔نہ خِلقت میں کوئی اُن جیسا ہے نہ اوصاف واخلاق میں کوئی اُن کا ہمسر۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا:

خَلق تمہاری جمیل خُلق تمہارا جلیل

خَلق تمہاری گدا تم پہ کروڑوں دُرود

اُن کے اوصاف واخلاق ایسے ہیں کہ خود خالق جل جلالہٗ نے اُن تعریف کرتے ہوئے فرمایا:وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ. [القلم4:68]"اور بے شک آپ عظیم الشان اخلاق کے مالک ہیں"۔اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے کہا:

ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا تری خِلق کو حق نے جمیل کیا

کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا! تیرے خالقِ حسن وادا کی قسم

ایسا کیوں نہ ہوتا، انسان نے جس سے سیکھا ہو اس کی تربیت کا اثر ہوتا ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اللہ تعالیٰ نے خود اخلاق و آداب سکھائے تو اُن کے اخلاق عظیم تر ہونے ہی تھے۔

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خود بھی اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں اور اپنی امت کو بھی اعلیٰ اخلاق کی تربیت دی ہے۔ امانت و دیانت، تقوی و پرہیز گاری، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی آپ کے دین کی بنیادی تعلیمات ہیں۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں:"إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ." (مسند احمد، حدیث:8952)"اللہ تعالی مجھے اچھے اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے بھیجا ہے"۔

افسوس کہ اِس وقت تمام مسلمان، بالخصوص اہلِ پاکستان دین سے دوری کی وجہ سے ایسی اخلاقی پستی کا شکار ہیں کہ بد دیانتی میں ہماری مثالیں دی جاتی ہیں۔ ہماری اخلاقی پستی کا یہ عالم ہے کہ بد دیانتی کے سدباب کے لیے بنائے جانے والے ادارے خود بد عنوانی کا شکار ہیں۔ سربراہِ مملکت سے عام آدمی تک، اکثریت دوسروں کو لوٹنے اور اپنی جیبیں بھرنے کی فکر میں مبتلا ہے۔کسی کے خلاف کرپشن کا کیس بنتا ہے تو بات سینکڑوں میں نہیں، اربوں اور کھربوں میں ہوتی ہے۔اس دور میں دیانت دار شخص کی تلاش ایک امتحان سے کم نہیں۔

9دسمبر کو عالمی یومِ انسدادِ بدعنوانی(International Anti-Corruption Day)منایا جاتا ہے، اس مناسبت سے آج کے خطبہ میں دیانت داری سے متعلق کچھ باتیں ذکر کی جائیں گی۔

امانت و دیانت کا مفہوم اور فضیلت

ہمارے عرف میں امانت داری اور دیانت داری کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی شخص کے پاس رقم یا کوئی چیز حفاظت کے لیے رکھی جائے تو وہ پوری ایمان داری سے مالک کو واپس کرے۔ شریعت مطہرہ میں امانت و دیانت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ شرعی نقطۂ نظر سے "امانت داری" میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات اور ان کی امانات بھی شامل ہیں، لوگوں کی جان و مال اور عزت کا تحفظ بھی شامل ہے، اپنے منصب کے تقاضے پورے کرنا بھی شامل ہے اور اپنی پاک دامنی اور عصمت کی حفاظت بھی شامل ہے۔

استاذ اپنے شاگردوں کی تعلیم کے حوالے سے امین ہے، شیخ طریقت اپنے مریدوں کی روحانی تربیت اور سیدھی راہ بتانے کے حوالے سے امین ہے۔ خطیب قرآن و سنت کا پیغام پہنچانے میں امین ہے۔ جج انصاف پر مبنی فیصلہ کرنے کے حوالے سے امین ہے۔ میڈیا واقعات کی درست رپورٹنگ میں امین ہے۔ والد اپنی اولاد کی ضروریات پوری کرنے اور دینی تربیت و اچھے اخلاق سکھانے کے حوالے سے امین ہے۔ انتظامیہ اپنے دائرۂ کار کے حوالے سے امین ہے۔ اگر استاذ تدریس کا اہل ہی نہ ہو یا جان بوجھ کر شاگردوں کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی کرے تو وہ اپنے منصب سے خیانت کرنے والا ہے، صحافی بغیر تحقیق کے خبریں نشر کرے تو اُس کے حق میں یہ بد عنوانی ہے، تاجر اپنے گاہک کو بتائے کچھ اور، دے کچھ اور تو یہ اُس کی بد دیانتی ہے۔ غرضیکہ جس کی جو ذمہ داری ہے وہ اُسے پورا نہ کرے تو یہ کرپشن اور بد دیانتی ہے۔[1]

امانت داری ایمان کی نشانی: اللہ تعالیٰ نے اٹھارہویں پارے کے آغاز میں کامیاب مسلمانوں کے اوصاف ذکر کیے، اُن میں سے ایک وصف امانت اور وعدے کی پاسداری بھی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ. [المؤمنون 8:23] "جو اپنی امانتوں اور عہد کی پاسداری کرنے والے ہیں"۔ مفسرین نے لکھا: انسان پر جو بھی ذمہ داری عائد ہو، خواہ اس کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے، گفتار سے ہو یا کردار سے، اسے پورا کرنا مسلمان کی امتیازی شان ہے۔ فقیر ہو یا امیر، وزیر اور صدر ہو یا کلرک اور چوبدار، اسلامی معاشرے کا ایک ذمہ دار فرد ہونے کی حیثیت سے جو فرائض اس پر عائد ہوتے ہیں اور جو عہد و پیمان وہ کسی سے کرتا ہے ان سب کو بخوبی انجام دینا مومن کی کی ایک اہم صفت ہے۔ (ملخص از ضیاء القرآن)

---

[1] والمجالات الّتی تدخل فیها الأمانة کثیرة، منها: الدّین والأعراض والأموال والأجسام والأرواح والمعارف والعلوم والولایة والوصایة والشّهادة والقضاء والکتابة ونقل الحدیث والأسرار والرّسالات والسّمع والبصر وسائر الحواسّ، ولکلّ واحدة من التّفصیل ما یناسبها. (نضرة النعیم فی اخلاق الرسول الکریم)

بدعنوانی منافقت کی نشانی: سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا، إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ. (صحیح بخاری، حدیث:34) یعنی جس شخص میں چار عادتیں ہوں وہ (عمل کے اعتبار سے) پکا منافق ہے (یہ کام مومن کے شایانِ شان نہیں) اور جس میں ان میں سے ایک بات ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے: (۱) جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (۳) جب وعدہ کرے تو دھوکا دے اور (۴) جب جھگڑے تو گالی دے۔

ایمان اور منافقت کا تعلق دل سے ہے، کسی شخص کی شکل دیکھ کر اُس کے مومن یا منافق ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، البتہ قرآن و سنت میں ایمان اور منافقت کی کچھ نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ درج بالا آیت مبارکہ اور حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ "دیانت داری" کامیاب مومن کی نشانی ہے اور "بددیانتی" منافق کی نشانی ہے۔ ہمیں اپنے کردار پر غور کرنا چاہیے کہ ہمارے اندر ایمان کی نشانی ہے یا منافقت کی۔

دیانت داروں کا ذکر خیر

انسانی فطرت ہے کہ انسان جیسے لوگوں کے ساتھ بیٹھے اُنہی جیسا بن جاتا ہے، جیسے لوگوں کی باتیں سنے ان کی طرح بننے کی کوشش کرتا ہے۔ ہمارے ہاں بدعنوانی کا طوفان اس لیے بھی بپا ہے کہ ہم دیانت داروں کی باتیں کرتے اور سنتے ہی نہیں، اولاً تو ہر شخص اپنی مصروفیت میں مگن ہے، اگر وقت نکل ہی آئے تو فون جان نہیں چھوڑتا، اس سے بھی بچ نکلیں تو نیوز چینلز کسی کام کے لیے وقت بچنے ہی نہیں دیتے۔ کبھی یہ جاننے کی کوشش کریں کہ جن کے ہم نام لیوا ہیں وہ کیسے تھے؟ تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔ اقبال نے فرمایا:

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا، تُو جس کا ہے اِک ٹوٹا ہوا تارا

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشین کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تُو گفتار، وہ کردار، تُو ثابت، وہ سیارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

رسول اللہ ﷺ کی شانِ دیانت: کسی بھی شخص ذمہ داریاں جتنی زیادہ ہوں اُس کے لیے امانت کے تقاضے پورے کرنا اتناہی مشکل ہوتا ہے۔ کائنات میں سب سے زیادہ ذمہ داریاں رسول اللہ ﷺ کے کاندھوں پر ہیں اور پُر لطف بات یہ کہ کائنات کے سب سے بڑے دیانت دار بھی آپ ﷺ ہیں۔ اُن کی ذمہ داریوں کا اندازہ اُن کے مناصب سے ہوتا ہے، وہ تمام مخلوق کے رسول بھی ہیں، سلطنتِ اسلامیہ کے حاکم بھی، اللہ کے خزانوں کو تقسیم فرمانے والے بھی، کائنات کے سب سے بڑے معلم اور شیخ بھی۔ اس کے باوجود ان کی شانِ دیانت کا عالم یہ ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ سے روایت کیا: إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَلْقَى رَبِّي وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِي بِمَظْلِمَةٍ فِي دَمٍ وَلَا مَالٍ. (جامع ترمذی، حدیث: 1314) وفی روایۃ الطبرانی: فِي عِرْضٍ وَلَا مَالٍ. (المعجم الصغیر، حدیث: 780) یعنی جب مَیں اپنے رب سے ملاقات کروں گا تو کوئی ایک بھی مجھ سے اپنا حق مانگنے والا نہیں ہو گا، نہ کوئی یہ کہنے والا ہو گا کہ اِنہوں نے میرا مال دینا ہے، نہ کوئی یہ مطالبہ کرے گا کہ انہوں نے میری عزت کو بے جا پامال کیا تھا۔

نہ جانے ہماری بد دیانتیوں کی وجہ سے کتنے لوگ ہمارے گریبان پکڑے ہوں گے، مگر اس قدر ذمہ داریوں کے باوجود ان سے اپنا حق مانگنے والا کوئی نہیں ہو گا۔

امت کے بڑے دیانت دار: رسول اللہ ﷺ کو اللہ عزوجل نے تمام اخلاقِ حسنہ میں کمال عطا کیا، پھر آپ کے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو آپ کے اخلاق کی جھلک عطا کی۔ مختلف صحابہ کو مختلف اوصاف کا مظہر بنایا۔ کسی کو سب سے بڑا سچا بنادیا، کسی کو دینی غیرت میں امتیازی شان عطا کی، کسی کا حیا بے مثال کر دیا اور کسی کو علم و فضل کے سمندر سے نواز دیا..... ایک صحابی وہ بھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دیانت وامانت میں ایسی امتیازی شان عطا کی کہ رسول اللہ ﷺ نے "اِس اُمت کا امین" قرار دیا۔ اُن کا نام عامر بن عبد اللہ بن الجراح ہے اور ابو عُبَیدہ بن الجراح کے نام سے مشہور ہیں، رضی اللہ تعالی عنہم۔ سیدنا انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی غیب دان ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينًا، وَإِنَّ أَمِينَنَا أَيَّتُهَا الأُمَّةُ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ» (صحیح بخاری، حدیث: 3744)

”بے شک ہر اُمت کا ایک امین ہوتا ہے (ہر اُمت میں ایک شخص کو اللہ تعالیٰ امانت میں بہت ہی اعلیٰ شان عطا کرتا ہے)، اے اُمت! ہمارا امین ابوعُبیدہ بن الجراح ہے“۔[2] یہ اُمت باقی اُمتوں سے ممتاز ہے اور اِس اُمت کا امین باقی اُمتوں کے امینوں سے ممتاز ہے۔

فاروق اعظم کی آرزو: سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خادم حضرت اسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: ایک موقع پر آپ نے ساتھیوں سے فرمایا: اپنی اپنی آرزوئیں بتاؤ۔ ایک صاحب نے کہا: أَتَمَنّٰى لَوْ أَنَّ هٰذِهِ الدَّارَ مَمْلُوءَةٌ ذَهَبًا أُنْفِقُهُ فِي سَبِيلِ اللهِ وَأَتَصَدَّقُ۔ میری آرزو ہے کہ یہ گھر سونے سے بھرا ہو اور مَیں وہ تمام سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دوں۔ ایک اور صاحب کہنے لگے: أَتَمَنّٰى لَوْ أَنَّهَا مَمْلُوءَةٌ زَبَرْجَدًا وَجَوْهَرًا فَأُنْفِقَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ وَأَتَصَدَّقَ۔ میری تمنا یہ ہے کہ یہ گھر موتیوں سے بھرا ہو، مَیں اُن سب کو راہِ خدا میں صدقہ کر دوں۔

سبحان اللہ! پاکیزہ لوگ تھے اور پاکیزہ آروزئیں تھیں، ہم سے اگر کوئی پوچھے کہ تمہاری کیا تمنا ہے؟ تو ہم کسی دنیوی ضرورت کا ہی ذکر کریں گے، کیونکہ ہماری نظر دنیا تک ہی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے متلاشی تھے، اُن کی اُمیدیں بھی اُنہی کی شایانِ شان تھیں۔ اللہ تعالیٰ نیک کام کی سچی آرزو پر بھی وہ کام کرنے کا ثواب عطا کرتا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «أَتَمَنّٰى لَوْ أَنَّهَا مَمْلُوءَةٌ رِجَالًا مِثْلَ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَسَالِمٍ مَوْلٰى أَبِي حُذَيْفَةَ، وَحُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ» فی روایۃ فَأَسْتَعْمِلَهُمْ فِي طَاعَةِ اللهِ۔ میری تمنا تو یہ ہے یہ گھر افراد سے بھرا ہو اور وہ تمام ابوعبیدہ بن الجراح، معاذ بن جبل، سالم اور حُذیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جیسے ہوں، تاکہ مَیں اُن سے دین کا کام لوں (ایک سے کہوں آپ مجاہدین کی کمان سنبھالیں، دوسرے کو کہوں آپ قاضی بن جائیں، تیسرے کو دین پڑھانے پر مقرر کر دوں، چوتھے کو سماجی خدمت پر مامور کر دوں)۔

پھر آپ نے اُن کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اُن کی طرف باری باری چار چار سو دینار بھیجے اور قاصد کو فرمایا: ”دیکھ کر بتانا وہ اِن کا کیا کرتے ہیں؟“ چنانچہ تمام حضرات نے کچھ ہی دیر میں امیر المؤمنین کا بھیجا ہوا تمام مال تقسیم کر دیا۔ آپ کو بتایا گیا تو فرمایا: قَدْ قُلْتُ لَكُمْ۔ مَیں کہا تھا ناں (کہ یہ سچے اور سُچے مسلمان ہیں)۔ (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 5005۔ التاریخ الصغیر للبخاری، حدیث: 201[3])

---

[2] عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: جَاءَ أَهْلُ نَجْرَانَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا: ابْعَثْ لَنَا رَجُلًا أَمِينًا فَقَالَ: «لَأَبْعَثَنَّ إِلَيْكُمْ رَجُلًا أَمِينًا حَقَّ أَمِينٍ، فَاسْتَشْرَفَ لَهُ النَّاسُ فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ» (صحیح بخاری، حدیث: 4381) فَلَمَّا قَامَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «هٰذَا أَمِينُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ» (بخاری، حدیث: 4380)

[3] عَنْ مَالِكٍ الدَّارَانِيِّ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَخَذَ أَرْبَعَمِائَةِ دِينَارٍ فَجَعَلَهَا فِي صُرَّةٍ فَقَالَ لِلْغُلَامِ: اذْهَبْ بِهَا إِلَى أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ، ثُمَّ تَلَبَّثْ سَاعَةً فِي الْبَيْتِ حَتّٰى تَنْظُرَ مَا يَصْنَعُ، فَذَهَبَ بِهَا الْغُلَامُ فَقَالَ: يَقُولُ لَكَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ: اجْعَلْ هٰذِهِ فِي بَعْضِ حَاجَتِكَ،

نکتہ: سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افراد کی خواہش کر کے یہ نکتہ سمجھایا کہ وسائل ہوں مگر اُنھیں استعمال کرنے والے افراد نالائق ہوں تو وہ حال ہوتا ہے جو اِس وقت اُمت کا ہے اور اگر افراد ہوں، وسائل نہ بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے جناب عمر کی سرپرستی میں صحابہ نے پوری دنیا پر اِسلام کا جھنڈا لہرایا۔

مومن وہ ہے جسے لوگ امین سمجھیں

اسلام اور سلامتی کا مادہ ایک ہی ہے، ''س ل م''۔ اسی طرح ایمان اور امانت کا مادہ ایک ہے ''ا م ن''۔ یعنی اسلام کے لفظ میں سلامتی والا معنی ہے اور ایمان کے لفظ میں امانت و دیانت والا معنی ہے۔ واضح سی بات ہے کہ صرف نام اچھا ہونا کافی نہیں، کسی بزدل کا نام ''بہادر خان'' تو وہ بہادر نہیں ہو جاتا۔ کسی بدمعاش کا نام ''شریف'' ہو تو صرف نام کی وجہ سے شریف نہیں ہوتا۔ اسی طرح کسی بدبخت کا نام ''مشرف'' یا بھٹکے ہوئے یا کا نام ''رشید'' ہو تو صرف نام سے بات نہیں بنتی۔

''مومن''، ''مسلم''، ''مہاجر'' اور ''مجاہد'' یہ چاروں ایسے الفاظ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم سبھی مومن بھی ہیں، مسلم بھی ہیں، اللہ ہمیں مہاجر اور مجاہد بننے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ ان چاروں الفاظ کا مصداق ہم جانتے ہیں، جو ایمان و اسلام والا ہے وہ مومن اور مسلم ہے، جو اللہ کی خاطر دین کے دشمنوں سے لڑے وہ مجاہد ہے اور جو اللہ کے لیے مال و اولاد اور گھر وغیرہ چھوڑ دے وہ مہاجر ہے۔ اس کے ساتھ نبی رحمت ﷺ کا خوبصورت پیغام بھی سنیے۔ سیدنا فَضَالہ بن عُبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالْمُؤْمِنِ؟ مَنْ أَمِنَهُ

فَقَالَ: وَصَلَهُ اللهُ وَرَحِمَهُ، ثُمَّ قَالَ: تَعَالَيْ يَا جَارِيَةُ، اذْهَبِي بِهَذِهِ السَّبْعَةِ إِلَى فُلَانٍ، وَبِهَذِهِ الْخَمْسَةِ إِلَى فُلَانٍ، حَتَّى أَنْفَذَهَا. فَرَجَعَ الْغُلَامُ إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ وَأَخْبَرَهُ، فَوَجَدَهُ قَدْ أَعَدَّ مِثْلَهَا لِمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، فَقَالَ: اذْهَبْ بِهَا إِلَى مُعَاذٍ وَتَلَّهُ فِي الْبَيْتِ سَاعَةً حَتَّى تَنْظُرَ مَا يَصْنَعُ فَذَهَبَ بِهَا إِلَيْهِ فَقَالَ: يَقُولُ لَكَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ: اجْعَلْ هَذِهِ فِي بَعْضِ حَاجَتِكَ، فَقَالَ: رَحِمَهُ اللهُ وَوَصَلَهُ، تَعَالَيْ يَا جَارِيَةُ، اذْهَبِي إِلَى بَيْتِ فُلَانٍ بِكَذَا، اذْهَبِي إِلَى بَيْتِ فُلَانٍ بِكَذَا، فَاطَّلَعَتْ امْرَأَةُ مُعَاذٍ فَقَالَتْ: وَنَحْنُ وَاللهِ مَسَاكِينُ فَأَعْطِنَا، وَلَمْ يَبْقَ فِي الْخِرْقَةِ إِلَّا دِينَارَانِ فَدَحَا بِهِمَا إِلَيْهَا، وَرَجَعَ الْغُلَامُ إِلَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ، فَسُرَّ بِذَلِكَ وَقَالَ: «إِنَّهُمْ إِخْوَةٌ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ» (حلیۃ الاولیاء، سیر اعلام النبلاء) *

لَمَّا قَدِمَ عُمَرُ الشَّامَ فَتَلَقَّاهُ عُظَمَاءُ أَهْلِ الْأَرْضِ، وَأُمَرَاءُ الْأَجْنَادِ، فَقَالَ عُمَرُ: "أَيْنَ أَخِي؟" قَالُوا: مَنْ؟ قَالَ: "أَبُو عُبَيْدَةَ" قَالُوا: أَتَاكَ الْآنَ، فَجَاءَ عَلَى نَاقَةٍ مَخْطُومَةٍ بِحَبْلٍ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، ثُمَّ سَاءَلَهُ، ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ: "انْصَرِفُوا عَنَّا". قَالَ: فَسَارَ مَعَهُ حَتَّى أَتَى مَنْزِلَهُ فَنَزَلَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرَ فِي بَيْتِهِ إِلَّا سَيْفَهُ وَقَوْسَهُ وَرَحْلَهُ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: "لَوِ اتَّخَذْتَ مَتَاعًا - أَوْ قَالَ: شَيْئًا -". قَالَ أَبُو عُبَيْدَةَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ هَذَا سَيُبَلِّغُنَا الْمَقِيلَ. (شعب الایمان) اس وقت آپ اسلامی فوج کے سربراہ تھے۔

النَّاسُ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ، وَالْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ، وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِي طَاعَةٍ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوبَ.» (المستدرک علی الصحیحین، حدیث:24) کیا مَیں تمہیں بتاؤں کہ مومن کون ہے؟ ”مومن“ وہ ہے جسے لوگ اپنی جانوں اور مالوں کے بارے امین سمجھیں (لوگ کہیں کہ یہ نہ تو جانی نقصان پہنچائے گا اور نہ ہی کسی کے مال میں بددیانتی کرے گا)۔ ”مسلم“ وہ ہے جس کے ہاتھوں اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ ”مجاہد“ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے (اُس کا نفس عبادت سے روکے تو بھی عبادت کرے اور اُس کا نفس گناہ کرانا چاہے تو بھی گناہ سے بچے) اور ”مہاجر“ وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں کو چھوڑ دے۔

اس حدیث پاک کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے:

- شرعی اصطلاح میں مومن اُسے کہتے ہیں جو تمام ضروریاتِ دین کو صدق دل سے تسلیم کرے، لیکن اگر کوئی ایمان رکھتا ہے مگر لوگ اُس کے شر سے محفوظ نہیں تو اُسے کہا مومن ہی جائے گا اور ہے بھی مومن ہی، مگر اُس پر لفظِ مومن کا معنی صادق نہیں آتا، کیونکہ مومن امان سے ہے اور امان کا معنی ہے ”محفوظ ہوجانا“۔ مومن کا معنی تب صادق آئے گا جب اُسے کہنے کی ضرورت نہ پڑے کہ مَیں کسی کو نقصان نہیں دیتا، بلکہ لوگ کہیں: ”یہ امین ہے، کسی کو جانی یا مالی تکلیف نہیں دیتا۔“
- اِسی طرح مسلم اُسے کہتے ہیں جس نے اسلام قبول کیا ہو، لیکن اگر کوئی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد لوگوں کو سلامتی نہیں دیتا تو بھی اُسے ”مسلم“ ہی کہا جائے گا اور وہ مسلمان ہی ہے مگر اُس پر اسلام کا معنی صادق نہیں آتا، مسلم کا لفظ تب صادق آئے گا جب وہ پیکرِ سلامتی ہو اور لوگ اُس کے ہاتھ اور زبان کے شر سے سلامت رہیں۔

بددیانتی... قیامت کی نشانی

رسول اللہ ﷺ نے اگرچہ حکمت کے تحت یہ تو نہیں بتایا کہ قیامت کس سال آئے گی، البتہ اس کئی نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ گفتگو فرمارہے تھے، اِسی دوران ایک شخص نے حاضر ہوکر پوچھا: قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے گفتگو جاری رکھی۔ بات مکمل کرنے کے بعد فرمایا: ”قیامت کے بارے میں پوچھنے والا کہاں ہے؟“ اس نے عرض کی: مَیں حاضر ہوں۔ فرمایا: «فَإِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ» جب امانت کو ضائع کیا جانے لگے گا تو قیامت کا انتظار کرنا۔ اُس نے پوچھا: امانت کیسے ضائع کی جائے گی؟ فرمایا: «إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلٰى غَيْرِ أَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ.» (صحیح بخاری، حدیث:59) یعنی ”جب نااہلوں کو منصب دیے جائیں گے تو قیامت کا انتظار کرنا“۔

اللہ نے سربراہوں کو امین بنایا ہے، اور ان پر فرض قرار دیا ہے کہ رعایا اور ماتحتوں کے بارے بہترین فیصلہ کریں، جب صاحبِ اختیار کسی منصب کے لیے کوئی فرد منتخب کرتا ہے تو اللہ کی دی ہوئی امانت کا تقاضا ہے کہ وہ دیانت دار اور دین دار افراد کو منتخب کرے، مگر ایک وقت آئے جب ذمہ دار لوگ ایسا نہیں کریں گے، اللہ کی دی ہوئی اس امانت کے مطابق دیانت دار افراد کو منتخب کرنے کے بجائے اپنے مفادات کی خاطر نااہلوں کو منصب دیں گے اور اللہ کی امانت میں خیانت کریں گے، جب ایسا ہو تو سمجھ لینا کہ قیامت قریب ہے۔[4]

اس حدیث کی تناظر میں موجودہ حالات پر غور کیجئے، مَن پسند افراد کو نوازنے کے لیے بھرتی کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اداروں کا حال ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

بد دیانتی کا سدباب

دنیا بھر میں، بالخصوص پاکستان میں کرپشن آئے روز بڑھتی جا رہی ہے۔ کرپشن کے خاتمہ کے لیے ادارے بنائے گئے، قوانین تیار ہوئے، ہر سال عالمی یومِ انسدادِ بدعنوانی منایا جاتا ہے، مگر "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر شخص کہتا تو ہے: بد دیانتی نہیں ہونی چاہیے، مگر اُس کے خاتمے کے لیے کوشش کم ہی لوگ کرتے ہیں۔ اس کے لیے درج ذیل باتوں پر عمل ضروری ہے:

دین سے تعلق: کرپشن کرنے والوں کی بہتات کے باوجود اب بھی ایسے بہت سے قدسی صفات لوگ ہیں جو اس لعنت کے قریب بھی نہیں جاتے۔ بڑے بڑے مناصب پر فائز رہنے کے باوجود جب وہ اس دنیا سے جاتے ہیں تو اُن کی وراثت دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ امیر المجاہدین علیہ الرحمہ کی شخصیت تازہ مثال ہے، اگر وہ سودے بازی کرتے تو اُن کی کئی نسلیں دولت میں کھیلتیں، لیکن اس مردِ درویش نے پوری زندگی مسجد میں ہی گزادی مگر کردار پر آنچ نہیں آنے دی۔ یہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ کون سی طاقت اُنھیں کردار کو داغ دار کرنے سے روکتی ہے؟ اللہ تعالی کی توفیق کے ساتھ سب سے بڑی طاقت ضمیر کی آواز ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنا ضمیر نہیں مرنے دیتے۔ اُنھیں یہ احساس بد دیانتی سے روکتا ہے کہ "ایک دن اللہ تعالی کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے"۔ اگر یہ جذبہ بیدار ہو تو کیمروں سے نگرانی نہیں کرنی پڑتی، رات کی تاریکی اور گھر کی تنہائی میں بھی کسی کا حق چھیننے کا خیال نہیں آتا، کیونکہ کوئی اور روکنے والا نہ ہو تو بھی اللہ تعالی کی توفیق سے ضمیر تو ہوتا ہی ہے، باہر سے کسی کی نصیحت نہ بھی ہو تو اندر سے آواز تو آتی ہی ہے۔

---

[4] مَعْنَى أُسْنِدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ أَنَّ الْأَئِمَّةَ قَدِ ائْتَمَنَهُمُ اللَّهُ عَلَى عِبَادِهِ وَفَرَضَ عَلَيْهِمُ النَّصِيحَةَ لَهُمْ فَيَنْبَغِي لَهُمْ تَوْلِيَةُ أَهْلِ الدِّينِ، فَإِذَا قَلَّدُوا غَيْرَ أَهْلِ الدِّينِ فَقَدْ ضَيَّعُوا الْأَمَانَةَ الَّتِي قَلَّدَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى إِيَّاهَا الْحَدِيثُ..(فتح الباری شرح صحیح البخاری)

اللہ تعالیٰ نے بد عنوانی سے نفرت ہر مومن کی فطرت میں رکھی ہے، بری صحبت اور خراب ماحول اُس کا ضمیر مردہ کر دیتے ہیں۔
سیدنا ابواُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: يُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَى الْخِلَالِ كُلِّهَا إِلَّا الْخِيَانَةَ وَالْكَذِبَ. (مسند احمد، حدیث:22170) ایک معنی یہ ہے کہ باقی برے اوصاف مومن کی فطرت میں شامل ہو سکتے ہیں، مگر جھوٹ اور بد دیانتی مومن کی فطرت و پیدائش میں شامل نہیں ہو سکتے، یہ ہمیشہ عارضی ہوتے ہیں، بری صحبت وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

دین کے ساتھ جتنا تعلق مضبوط ہو گا ضمیر کی آواز اُتنی ہی مضبوط ہو گی اور انسان اسی قدر بد عنوانی سے دور رہے گا۔ وہ کیسا حسین منظر تھا جب امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ کے سامنے شاہِ ایران کسریٰ کے کنگن، اس کی تلوار اور موتیوں اور جوہرات سے مزین دیگر اشیا پیش کی گئیں تو آپ نے مجاہدین کی حوصلہ افزائی کے لیے اظہارِ حیرت کیا کہ ایران سے یہ سامان چلا اور مدینہ پاک پہنچا مگر ایک بھی موتی کم نہ ہوا۔ فرمایا: إِنَّ قَوْمًا أَدَّوْا هٰذَا لَأُمَنَاءُ۔ وہ مجاہدین یقینی طور پر امین اور دیانت دار ہیں جنھوں پوری ایمان داری کے ساتھ یہ تمام خزانے بیت المال میں جمع کرائے ہیں۔ اس موقع پر سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: إِنَّكَ عَفَفْتَ فَعَفَّتْ رَعِيَّتُكَ، وَلَوْ رَتَعْتَ لَرَتَعَتْ۔ (البدایۃ والنہایۃ) اے عمر! آپ خود دیانت دار ہیں، آپ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی رعایا کو بھی دیانت دار بنا دیا ہے، اگر آپ کرپٹ ہوتے تو رعایا بھی بد دیانت ہو جاتی۔

سزا کا خوف: جب ضمیر کی آواز سنائی نہ دے تو قانون کی گرفت کرپشن روکتی ہے، دل میں یہ خوف ہوتا ہے کہ کرپشن کی تو سزا ملے گی، چاہے دنیوی سزا کا خوف ہو یا اُخروی سزا کا۔

سیدنا عدی بن عَمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهُ كَانَ غُلُولًا يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔» ہم نے جسے ذمہ داری سپرد کی پھر اُس نے سوئی کے برابر یا اس سے زیادہ کوئی چیز ہم سے چھپائی (معمولی کرپشن کی) تو یہ خیانت ہو گی جو وہ قیامت کے دن لائے گا (اس کا حساب دے گا)۔
ایک انصاری صاحب نے کھڑے ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے ذمہ داری واپس لے لیجیے۔ فرمایا: "کیا ہوا؟" کہنے لگے: آپ اس اس طرح فرما رہے ہیں (ایسی سخت وعید سنائی ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «وَأَنَا أَقُولُهُ الْآنَ، مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ فَلْيَجِئْ بِقَلِيلِهِ وَكَثِيرِهِ. فَمَا أُوتِيَ مِنْهُ أَخَذَ وَمَا نُهِيَ عَنْهُ انْتَهَى». (صحیح مسلم، حدیث:4848) مَیں اب بھی یہی کہتا ہوں، ہم نے تم میں سے جس شخص کو کوئی عہدہ سپرد کیا، اسے چاہیے کہ وہ ہر چھوٹی اور بڑی چیز کو لے کر آئے، پھر اس کو جو دے دیا جائے وہ لے لے اور جس سے منع کیا جائے اس سے باز رہے (اگر یہ منظور ہے تو ذمہ داری لے، نہیں نبھا سکتا تو نہ لے)۔

ہماری صوتِ حال: حقیقت یہ ہے کہ ہمارے نعرے تو کرپشن کے خلاف ہیں، مگر ہم صورتِ حال ایسی بنا رہے ہیں جس سے بدعنوانی میں مزید اِضافہ ہو گا۔ کرپشن سے روکنے والی پہلی چیز اللہ تعالی کا خوف اور ضمیر کی آواز ہے، یہ وصف دین کے ساتھ تعلق سے مضبوط ہوتا ہے، مگر ہمارا دین سے تعلق مزید کمزور ہوتا جارہا ہے، نوجوان نسل کو دین کی کتنی معلومات ہیں؟ یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس سے بڑھ کر ضمیر کی موت اور کیا ہو گی کہ محبتِ رسول ﷺ، جو ایمان کی جان ہے، ہم اُس کے بارے میں بھی سودے بازی کر رہے ہیں۔ حکومت نے علامہ خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ سے فرانسیسی سفیر کو ملک بدر کرنے کا معاہدہ کیا، یہ خالص ایمانی مسئلہ ہے، مگر حکومت اس معاہدے کی خلاف ورزی کے مختلف حیلے بہانے تلاش کر رہی ہے۔ جو لوگ ناموسِ رسالت کے وفادار نہیں اُن سے باقی ذمہ داریوں میں دیانت داری کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ کرپشن سے دوسری بڑی رکاوٹ سزا کا خوف ہے، جس ملک میں مجرم کی شکل دیکھ کر ایف آئی آر کاٹی جائے، وہاں کرپشن کا خاتمہ کیسے ہو سکتا ہے۔

{اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَّلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَ هَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ } [النحل 16:120-122]

بے شک ابراہیم تمام اچھی خصلتوں کے مالک، ایک پیشوا، اللہ کے فرمانبردار اور ہر باطل سے جُدا تھے اور وہ مشرکوں سے نہ تھے۔ اللہ کے اِحسانات پر شکر کرنے والے، اللہ نے انھیں منتخب کر لیا اور اُنھیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی۔ اور ہم نے اُن کو دنیا میں بھلائی دی اور بے شک وہ آخرت میں قربِ خاص والے بندوں میں سے ہوں گے۔

قرآنِ کریم اور اوصافِ خلیل علیہ السلام

آغازِ سخن: اللہ عزوجل کے نظامِ قدرت سے دنیوی زندگی میں تقریباً ہر انسان کے اندر خوبیاں اور خامیاں پائی جاتی ہیں۔ کوئی علم میں صاحبِ کمال ہے تو کوئی فن کی مہارت سے آراستہ، کسی میں حُسنِ ظاہر کی آرائش ہے تو کسی میں حُسنِ باطن کا نور۔ اِن خوبیوں کے ساتھ ساتھ تقریباً ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خامی بھی پائی جاتی ہے (اگرچہ ہمارا رویہ تشویش ناک ہے کہ ہم خوبیوں پر نظر رکھنے کے بجائے خامیوں کی تلاش میں وقت ضائع کرتے ہیں، کاش! ہمیں دوسروں کی کمزوریاں تلاش کرنے کے بجائے اپنی کوتاہیاں ڈھونڈنے کی عادت پڑ جائے)۔

انسانوں میں انبیائے کرام علیہم السلام کی یہ شان ہے کہ اُن میں کوئی بھی قابلِ نفرت بات، کوئی عیب اور خامی نہیں ہو سکتی، صرف خوبیاں ہی خوبیاں ہوتی ہیں۔ ارشادِ باری تعالی ہے: {اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ} [الانعام6:124] اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت رکھے (آیت کا مفہوم یہ کہ اللہ تعالی نے ازل میں عظیم ترین افراد کا انتخاب فرمایا، پھر اُنھیں ظاہری و باطنی خوبیوں سے آراستہ فرما کر منصبِ نبوت عطا کیا)۔

پھر اللہ عزوجل نے بعض انبیائے کرام علیہم السلام کو دیگر نبیوں کی بہ نسبت زیادہ خوبیوں سے نوازا، یعنی وہ باقی مخلوق سے اعلی وارفع تو ہیں ہی، اُنھیں مزید انعامات سے نواز کر دیگر انبیائے کرام علیہم السلام پر بھی فضیلت عطا کی (اگرچہ نفسِ نبوت میں سب برابر ہیں)۔ فرمانِ خداوندی ہے: {تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰت...} [البقرہ2:253] یہ رسول ہیں، ہم نے اِن میں بعض کو دوسروں پر فضیلت عطا فرمائی، ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلندی عطا فرمائی۔
اِس حوالے سے اللہ تعالی نے اپنے حبیب اقدس ﷺ کے بعد جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو سب سے بلند شان عطا فرمائی ہے، قرآن کریم میں جگہ جگہ اُن کی خوبیوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں آپ کے چند اوصاف کا ذکر ہوگا۔

اوصافِ خلیل کا اتباع: اللہ عزوجل کی مشیت ہے کہ اُس کے بندے سیدنا ابراہیم علی نَبِيِّنَا وعليه الصلٰوةُ والتسليم کی پیروی کریں اور اُن کے اوصاف اختیار کرنے کی کوشش کریں۔ اسی لیے اُس نے ہر دین میں اپنے خلیل کی یادوں کو باقی رکھا، حتی کہ اپنی کتاب لاریب کی متعدد آیات میں آپ کے اتباع کا حکم دیا۔ ایک مقام پر یوں فرمایا: {قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ} [آل عمران 3:95] اے محبوب! آپ فرمائیے: اللہ نے سچ فرمایا، لہٰذا تم ابراہیم کے دین پر چلو جو ہر باطل سے جدا تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے (کیونکہ اُن کی عادات ہمارے نبی کریم ﷺ کے دین کا حصہ ہیں، یوں دین اسلام کی پیروی ملتِ ابراہیمی کی پیروی ہے)۔
قربانی، حج اور دیگر کئی احکامات انہی کے اوصافِ حمیدہ کی خوبصورت یادگاریں ہیں۔

قرآن کریم میں جناب خلیل کا ذکرِ جمیل

قرآن کریم کی بیسیوں آیاتِ مبارکہ میں سیدنا ابراہیم علی نَبِيِّنَا وعليه الصلٰوةُ والتسليم کے خصائلِ حمیدہ کا ذکر ہے۔ سورۂ نحل میں اللہ تعالی نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف مبارکہ اور آپ کو ملنے والے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: {اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَّلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَ هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا

حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ }
[النحل 16:120-123] بے شک ابراہیم تمام اچھی خصلتوں کے مالک ایک پیشوا، اللہ کے فرمانبردار اور ہر باطل سے جُدا تھے اور وہ مشرکوں سے نہ تھے۔ اللہ کے احسانات پر شکر کرنے والے، اللہ نے انھیں منتخب کرلیا اور اُنھیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی۔ اور ہم نے اُن کو دنیا میں بھلائی دی اور بے شک وہ آخرت میں قرب خاص والے بندوں میں سے ہوں گے۔ پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ (آپ بھی) دین ابراہیم کی پیروی کریں جو ہر باطل سے جُدا تھے اور وہ مشرک نہ تھے (یعنی اے حبیب ﷺ ہم نے آپ کو دین کے عقائد اور اُصول وہی عطا کیے ہیں جو جناب ابراہیم کو عطا کیے تھے، تو آپ دین ابراہیمی کی موافقت کریں [ملخص از خزائن العرفان])۔

ان آیاتِ مبارکہ میں آپ علیہ السلام کی پانچ خوبیوں کے تذکرہ بعد آپ کو ملنے والے انعامات کا ذکر ہے۔

اوصافِ جناب خلیل

جامع اوصاف: اللہ تعالی نے پہلا وصف ذکر فرمایا: اُمَّةً۔ اس کی وضاحت تفسیر جلالین میں ان الفاظ کے ساتھ ہے: إِمَامًا قُدْوَةً جَامِعًا لِخِصَالِ الْخَیْرِ. پیشوا، مقتدیٰ جس میں تمام خوبیاں موجود ہوں۔

جب کسی کی تعریف کرنے کے لیے بہت سے پہلو پیش نظر ہوں تو کہا جاتا ہے: "اُس کی تعریف میں کیا کیا خوبی ذکر کروں، وہ سراپا خیر ہے، اچھائیوں کا مجموعہ ہے۔"

ع کہہ لے گی سب کچھ اُن کے ثناخواں کی خامشی چپ ہورہا ہے کہہ کے مَیں کیا کیا کہوں تجھے

لفظ اُمَّةً میں بھی اسی قسم کی جامعیت ہے۔ اب آیت کا مفہوم یوں ہوگا: لوگو! تمھیں کیا خبر کہ میں نے اپنے ابراہیم کو کیا کیا اوصاف دیے تھے؟ اجمالاً یوں سمجھ لو کہ وہ بے شمار خوبیوں کا مجموعہ تھے۔

تربیت: سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالی کا بے انتہا کرم و فضل تھا، چنانچہ اللہ تعالی نے اُنھیں سبھی عمدہ اوصاف اور خوبیوں کا جامع بنادیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی جسے نوازنا چاہے اُس میں اوصافِ حمیدہ اور اچھی عادتیں پیدا کردیتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مال بڑھنا اللہ تعالی کے کرم کی نشانی ہے، جس شخص کی پراپرٹی بڑھ رہی ہو لوگ کہتے: اِس پر تو اللہ تعالی کا بڑا کرم ہے۔ یہ ہماری غلط فہمی ہے، ضروری نہیں کہ دولت میں اِضافہ کرم و فضل کی وجہ سے ہو، یہ کبھی مہلت دینے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کی خوبیوں میں اِضافہ ہورہا ہے، اخلاق اچھے ہورہے ہیں، اللہ تعالی کے نیک بندوں والی عادتیں اختیار کررہا ہے تو بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اِس پر اللہ تعالی کا بہت کرم ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبْدٍ خَیْرًا اِسْتَعْمَلَهٗ. فَقِیلَ: کَیْفَ یَسْتَعْمِلُهٗ یَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: یُوَفِّقُهٗ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ. (جامع ترمذی، حدیث: 2142) مفہوم یہ کہ جب اللہ تعالی بندے سے بھلائی کا اِرادہ فرمائے اور اُسے نوازنا چاہے تو اُس سے کام لے لیتا ہے۔ عرض کی گئی: کام لینے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اُسے موت سے پہلے اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا کردیتا ہے۔

رب کے فرماں بردار: اس مقام پر دوسرا وصف قَانِتًا لِّلّٰہِ ذکر فرمایا۔ قانتا کا معنی ہے: المُطیع لربّہٖ دائمًا. جو ہمیشہ اپنے رب کا فرماں بردار رہے۔ جناب ابراہیم علیہ السلام اِس وصف کا بہترین مصداق تھے کہ ہر حال میں اپنے رب کے احکامات کے سامنے سر جھکایا۔

تفسیر نعیمی میں حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ کے بیان کردہ نکتہ کا خلاصہ ہے کہ امتحان چار چیزوں کے ذریعے ہوتا ہے: جان کے ذریعے، اولاد کے ذریعے، مال کے ذریعے اور وطن کے ذریعے۔ اللہ عزوجل نے اپنے خلیل علیہ السلام کی عزت افزائی کے لیے اُنھیں چاروں ذرائع سے آزمایا۔ آپ نے اِن سب امتحانات میں شاندار کامیابی حاصل کی، حتی کہ خود مالک نے قرآن کریم میں چاروں طرح کے امتحانات اور اُن میں آپ کی استقامت کا ذکر بھی کیا، اور ایک مقام پر اجمالاً سبھی امتحانات میں کامیابی پر تعریف کرتے ہوئے فرمایا: {وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا...} [البقرہ2:124] اور یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں کے ذریعے آزمایا تو اس نے انہیں پورا کر دیا (اللہ نے) فرمایا: میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔

تربیت: آج ہماری صورتِ حال یہ ہے کہ جو کام آسانی سے ہو سکے اور اس میں نفس کو مجبور نہ کرنا پڑے وہ تو کر لیتے ہیں اور جہاں محنت کرنا ہو وہاں کہہ دیتے ہیں "دین پر چلنا بہت مشکل ہے"۔ یہ جملہ ایک فیشن بن گیا ہے۔ ہم دین پر چلنا چاہتے ہیں مگر اسی قدر کہ اپنی پسندیدہ اور طبعی مصروفیات کو نہ چھوڑنا پڑے، کمفرٹ زون سے باہر نہ آنا پڑے، جہاں ایسا نہ ہو وہاں ڈنڈی مار لی اور یہ کہہ دیا: "اللہ معاف کرے گا جی! آج دین پر چلنا بہت مشکل ہے"۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر آنے والی آزمائشوں کا تصور کر کے عقل دنگ رہ جاتی ہے، مگر اُنھوں نے کسی امتحان کو مشکل کہہ کر اِطاعت سے روگردانی نہیں کی، اُن کا مالک فرماتا ہے: اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ.

حقیقت یہ ہے کہ انسان آسائش، آسانی اور سازگار حالات میں اللہ تعالی کی اِطاعت کرے تب بھی وہ اپنی رضا سے نوازتا ہے، لیکن جب کوئی مُشکل، پریشانی اور نامُساعد حالات میں اللہ عزوجل کی فرماں برداری کرے اس پر اللہ تعالی کی کرم نوازیوں کا انداز کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ جناب ابراہیم کو ملنے والے انعامات سے اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حق پرستی اور شرک سے دوری: جناب خلیل علیہ السلام کا تیسرا اور چوتھا وصف بیان کیا گیا: حَنِیْفًا ؕ وَّلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ. سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے "حنیف" کی تفسیر فرمائی: اَلْحَنِیفُ الْمَائِلُ عَنِ الْأَدْیَانِ كُلِّهَا إِلٰى دِینِ الْإِسْلَامِ. (خازن، بغوی) جو ہر دین کو چھوڑ کر اللہ تعالی کے پسندیدہ دین اسلام کی طرف مائل ہو۔ آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کی قابل تعریف خوبیوں میں یہ بھی تھیں وہ اسلام کے عقائد واعمال پر نہایت پختگی کے ساتھ قائم تھے اور شرک سمیت کسی باطل کی طرف توجہ بھی نہیں فرماتے تھے۔ اسلام کے علاوہ کسی طرف اُن کا میلان اور جھکاؤ بھی نہیں تھا۔

عملی نمونہ: شرک وباطل سے دوری اور باطل کو مٹانے کے لیے آپ کی کوششوں کا اندازہ بچپن کی فراست سے لگایا جا سکتا ہے۔ بادشاہ نمرود بن کنعان نے خواب دیکھا کہ ایک ستارہ طلوع ہوا ہے جس کی روشنی کے سامنے سورج اور چاند کی روشنی ماند پڑ گئی ہے، وہ بہت خوف زدہ ہوا، کاہنوں نے یہ تعبیر بتائی کہ اس سال تیری سلطنت میں ایک بچہ پیدا ہو گا جو تیری حکومت ختم ہونے کا سبب بنے گا اور تجھے خدا ماننے والے اُس

کے ہاتھوں ہلاک ہو جائیں گے (اللہ تعالی کی قدرت سے اس موقع پر کاہنوں کی تعبیر درست ہوئی، اگرچہ شریعت میں ستارہ شناسوں اور نجومیوں کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے)۔ نمرود بہت پریشان ہوا، اس نے حکم دے دیا کہ جو بچہ پیدا ہو اُسے قتل کر دیا جائے اور مرد عورتوں سے علیحدہ رہیں۔ اس کام کی نگرانی کے لیے باقاعدہ ایک محکمہ قائم کر دیا گیا(ٹائیگر فورس بنادی)۔

اللہ تعالیٰ نے جناب ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش کے اسباب مکمل فرمادیے۔ جب ولادت کا وقت قریب تھا تو آپ کی والدہ ایک تہ خانے میں چلی گئیں، وہیں ولادت ہوئی اور بچپن کا زمانہ بھی وہیں گزرا، فورس کی نظروں سے بچنے کے لیے تہ خانہ کا دروازہ پتھروں سے بند کر دیا جاتا، روزانہ والدہ دودھ پلانے کے لیے جاتیں اور جب وہاں پہنچتی تھیں تو دیکھتیں کہ آپ اپنی انگلی مبارک چُوس رہے ہیں اور اس سے دودھ نکل رہا ہے۔ آپ کے جسم کی نشوونما بہت تیزی سے ہوتی تھی، ایک مہینے میں جسم مبارک اتنا بڑھتا جتنا دوسرے بچے ایک سال میں بڑھتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ اس تہ خانہ میں سات برس رہے، بعض میں تیرہ برس، اور بعض میں سترہ برس کا ذکر ہے۔

تمام انبیائے کرام علیہم السلام پیدائشی طور پر اللہ تعالی کی معرفت رکھتے ہیں، یعنی پیدا ہوتے ہی جانتے ہیں کہ ہمارا رب کون ہے؟ اور اُس کے کیا اوصاف ہیں؟ ایک روز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی والدہ سے پوچھا: میرا ربّ (پرورش کرنے والا) کون ہے؟ انہوں نے کہا: مَیں۔ فرمایا: تمہارا ربّ کون ہے؟ انہوں نے کہا: تمہارے والد۔ فرمایا: اُن کا ربّ کون ہے؟ اس پر والدہ نے کہا: خاموش رہو۔ وہ اپنے شوہر سے کہنے لگیں: جس لڑکے کے بارے مشہور ہے کہ وہ زمین والوں کا دین بدل دے گا وہ تمہارا ہی بیٹا ہے اور یہ گفتگو سنائی۔ پھر آپ نے تہ خانہ سے باہر آتے ہی بچپن میں اپنی قوم کو توحید پر ایسے عمدہ دلائل دیے جو قرآن پاک میں مذکور ہیں۔(ملخص از خزائن العرفان، تحت الانعام، آیت:76)

تربیت: اس وقت عالم کفر مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کرنے کے لیے سر بکف ہے اور اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر رہا ہے۔ کفار چاہتے ہیں کہ اگر مسلمان اپنے نبی کا دین چھوڑتے نہیں تو کم از کم دین میں پختہ بھی نہ رہیں۔ مسلمانوں کے نظریات میں کفار کے تخیلات سرایت کر جائیں، اور کم از کم ان کا اندازِ زندگی اور کلچر اسلامی نہ رہے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے کفر کی پالیسی بیان کرتے ہوئے کہا:

ے اہل عرب کو دے کے فرنگی تخیلات — اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

اہل حرم سے ان کی روایات چھین لو — آہو کو مرغزار ختن سے نکال دو

اس صورت حال میں جناب ابراہیم علیہ السلام کی "حنفیت" اور باطل سے دوری ہمیں سبق دیتی ہے بانئ اسلام ﷺ کا دامن تھامنے اور اسلام قبول کرنے کے بعد کسی دوسرے دین اور تہذیب کے بارے میں سوچنے کی بھی گنجائش نہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے یہ حکم یوں بھی ارشاد فرمایا: {يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ o فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ o هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ} [البقرہ2:208-210] اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اگر تم روشن احکام آنے کے بعد پھسل گئے تو جان لو

کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ وہ لوگ تو اسی چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ بادلوں کے سایوں میں ان کے پاس اللہ کا عذاب اور فرشتے آ جائیں اور فیصلہ کر دیا جائے اور اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جاتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں کفار سے خطاب نہیں، مسلمانوں سے ہے۔ گویا رب ذوالجلال جل مجدہٗ نے فرمایا: اے ایمان قبول کرنے کے بعد دیگر ادیان کے بارے نرم گوشہ رکھنے والو! اے میرے حبیب ﷺ کے دامن کرم سے وابستہ ہونے کے بعد بھی دائیں بائیں دیکھنے والو! تمہیں کسی اور طرف توجہ کی ضرورت نہیں، انہی سے تعلق کو مضبوط کرو اور دل و جان سے اِن کے فرماں بردار بن جاؤ، تمہیں دونوں جہان کی سعادتیں یہیں میسر ہو جائیں گی۔ پھر اسلام کے ساتھ دیگر ادیان کو مخلوط کرنے کو شیطان کا اتباع قرار دیا اور ایسا کرنے والوں کو باز نہ آنے کی صورت میں عذاب کی وعید سنائی۔

بین المذاہب ہم آہنگی: پاکستان میں بیرونی اشاروں پر بین المذاہب ہم آہنگی کی کوششیں جاری ہیں، یعنی مسلمان دیگر مذاہب کا احترام کریں اور یہ سمجھیں کہ جیسے ہم ایک دین کے ماننے والے ہیں ایسے ہی دوسرے بھی ایک دین کے پیروکار ہیں، اسلام پر تصلُّب اور دیگر مذاہب کو باطل سمجھنے کا تصور کمزور ہو جائے۔ اسلام آباد میں مندر کی تعمیر اسی سوچ کو فروغ دینے کے لیے ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا نظریہ بین المذاہب ہم آہنگی نہیں تھا، وہ "حنیف" تھے اور ہر باطل کو جوتے کی نوک پر رکھنے کا سبق دینے والے تھے۔

شکرِ الٰہی: ابراہیم علیہ السلام کا پانچواں وصف یہ ذکر کیا گیا کہ وہ اپنے رب کی نعمتوں کا شکر کرنے والے تھے۔ قرآن کریم کے مطابق اُن کے شکر کرنے کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ اُنھوں عرض کی: {اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ}[ابراہیم 39:14] تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل و اسحاق دیے، بے شک میرا رب دعا سننے والا ہے۔ ایسے کمال کے شکر گذار تھے کہ پوری زندگی سخت آزمائشوں میں گزری، مگر پھر بھی شکوہ کے بجائے شکر کرتے رہے۔

سیدنا صُہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: «عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلاَّ لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ». (صحیح مسلم، حدیث:7692) مومن کے معاملے پر تعجب ہے کہ اس کا تمام معاملہ بھلائی پر مشتمل ہے اور یہ صرف مومن کے لیے ہے۔ اُسے خوشحالی حاصل ہوتی ہے تو شکر کرتا ہے، یہ اس کے حق میں بہتر ہے اور اگر تنگدستی پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے۔

انعاماتِ جلیل بر جناب خلیل

سورۂ نحل میں اوصافِ خلیل علیہ السلام کا ذکر کرنے کے بعد باری تعالیٰ نے فرمایا: اِجْتَبٰىهُ وَ هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ ثُمَّ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ } [النحل 16:120-123] اللہ نے اُنھیں منتخب کر لیا اور اُنھیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی۔ اور ہم نے اُن کو دنیا میں

بھلائی دی اور بے شک وہ آخرت میں قربِ خاص والے بندوں میں سے ہوں گے۔ پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ (آپ بھی) دین ابراہیم کی پیروی کریں جو ہر باطل سے جدا تھے اور وہ مشرک نہ تھے (یعنی اے حبیب ﷺ ہم نے آپ کو دین کے عقائد اور اُصول وہی عطا کیے ہیں جو جناب ابراہیم کو عطا کیے تھے، تو آپ دین ابراہیمی کی موافقت کریں [ملخص از خزائن العرفان])۔

اللہ عزوجل نے آپ کو دنیا میں جو بھلائیاں عطا فرمائیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ رہتی دنیا تک مختلف ذرائع سے آپ کا ذکر خیر باقی رکھا۔ آپ کے بعد آنے والے تمام پیغمبروں بشمول سید المرسلین ﷺ کو آپ کی نسل پاک سے پیدا فرمایا۔ (العنکبوت:27) قیامت تک پڑھی جانے والی کتاب میں جگہ جگہ اُن کی تعریف فرمائی۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۔(مریم:41) إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا ... (النحل:120) إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ۔ (هود:75) سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۔ (الصافات:109) وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ۔(النساء:125) وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ ...(الأنبياء:51) اور بے شک ہم نے ابراہیم کو (بالغ ہونے سے) پہلے ہی سے اس کی نیک راہ عطا کر دی اور ہم جانتے تھے کہ وہ ہدایت و نبوّت کے اہل ہیں۔ ہر آسمانی دین میں بالخصوص قیامت تک باقی رہنے والے دین میں ان کی ادائیں شامل فرمائیں۔ نماز میں درود ابراہیمی کے ذریعے ان کا ذکر جاری فرمایا۔ اپنے گھر میں ان کا نشان قدم رکھوا کر دنیا بھر کے زائرین کو حکم دیا کہ میرے گھر کا طواف کرنے کے بعد میرے خلیل کے نشانِ قدم کے سامنے نماز پڑھو۔

اور روزِ قیامت تو اُن کی اور اُن کے قابل فخر پوتے سیدنا رسول اللہ ﷺ کی شانیں لائقِ دید ہوں گی۔

حرفِ آخر: سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کے بعد پوری مخلوق میں سب سے زیادہ عزت و فضیلت سے نوازا، اور وہ پسند فرماتا ہے کہ اُس کے بندے اُس کے پیارے خلیل کے نقشِ قدم پر چلیں۔

سورۂ نحل میں آپ کی تعریف میں فرمائے گئے کلمات سے سبق لیتے ہوئے ہمیں بھرپور کوشش کرنی چاہیے کہ دن بدن ہماری خوبیوں میں اضافہ ہو اور بری عادتوں میں کمی ہو۔ دوسروں کے عیب تلاش کرنے میں فائدہ نہیں، گناہ ہے، اپنے عیب تلاش کر کے اُنھیں دور کرنے میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔

آپ نے پوری زندگی اللہ تعالی کی فرماں برداری کر کے یہ تربیت فرمائی کہ عُسر ہو یا یُسر، خوشحالی ہو یا تنگدستی، حالات سازگار ہوں یا ناساز، مشکل ہو یا آسانی، بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ انسان ہر حال میں اپنے مالک کا فرماں بردار اور شکر گذار رہے۔

آپ کی "حنفیت" سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ اسلام کے علاوہ تمام راستے جہنم تک لے جانے والے ہیں، نجات کا راستہ صرف اسلام ہے۔ بانیٔ اسلام ﷺ کی عطا کردہ تہذیب ہی اللہ تعالی کی بارگاہ میں قابلِ قبول ہے اور دوسرے مذاہب کی طرف میلان تباہی کے علاوہ کچھ نہیں۔

اگر انسان جناب ابراہیم علیہ السلام کی سیرت سے یہ اسباق حاصل کر لے تو اُس نے حج کا حقیقی مقصد بھی پایا اور قربانی کی روح تک بھی پہنچا، ورنہ محض رسمی طور پر سارا کچھ کرنے کے باوجود بھی ابھی حقیقی منزل تک رسائی کے لیے مزید کوشش کی ضرورت باقی ہے۔

فکرِ مُجدّدِ الفِ ثانی علیہ رحمۃ اللہ

اور اِلحادِ جدید

صاحبِ تجدیدِ دینِ احمد مختار ہے		اس لیے تو شیخ سرہندی سے ہم کو پیار ہے
تھی اِدھر تیری فقیری اور جہانگیری اُدھر		جو جُھکانا چاہتا تھا جُھک گیا سو بار ہے
سب نے دیکھا تیرے قدموں میں جہانگیری جُھکی		اللہ اللہ کس قدر اُونچا تیرا دربار ہے
تیری رگ رگ کے لہو سے یہ عیاں ہوتا رہا		حضرتِ فاروقِ اعظم کا تُو برخوردار ہے
اہل حق ہیں مانتے اس الفِ ثانی میں تو ہی		ناجیوں کے قافلے کا قافلہ سالار ہے
کیا تیرے اوصاف لکھے یہ سراسر بے کمال		نام آئے مدح خوانوں میں یہی درکار ہے
المدد شیخِ مُجدِّد نائبِ غوث الوری		تیرا اختر دشمنوں سے برسرپیکار ہے [1]

آغازِ سخن: اِس وقت اہلِ مغرب پوری توانائیاں صرف کر کے مسلمانوں میں یہ سوچ پروان چڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ "حکومتی نظام اور معاشی و معاشرتی معاملات میں مذہب کا عمل دخل نہیں ہونا چاہیے۔ مذہب کا اثر و رسوخ محض عبادت گاہ کی حد تک ہو۔ باقی زندگی میں مذہبی اقدار کو فراموش کر دیا جائے۔" اس نظریہ کو فروغ دینے کے لیے حال ہی میں فرانسیسی صدر ایمانول میکرون نے کہا: "پردے اور سکارف پر پابندی کو سخت کرنے کے لیے نئے قانون میں سرکاری سکولوں، یونیورسٹیوں، دفاتر، ساحلِ سمندر، پارک اور تفریحی مقامات کے ساتھ نجی اداروں میں بھی سر ڈھانپنے پر پابندی ہو گی"۔ لبرل ازم (Liberalism) کے حامیوں کا بھی یہی مشن ہے کہ انسان جو جی چاہے کرے اُس پر کوئی مذہبی پابندی نہیں ہونی چاہیے۔

تقریباً پانچ سو سال قبل برصغیر کی اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کا اثر و رسوخ بڑھنے سے اسی طرح کی سوچ پروان چڑھی تھی کہ تمام مذاہب کے درمیان اتحاد پیدا کر دیا جائے اور حکومت و ریاست کا کوئی مذہب نہ ہو۔ اس تحریک کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمانوں کو بے پناہ نقصان اُٹھانا پڑا۔ اُس وقت کے حالات سے ایسا لگتا تھا کہ شاید آئندہ کبھی برصغیر میں اسلامی حکومت قائم نہیں ہو سکے گی۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے ایک شخصیت کو تجدیدِ دین اور شعائرِ اسلام کو زندہ کرنے کے لیے پیدا فرمایا، جن کی خدمات کی بدولت نہ صرف عوام الناس دین کے قریب ہوئے، بلکہ جس تختِ شاہی سے اسلام کو مٹانے کی سازشیں ہو رہی تھیں کچھ ہی سالوں بعد اُسی تخت سے نظامِ مصطفیٰ نافذ کیا گیا اور اسلام کو فروغ دینے کے لیے ایسے اقدامات کیے گئے کہ آج بھی ہم اُن کے ثمرات حاصل کر رہے ہیں۔ اس عظیم الشان شخصیت کو مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

28 صفر، 1034ھ / 1624ء آپ کا یومِ وصال ہے، اِس مناسبت سے آج کے خطبہ میں آپ کی خدمات اور موجودہ صورت حال میں آپ کے افکار کی ضرورت کے حوالے گفتگو کی جائے گی۔

---

[1] ادیب شہیر مولانا محمد عبد الحکیم اختر شاہجہان پوری علیہ الرحمہ

سوانحی خاکہ

امامِ ربانی مجدد الفِ ثانی ابوالبرکات بدر الدین شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت 14 شوال، 971ھ / 26 مئی، 1563ء، بروز جمعۃ المبارک ہندوستانی پنجاب کے قصبہ "سرہند" شریف میں ہوئی۔ سلسلۂ نسب 27 واسطوں سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ (تجلیاتِ امام ربانی، محمد عبد الحکیم اختر شاہجہان پوری، ص:83، مکتبہ نبویہ)

ولادت کے وقت مغل بادشاہ جلال الدین اکبر نے خواب دیکھا کہ شمالی جانب سے تیز ہوا آئی ہے جس نے اُسے تاج و تخت سمیت زمین پر گرادیا ہے، اکبر نے پریشان ہو کر تعبیر بیان کرنے والوں سے تعبیر پوچھی تو اُنھوں نے کہا: "کسی بزرگ کے ظہور کا وقت ہو چکا ہے، جس سے تیری سلطنت کا نظام بالکل بدل جائے گا"۔ (تجلیاتِ امام ربانی، ص:88)

آپ کے والد گرامی شیخ عبد الاحد رحمہ اللہ تعالیٰ ایک ممتاز عالم دین اور صوفی بزرگ تھے۔ امام ربانی علیہ الرحمہ نے اپنے والد گرامی سے علومِ متداولہ حاصل کیے، پھر متعدد شہروں کا سفر کر کے جید علمائے کرام سے علوم کی تکمیل کی اور اکابر محدّثین سے فن حدیث حاصل کیا۔ سترہ سال کی عمر میں تعلیمی مراحل مکمل کر کے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

تصوف میں سلسلۂ چشتیہ کی تعلیم اپنے والد گرامی علیہ الرحمہ سے پائی، سلسلۂ قادریہ اور سلسلۂ نقشبندیہ کی تعلیم دہلی جا کر خواجہ رضی الدین محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی: ۱۰۱۲ھ / 1603ء) سے حاصل کی۔ 1599ء میں خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کے دور میں پیدا ہونے والی بے دینی کے مقابلہ کے لیے خلفا و مریدین اور تلامذہ کی صورت میں لاکھوں افراد تیار کیے، نیز تقریر اور تصنیف و تالیف کے ذریعے بے دینی کا مقابلہ کیا۔ دینِ اسلام کی بھرپور خدمت کے بعد تقریباً 63 سال کی عمر میں 28 صفر المظفر، 1034ھ / 1624ء کو سرہند میں جانِ عزیز اپنے خالقِ حقیقی جل جلالہٗ کے سپرد کر دی۔

احیائے دین

حضرت مجدّدِ الفِ ثانی شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی و اصلاحی زندگی کے آغاز میں ہندوستان میں مغلیہ خاندان کا تیسرا حکمران جلال الدین اکبر (دور سلطنت: ۹۶۳ھ / 1556ء تا ۱۰۱۴ھ / 1605ء) فرماں روا تھا۔

اکبر کا ابتدائی دور: اکبر کا ابتدائی زمانہ ایک خوش عقیدہ مسلمان کی حیثیت سے گزرا۔ وہ بزرگانِ دین رحمھم اللہ تعالیٰ کے مزارات پر حاضر ہوتا، سجادہ نشینوں کی تکریم کرتا، یہاں تک کہ حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (پیدائش: 1478ء — وفات: اپریل 1572ء) کی دعا سے شہزادہ "سلیم" المعروف "نور الدین جہانگیر" کی پیدائش ہوئی تو اکبر نے برکت کے لیے شہزادے کا نام شیخ کے

نام پر "سلیم" رکھا اور اپنی منت پوری کرنے کے لیے آگرہ سے اجمیر شریف کا پیدل سفر کیا۔ اپنے استاذ صدر الصدور شیخ عبد النبی علیہ الرحمہ کی جوتیاں بھی کئی بار سیدھی کیں۔ تاریخ میں یہ بھی ملتا ہے کہ وہ عبادت و ریاضت اور تسبیح و تہلیل میں بھرپور کوشش کرتا تھا۔

اکبر کے عقائد میں تبدیلی: وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اکبر کا مزاج بدلنے لگا۔ درباری علما کی باہمی رنجشوں، برہمن گھرانوں سے شادیوں، عیسائی، آتش پرست اور ہندو پنڈتوں کے تعلقات نے اُسے بے دین اور مُلحد بنا دیا۔ بد قسمتی سے دربارِ اکبری میں جتنے مسلمان علما و فضلا تھے وہ سب علمائے سوء ثابت ہوئے۔

تربیتی نکتہ: شاید اکبر بھی شروع میں یہی سوچتا ہوگا کہ مَیں تو صرف سیاسی استحکام کے لیے اپنے دربار میں ہندوؤں اور دیگر غیر مسلموں کو جگہ دے رہا ہوں، برہمن خواتین سے شادیاں کر رہا ہوں، بلکہ یہ بھی کہتا ہوگا کہ "میرے لیے ریاست کا ہر فرد برابر ہے"، مگر بالآخر اِن سیاسی مفادات نے اکبر جیسے ایک مذہبی شخص کو ایسے مقام پر لا کھڑا کیا کہ اُس کے ہاتھوں اسلام اور مسلمانوں کو بے پناہ نقصان پہنچا۔ آج ہم لوگ بھی سیاسی و معاشی مفادات کی خاطر ایسا بہت کچھ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے ہمارے دین کو کیا نقصان پہنچے گا؟ دین کے معاملے میں ہمیشہ یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ کبھی ایک چنگاری پورے گلشن کو برباد کر دیتی ہے۔

دربارِ اکبری اور بے دینی کا فروغ: مذکورہ بالا عوامل کے نتیجہ میں اکبر ایسا بے دین ہوا کہ 1582ء میں "دین الٰہی اکبر شاہی" کے نام سے ایک نیا دین اختراع کیا گیا، جس میں تمام ادیان کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی۔ کلمۂ طیبہ یوں پڑھا جانے لگا: "لاالٰہ الّا اللہ اکبر خلیفۃُ اللہ"۔ زمین بوسی کے نام پر اُسے سجدہ کیا جانے لگا۔ سلطنت کا اسلامی تشخص ختم کرنے کے لیے گائے ذبح کرنے پر پابندی عائد کر دی گئی، سور کے گوشت اور شراب کو حلال قرار دے دیا گیا۔ خواتین کی بے پردگی عام ہوگئی اور پردہ پر پابندی عائد کر دی گئی۔ غیر مسلموں پر عائد ٹیکس (جزیہ) موقوف کر دیا گیا۔ داڑھی اور دیگر شعائرِ اسلام کا مذاق اُڑایا جانے لگا۔ اسلامی ہجری کیلنڈر کی بجائے نیا کیلنڈر رائج کیا گیا۔ ہندوؤں نے کئی جگہ سے مسجدیں اور دینی مدارس گرا کر اُن کی جگہ مندر تعمیر کر لیے۔ اکبر اور اُس کے درباریوں کی جدوجہد کے بڑے مقاصد یہ تھے:

1. قومی حکومت کا قیام۔
2. مذہبی معاملات میں غیر مسلموں سے مفاہمت۔
3. متحدہ ہندوستان (متحدہ قومیت کا فروغ)۔

تحریکِ مجدد: اِس تاریک دور میں دُور دُور تک اُمید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی تھی، لگتا نہیں تھا کہ اب کبھی برصغیر میں اسلام کو پھر سے عروج نصیب ہوگا۔ ایسی صورت حال میں امام ربانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کو اللہ تعالی نے تجدیدِ دین کی توفیق عطا کی۔ آپ نے لادینیت کے خلاف کوششیں کیں۔ آپ کی جدوجہد کے بھی تین مقاصد تھے:

1. اسلامی حکومت کا قیام۔
2. دینی معاملات میں غیر مسلموں سے عدمِ مفاہمت۔
3. دو قومی نظریہ کا فروغ۔(ماخوذ از تجلیاتِ امام ربانی، افتتاحیہ از قلم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ)

اِن مقاصد کے حصول کے لیے آپ نے خلفا، تلامذہ اور مریدین صورت میں لاکھوں افراد تیار کیے۔ تبلیغ دین کے لیے دنیا بھر میں وفود روانہ کیے، شریعت و طریقت کے علوم سے مزین بے شمار تحریرات و مکتوبات دنیا بھر میں روانہ فرمائے۔

دورِ جہانگیری اور تحریکِ مجدد کے اثرات: 1605ء میں جلال الدین اکبر کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا سلیم المعروف نور الدین جہانگیر (دورِ حکمرانی: ۱۰۱۴ھ / 1605ء تا ۱۰۳۸ھ / 1628ء) تخت نشین ہوا۔ جہانگیر اور اکبر میں ایک بڑا فرق یہ تھا کہ جہانگیر اگرچہ اپنے والد کی بنائی ہوئی صورت حال یکسر تبدیل نہ کر سکا، مگر وہ اسلام کا ماننے والا تھا۔ اس وقت دنیا بھر میں امام ربانی علیہ الرحمہ کی تبلیغ کے اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔ کئی شاہی وزیر اور بے شمار فوجی بھی آپ کے مریدین میں شامل ہو چکے تھے۔

جہانگیر کا وزیر اعظم آصف مسلکی اعتبار سے شیعہ تھا، اس نے آپ کے خلاف جہانگیر کو اُکسایا کہ یہ درویش بغاوت کے منصوبے بنا رہا ہے۔ جہانگیر نے آپ کو دربارِ شاہی میں طلب کیا، آپ تشریف فرما ہوئے اور شاہی رسم و رواج کے برعکس بادشاہ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور پیغام دیا کہ فاروقِ اعظم کا یہ شہزادہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہو سکتا۔ اقبال علیہ الرحمہ نے اِس حوالے سے یوں خراجِ تحسین پیش کیا:

حاضر ہُوا میں شیخ مجدّد کی لَحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مَطلَعِ انوار

اُس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے
اُس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار

گردن نہ جُھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نَفَسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار

وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار [2]

---

[2] کی عرض یہ مَیں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو   آنکھیں مری بِینا ہیں، و لیکن نہیں بیدار!

چنانچہ جہانگیر نے وزیر اعظم کے بھڑکانے پر آپ کو ۱۰۲۸ھ / 1619ء کے عرصہ میں بھارتی مدھیہ پردیش کے ضلع "گوالیار" کے قلعہ میں قید کر دیا۔ آپ نے قید کے دوران تبلیغ اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ قید کے دوران ہزاروں غیر مسلموں نے آپ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا اور آپ کے مرید ہو گئے۔

مجدد الفِ ثانی کی رہائی: امامِ ربانی علیہ الرحمہ تقریباً ایک سال تک قید رہے۔ چونکہ کئی شاہی وزیر اور بے شمار فوجی افسران آپ کے مرید تھے، اُن کی طرف سے جہانگیر کو سخت ردِّ عمل کا سامنا کرنا پڑا، حتیٰ کہ جہانگیر کے خلاف ایک بڑی فوج تیار ہو گئی، مگر امامِ ربانی علیہ الرحمہ نے اُنھیں راست اقدام سے روک دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ جہانگیر نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ افسوس کا اِظہار کرتے ہوئے فرمارہے ہیں: "جہانگیر! تم نے کتنے بڑے شخص کو قید کر دیا ہے"۔ چنانچہ اُس نے آپ کو رہا کرنے کا فیصلہ کر لیا اور آپ سے معافی طلب کرتے ہوئے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ امام ربانی علیہ الرحمہ نے ملاقات کے لیے چند شرائط رکھیں:

1. سجدۂ تعظیمی پر پابندی لگا دی جائے، کوئی بھی بادشاہ کو سجدہ نہ کرے۔
2. گائے کے ذبح پر پابندی ختم کی جائے، بادشاہ اور وزیر دربارِ عام کے دروازے پر اپنے ہاتھوں سے ایک ایک گائے ذبح کریں۔
3. جتنی مساجد شہید کی گئی تھیں سب کو دوبارہ تعمیر کیا جائے۔
4. دربارِ شاہی کے پاس مسجد تعمیر کی جائے جس میں بادشاہ اور وزرا باقاعدگی نماز ادا کیا کریں۔
5. ہر شہر اور قصبے میں دینی مدارس قائم کیے جائیں اور مفتی و قاضی حضرات مقرر کیے جائیں۔
6. کفار پر جزیہ بحال کیا جائے اور شریعت کے خلاف تمام قوانین فوری طور پر منسوخ کیے جائیں۔ (ملخص از تجلیاتِ امام ربانی، ص:102)

جہانگیر نے یہ تمام شرائط منظور کیں اور امامِ ربانی علیہ الرحمہ کو رہا کر دیا۔ اب وہ آپ کا عقیدت مند تھا۔ آپ کی ملاقاتوں اور تربیت کی برکت سے وہ رفتہ رفتہ اسلامی تعلیمات کے قریب ہونے لگا جس کے اثرات سلطنت پر بھی ظاہر ہوتے گئے۔ غفر اللہ ذنوبہ ببرکۃ الإمام الربانی۔

دورِ شاہ جہانی: جہانگیر کے بعد اُس کا بیٹا "خرم" المعروف "شہاب الدین محمد شاہ جہان" (دور حکمرانی: ۱۰۳۸ھ / 1628ء تا ۱۰۶۸ھ / 1658ء) فرماں روا ہوا۔ وہ جہانگیر کی زندگی میں ہی امام ربانی علیہ الرحمہ کا مرید ہو چکا تھا۔ اُس نے آپ کے وصال مبارک تک آپ سے نیاز مندی کا تعلق قائم رکھا اور ذاتی و شاہی معاملات میں آپ کے احکام پر عمل کرتا رہا۔ غفر اللہ ذنوبہ ببرکۃ الإمام الربانی۔

آئی یہ صدا سلسلۂ فقر ہُوا بند | ہیں اہلِ نظر کِشورِ پنجاب سے بیزار
عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطّہ کہ جس میں | پیدا کُلَہِ فقر سے ہو طُرّۂ دستار
باقی کُلَہِ فقر سے تھا ولولۂ حق | طُرّوں نے چڑھایا نشۂ خدمتِ سرکار

دورِعالمگیری: حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے چند سال قبل 1618ء میں شاہ جہان کے گھر محی الدین ابو المظفر اورنگزیب عالمگیر محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (دورحکمرانی:۱۰۶۸ھ/1658ء تا۱۱۱۹ھ/1707ء) کی ولادت ہوئی۔ یہ وہ سعادت مند بادشاہ ہیں جو حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ علومِ دینیہ سے بھی آشنا تھے، جنہوں نے ہندوستان میں مکمل طور پر نظام مصطفیٰ نافذ کیا، شاہی نگرانی میں فقہِ حنفی کا عظیم ذخیرہ "فتاوی عالمگیری" تیار کرایا، "شاہی مسجد" (لاہور) سمیت کئی تاریخی مساجد تعمیر کرائیں، سرکاری خزانے سے تنخواہ لینے کے بجائے محنت کر کے اپنا خرچ چلاتے تھے۔ اکبر سے عالمگیر تک کا انقلاب امام ربانی علیہ الرحمہ کی ہی خدمات کی برکت ہے۔

افکارِ مجددِ الفِ ثانی

درجِ ذیل سطور میں امامِ ربانی علیہ الرحمہ کے افکار سے چند راہ نما باتیں پیش کی جاتی ہیں۔

تمام اہلِ بیت کو ایصالِ ثواب: امام ربانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: پہلے مَیں جب کھانا پکاتا تو اُس کا ثواب سرورِ عالم ﷺ، مولی المسلمین سیدنا علی مرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ، خاتون جنت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما کی ارواح مقدسہ کے لیے ہی پیش کرتا تھا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ جناب رسالت مآب ﷺ تشریف فرماہیں۔ مَیں نے سلام عرض کیا تو آپ ﷺ میری جانب متوجہ نہ ہوئے، چہرۂ انور دوسری جانب پھیر لیا اور مجھ سے فرمایا: "مَیں عائشہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کے گھر کھانا کھاتا ہوں، جس کسی نے مجھے کھانا بھیجنا ہو وہ عائشہ کے گھر بھیجا کرے"۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے توجہ نہ فرمانے کا سبب یہ تھا کہ میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کو شریکِ طعام (ایصالِ ثواب) نہیں کرتا تھا۔ اِس کے بعد سے مَیں حضرت عائشہ صدّیقہ، بلکہ تمام اُمّہاتُ المؤمنین، بلکہ سب اہل بیت رضی اللہ تعالی عنہم کو ثواب پیش کیا کرتا ہوں اور تمام اہل بیت کو اپنے لیے وسیلہ بناتا ہوں۔ (مکتوباتِ امام ربّانی، دفتر دوم، حصہ ششم، مکتوب 36)

بُغضِ صحابہ پر تنبیہ: ایک شخص کچھ صحابۂ کرام علیہم الرضوان بالخصوص سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ سے معاذ اللہ کینہ رکھتا تھا۔ ایک دن وہ "مکتوباتِ امام ربانی" کا مطالعہ کر رہا تھا، اس میں یہ عبارت پڑھی: "امام مالک علیہ الرحمہ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں بدزبانی کو سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہما کے بارے میں بدزبانی کے برابر قرار دیا ہے" (کیونکہ سب کا احترام آپ ﷺ کے ساتھ نسبت کی وجہ سے ہے)۔ اُسے امام ربانی کی یہ عبارت اچھی نہ لگی اور اُس نے "مکتوبات شریف" کو زمین پر پھینک دیا۔ جب وہ شخص سویا تو امام ربانی علیہ الرحمہ اُس کے خواب میں تشریف لائے۔ آپ نہایت جلال میں اس کے دونوں کان پکڑ کر فرمانے لگے: "تُو ہماری تحریر پر اعتراض کرتا اور اُسے زمین پر پھینکتا ہے! اگر تُو میری بات کو معتبر نہیں سمجھتا تو آ! تجھے حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ کے پاس لے چلوں، جن کی خاطر تُو صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو بُرا کہتا ہے"۔ پھر آپ اُسے ایسی جگہ لے گئے جہاں ایک نورانی چہرے والے بزرگ تشریف فرما تھے۔ امام ربانی علیہ الرحمہ نے نہایت عاجزی سے اُنھیں سلام کیا، پھر اس

شخص کو نزدیک بلا کر فرمایا: یہ تشریف فرما بزرگ مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ ہیں، سُن! آپ کیا فرماتے ہیں۔ اُس شخص نے سلام عرض کیا۔ شیرِ خدا رضی اللہ تعالی عنہ نے اسے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا: "خبردار! رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابہ سے کدورت (رنجش) نہ رکھو، ان کے بارے میں کوئی گستاخانہ جملہ زبان پر نہ لاؤ۔" پھر حضرت مجدّدِ الف ثانی کی جانب اشارہ کرکے فرمایا: "اِن کی تحریر سے ہرگز نہ پھرنا (مخالفت مت کرنا)"۔

اس نصیحت کے بعد بھی اس کے دل سے صحابۂ کرام کا کینہ دُور نہ ہوا تو مولی المسلمین کرم اللہ تعالی وجہہ نے فرمایا: "اِس کا دل ابھی تک صاف نہیں ہوا"۔ یہ فرما کر امام ربانی کو حکم دیا کہ اِسے تھپڑ رسید کریں۔ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جوں ہی آپ نے گدی پر تھپڑ مارا تو دل سے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی ساری نفرت دُور ہوگئی۔ جب وہ بیدار ہوا تو اس کا دل صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی محبت سے معمور تھا اور امام ربانی علیہ الرحمہ کی محبت بھی کئی گنا زیادہ بڑھ چکی تھی۔ (حضراتُ القُدس، دفتر دوم، ص:167، ملخصًا)

سنت کی پابندی: امام ربانی علیہ الرحمہ تمام معاملات میں سنّت پر عمل فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار آرام کے لیے بے خیالی میں بائیں کروٹ پر لیٹ گئے، خادم پاؤں دبانے لگا۔ آپ کو اچانک خیال آیا کہ "دائیں کروٹ پر لیٹنے کی سنّت" چھوٹ گئی ہے۔ نفس نے سستی دلائی کہ بھولے سے ایسا ہو جائے تو کوئی بات نہیں ہوتی لیکن آپ سنت کے مطابق دائیں کروٹ پر آرام فرما ہوئے۔ فرماتے ہیں: اس سنّت پر عمل کرتے ہی مجھ پر عنایات، برکات اور سلسلے کے انوار ظاہر ہونے لگے اور آواز آئی: "سنّت پر عمل کی وجہ سے آپ کو آخرت میں کسی قسم کا عذاب نہ دیا جائے گا اور آپ کے پاؤں دبانے والے خادم کی بھی مغفرت کر دی گئی ہے"۔ (زبدۃ المقامات، ص:180، ملخصًا)

وصال: 28 صفرُ المظفر 1034ھ / 1624ء کو سرہند میں تقریباً 63 سال اور کچھ ماہ کی عمر میں جان جاں آفرین کے سپرد کی۔

حرفِ آخر: ہم اپنے دور کی صورتِ حال پر غور کریں تو ایسے لگتا ہے کہ آج بھی اکبر کی سوچ موجود ہے اور آج بھی مجددِ الفِ ثانی علیہ الرحمہ کی فکر کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ اکبر ایک مذہبی شخص تھا، مگر اُسے غیر مسلموں کے ساتھ اتحاد اور شاہی دربار میں اُن کے اثر و رسوخ نے بے دین بنایا، وہ دین اسلام کا تشخص ختم اور ریاستی اُمور کو مذہب سے الگ کرنا چاہتا تھا۔ آج بھی مسلم حکمران غیر مسلموں سے اتحاد کے پیچھے پڑے ہیں اور اُن کی رسومات میں شرکت اور اُن سے غیر ضروری تعلقات کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے ہیں، پاکستان میں ریاست مدینہ کے دعوے داروں نے ابھی تک کوئی مسجد تو نہیں بنائی، مگر مدارس کنٹرول کرنے، مندر بنانے اور سینیمے آباد کرنے کا شوق آپے سے باہر ہو رہا ہے۔ حال ہی میں شراب کے لائسنس جاری کرنے کا معاملہ بھی ہم نے دیکھا۔

اِس صورت حال میں آج بھی مجددِ الفِ ثانی علیہ الرحمہ کے افکار اور آپ کا کردار اپنانے کی ضرورت ہے۔ آپ نے اپنی تمام توانائیاں اسلام کی سربلندی کے لیے صرف کیں، مشقتیں اُٹھائیں، قید کیے گئے، زبان بندی کی گئی، مگر وہ آخر دم تک یہی پیغام دیتے رہے کہ "اسلام، اسلام اور صرف اسلام"۔

{يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ} [التوبہ 9:119]

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

آغازِ سخن: موجودہ دور فتنوں کا دور ہے، ہر شخص کو مفکر بننے کا شوق ہے اور وہ نئی فکر پیش کر کے دوسروں کو غلط کہہ رہا ہے۔ بسا اوقات ایک ہی گھر میں رہنے والے افراد کا تعلق مختلف مسالک سے ہوتا ہے۔ نظریات وافکار کی اس جنگ میں ہر سنجیدہ مسلمان چاہتا ہے کہ مجھے کوئی ایسی یقینی راہ مل جائے جس پر چل کر میں سرخرو ہو جاؤں اور روزِ قیامت اللہ تعالی کے سامنے رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس صورت حال سے متعلق بھی قرآن پاک ہماری خوب راہ نمائی فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: {یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ} [التوبہ 9:119] اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

اس آیت میں صادقین کی "معیّت" اور اُن کے "ساتھ" سے فقط "جسمانی معیّت" مراد نہیں، کیونکہ مکمل طور پر جسمانی معیت اُن صادقین کے ساتھ بھی ممکن نہیں جو انسان کی زندگی میں موجود ہیں۔ کام کاج، گھر بار اور دیگر تقاضے مکمل معیت سے رکاوٹ ہیں، اور فوت شدگان کی جسمانی معیّت تو ناممکن ہے۔ آیت کریمہ میں حسب قدرت جسمانی معیت کے ساتھ ساتھ عقائد وافکار اور اچھے اعمال وکردار میں صادقین کی اتباع اور موافقت مراد ہے۔ امام ابو عبد اللہ محمد قرطبی علیہ الرحمہ (متوفی: 671ھ) نے اس آیت کی تفسیر میں یہ جملہ بھی لکھا: أَيْ كُوْنُوْا عَلٰى مَذْهَبِ الصَّادِقِيْنَ وَسَبِيْلِهِمْ۔ یعنی ارشاد باری تعالیٰ کا مفہوم ہے: "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے مذہب اور اُن کے طریقہ پر قائم رہو۔

اس تشریح کے مطابق اگر کوئی شخص مشرق میں ہے مگر اس کا نظریہ اور کردار مغرب میں رہنے والے اللہ کے بندے جیسا ہے اور اس سے محبت وپیار ہے تو یہ اُس کے ساتھ ہے۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ فتنوں کے اس دور میں ایمان کی حفاظت اور اللہ تعالی کی بارگاہ تک رسائی کا ایسا ذریعہ بتاتی ہے جس پر چلنے والے کے لیے بھٹکنے کا احتمال بہت کم ہے، وہ یہ کہ انسان اللہ تعالی کے پیاروں کے نقشِ قدم پر چلے، اُن کے افکار و نظریات پر استقامت اختیار کرے۔ یوں وہ دونوں جہانوں کی کامیابی اور بارگاہ کی باریابی سے بھی ہمکنار ہوگا اور مختلف مسالک کے اختلافات کی پریشانی سے بھی نجات پا جائے گا۔

تیرے غلاموں کا نقشِ قدم ہے راہ خدا　　　وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے چلے

آج کے خطبہ میں ایک ایسی شخصیت کی تعلیمات اور افکار کا ذکر ہوگا جنہوں نے نہ صرف خود اللہ عزوجل کا نہایت قرب پایا، بلکہ صدیوں سے وہ مخلوقِ خدا کو بھی قرب کی منازل تک یوں پہنچا رہے ہے کہ خواجہ اجمیری علیہ الرحمہ جیسوں نے انھیں "ناقصوں کا پیر" اور "کاملوں کا راہ نما" قرار دیا ہے۔ جن کی چوکھٹ "حضرت فرید" علیہ الرحمہ جیسوں کا "بابِ مراد" ہے۔ اقبال علیہ الرحمہ نے عرض کیا:

سیدِ ہُجویر مخدومِ اُمم		مرقدِ اُو پیرِ سنجر را حرم
بندھائے کوھسار آسان گسیخت		در زمینِ ہند تُخمِ سجدہ ریخت
عھدِ فاروق از جمالش تازہ شد		حق زِ حرفِ اُو بلند آوازہ شد

پاسبانِ عزتِ اُمّ الکتاب		از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاکِ پنجاب از دمِ اُو زندہ گشت		صبح ما از مہرِ اُو تابندہ گشت
عاشق وہم قاصد طیار عشق		از جبینش آشکار اسرارِ عشق

ابتدائی تعارف

نام مبارک: ممدوحِ مکرم سیدنا داتا گنج بخش کا نام ابو الحسن علی بن عثمان جُلّابی ھُجویری رحمہ اللہ تعالی ہے۔[1]

ولادت: آپ علیہ الرحمہ کی ولادت تقریباً 400ھ میں ہوئی۔

خاندانی شرافت: آپ نَجِیبُ الطرفَین سَیِّد ہیں۔والد ماجد سَیِّدُنا عثمان حسنی ہیں رحمہ اللہ تعالیٰ، وہ اپنے وقت کے جید عالم اور عابد و زاہد تھے۔ شاہانِ غَزنیہ کے زمانے میں دنیا کے کونے کونے سے عُلَماو فُضَلَا، شُعَرَاء اور صُوفِیاء غزنی میں جمع ہو گئے تھے جس کی وجہ سے یہ شہر عُلُوم و فُنُون کا مرکز بن چکا تھا، حضرت عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی لیے یہیں رہائش اختیار فرمائی۔ والدہ ماجدہ حُسَینی سادات رحمہم اللہ تعالیٰ سے تھیں اور عابِدہ وزاہِدہ خاتون تھیں۔

وصال: اکثر تذکرہ نگاروں کے نزدیک آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصالِ پُر ملال ۲۰ صفر المظفر، ۴۶۵ھ / 1072ء کو ہوا۔

عرسِ مبارک

عرس کے مقاصد: اہل سنت و جماعت بزرگانِ دین کے ایامِ وصال پر اُن کے اعراس مناتے ہیں۔ عرس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صاحبِ عرس کو ایصال ثواب کیا جائے اور اُن کی سیرت و کردار کا ذکر کر کے اتباع کے ساتھ ساتھ اُن کی محبت میں اضافہ کی کوشش کی جائے۔

اصلاح: اگر ہم عُرس کا مقصد سمجھ لیں تو دو طرح کے طبقات کی اصلاح ہو جائے گی:

1. وہ جو کہتے ہیں کہ عرس شرک و بدعت ہے، سرکار ﷺ کے زمانے میں کسی کا عرس نہیں ہوتا تھا۔

عرس کا مقصد ایصال ثواب ہے اور ایصال ثواب خود سرکار ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے: أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَأُرَاهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ أَفَأَتَصَدَّقُ عَنْهَا؟ قَالَ: «نَعَمْ تَصَدَّقْ عَنْهَا»۔ (صحیح بخاری، حدیث:2760) ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی

---

[1] آپ کے خاندان نے غزنی کے دو محلّوں جُلّاب و ہجویر میں رہائش اِختیار فرمائی۔

خدمت میں عرض کی: میری والدہ اچانک وفات پا گئیں (کچھ وصیت کرنے کا موقع نہیں ملا)، میرا خیال ہے کہ اگر وہ کچھ کہہ پاتیں تو صدقہ کرتیں، کیا مَیں (اُن کے ایصال ثواب کے لیے) اُن کی طرف سے صدقہ کروں (اُنھیں ثواب پہنچے گا)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اُس کی طرف سے صدقہ کرو۔

2. وہ جو عرس کے موقع پر غیر شرعی کام کرتے ہیں اور عرس کو میلہ سمجھتے ہیں۔

جب عرس ایصالِ ثواب کے لیے ہے تو ضروری ہے کہ شریعت کے مطابق ایسے کام کیے جائیں جن پر ثواب ملتا ہے، اگر ثواب کا کام ہی نہ ہو تو ایصالِ ثواب کیسے ہو سکتا ہے؟

عرس کہنے کی وجوہات: "عرس" کا لغوی معنیٰ: "شادی" ہے۔ اِسی لیے دولہا اور دُلہن کو "عَروس" کہتے ہیں۔ کسی بزرگ کے یومِ وصال کو "عرس" کہنے کی کیا وجہ ہے؟ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے نیک شخص کی موت کے بعد کے احوال بیان کرتے ہوئے فرمایا: جب وہ فرشتوں کو سوالات کے درست جوابات دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے اور نور سے بھر دی جاتی ہے۔ فرشتے کہتے ہیں: آرام سے سو جا"۔ وہ فرشتوں کے سامنے اپنے گھر والوں سے ملاقات کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں: نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ الَّذِيْ لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ۔۔۔ (جامع ترمذی، حدیث: 1071) یعنی جس طرح دولہا نہایت آسائش سے سوتا ہے، اس طرح سو جا۔ جیسے اس کی عزت و تکریم کی جاتی ہے اسی طرح تیری تکریم کی جائے گی۔ (ترجمہ ماخوذ از مرقاۃ المفاتیح) چونکہ فرشتے تدفین کے بعد اس کے لیے "عروس" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، اس لیے یومِ وفات کو "عرس" کہا جاتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ وفات پانے والے بزرگ کو اِس دن کونین کے "دولہا" ﷺ کا دیدار کرایا جاتا ہے۔ اس بنا پر اِس دن کو "عرس" کہا جاتا ہے، یعنی "کائنات کے دولہا ﷺ کے دیدار کا دن۔" (ملخص از جاء الحق)

افکارِ حضور داتا گنج بخش

مأخذ موضوع: سید ہجویر داتا گنج بخش رحمہ اللہ تعالیٰ کے افکار و تعلیمات جاننے کے لیے آپ کی کتاب "کشف المحجوب" بنیادی مأخذ کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں علم کا سمندر بھی موج زن ہے اور معرفت کے اسرار بھی بدرِ تمام کی طرح چمک رہے ہیں۔ اہل علم اس کتاب سے اپنی علمی پیاس بجھاتے ہیں اور اہل تصوف سلوک کی راہنمائی لیتے ہیں۔

شبہ کا ازالہ: جن لوگوں کے نظریات کشف المحجوب سے مطابقت نہیں رکھتے وہ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ "آپ کو کیسے معلوم ہوا یہ داتا صاحب کی کتاب ہے؟" اس کا جواب یہ ہے کہ کسی اور کے بتانے کی ضرورت ہی نہیں، کشف المحجوب خود بتاتی ہے کہ مَیں کس کی کتاب ہوں۔ جن باطن کے اندھوں کو اس میں کچھ نظر نہیں آتا وہ تو ابھی تک اسی شش و پنج میں ہیں کہ یہ فیضِ عالم علیہ الرحمہ کی کتاب

ہے بھی یا نہیں؟ اور جنھوں نے فیض حاصل کیا وہ اِسے علوم و معارف کا خزانہ قرار دیتے ہیں۔ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے: اگر کسے را پیرے نباشد چون این کتاب را مطالعہ کند اُو را پیدا شود، مَن این کتاب را بتمام مطالعہ کردم۔ اگر کسی کا شیخ نہ ہو تو وہ اِس کتاب کا مطالعہ کرے، اُسے شیخ نصیب ہو جائے گا۔ مَیں نے پوری کتاب کا مطالعہ کیا ہے۔ (مقدمہ کشف المحجوب از حکیم محمد موسیٰ امرتسری)

علمِ دین کی فضیلت و اہمیت

سیدی داتا گنج بخش رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب پانے اور دُنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے علمِ دین حاصل کرنا اور اُس پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔

داتا صاحب اور حصولِ علم: آپ علیہ الرحمہ حسنی، حسینی سید ہیں۔ پورا گھرانہ علم و فضل کا گہوارہ تھا، اِس کے باوجود آپ نے علمِ دین کے حاصل کرنے کے لیے عراق، شام اور حِجازِ مُقدّس سَمیت دس سے زائد مَمالِک کا سفر کیا۔ صرف خُراسان میں تین سو مشائخ علیہم الرحمہ کی خدمت میں حاضری دی اور علم و حکمت کے نور سے خود کو منوّر کیا۔

سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ دینی مدرسہ میں تقریباً بارہ سال کی عمر میں زیرِ تعلیم تھے۔ تعلیم میں ایسے مشغول ہوتے کہ کھانے پینے کی فکر بھی نہیں ہوتی تھی۔ ایک روز سلطان محمود غزنوی اس درس گاہ میں تشریف لائے۔ تمام طلبا زیارت کے لیے دوڑے، لیکن حضرت داتا علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ مطالعے میں اس قدر منہمک تھے کہ آپ کو سلطان کی آمد کی خبر ہی نہ ہوئی۔ اُستاد صاحب نے پکارا: دیکھو علی! کون آیا ہے؟ اب ایک طرف سلطان محمود غزنوی اور دوسری جانب ایک کمسن طالب علم تھا۔ سلطان نے اس نَوعمر طالب علم پر ایک نظر ڈالی لیکن تجلیات کی تاب نہ لاتے ہوئے فوراً نظریں جھکا لیں اور مُدَرِّس سے کہا: "قسم بخدا! یہ بچہ خدا کی طرف راغب ہے۔ ایسے طالب علم اس مدرسہ کی زینت ہیں"۔ (فیضان داتا علی ہجویری، بحوالہ اللہ کے خاص بندے، ص:460)

کشف المحجوب اور علم کی اہمیت: داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے کشف المحجوب میں سب سے پہلا باب "اثباتِ علم" کے عنوان سے قائم فرمایا ہے۔ اس میں متعدد آیات و احادیث اور اقوال اکابر کی روشنی میں علم دین کے فضائل اور اُس پر عمل کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔

ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ مَیں ابتدائی درجہ کے صوفیا کو عبادت کی تلقین کر رہا تھا (زکوٰۃ کے مسائل سکھا رہا تھا)۔ اِسی دوران ایک جاہل آکر بیٹھ گیا، میں نے بنتِ مَخاض، بنتِ لَبون اور حِقّہ[2] کے مسائل ذکر کیے۔ وہ تنگ آگیا اور اٹھ کر جانے لگا،

---

[2] اونٹنیوں کی اقسام

اُس نے کہا: "میرے پاس اُونٹ ہیں ہی نہیں تو میں بنتِ لبون کے مسائل سیکھ کر کیا کروں گا؟" داتا صاحب علیہ الرحمہ نے اُسے نہایت سبق آموز جملے اِرشاد فرمائے: «اَی هذا! همچندان که مَرْ دادنِ زکات را علم باید، ستَدنِ آن را نیز بباید. اگر کسی بنت لبونی به‌تو دهد و بستانی آنکه به‌ترکِ علمِ بنت لبون همی نباشد گفت. و اگر کسی را مال نباشد و بایست مال هم نباشد، هم فرضِ علم از وی بنیوفتد» فنعوذ باللّٰه من الجهل. یعنی اے جاہل! اگر تیرے پاس مال ہے تو تجھ پر زکوۃ ادا کرنا فرض ہے، مال نہیں تو زکوۃ لینا جائز ہے۔ بہر صورت تیرے لیے مسائل سیکھنا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی کے پاس مال نہ ہو اور اُسے مال سے مناسبت بھی نہ ہو تب بھی اُس پر فرض علم سیکھنا لازم ہے۔ (کشف المحجوب، کشف الحجاب السادس فی الزکوۃ[3])

جاہلوں کا ردّ: فیضِ عالم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: از فتنه‌هائے زمانه یکے این است که مدعیانِ صلاح و فقر به جهل علم را می‌ترک کنند۔ (کشف المحجوب، کشف الحجاب السادس فی الزکوۃ) یعنی ہمارے (داتا صاحب علیہ الرحمہ کے) زمانے کا ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ بعض لوگ فقیری کا دعوی کرتے ہیں اور اپنی جہالت کی وجہ سے علم کو ضروری نہیں سمجھتے اور اُسے حاصل کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔

علم اور عمل لازم وملزوم: داتا صاحب علیہ الرحمہ نے کشف المحجوب میں یہ واضح فرمایا ہے کہ دین کی تکمیل کے لیے علم اور اُس پر عمل دونوں ضروری ہیں، نہ علم کے بغیر چارہ ہے اور نہ ہی عمل سے چھٹکارا ہے۔ آپ نے یہ حدیث پاک نقل فرمائی: اَلْمُتَعَبِّدُ بِلَافِقْهٍ کَالْحِمَارِ فِی الطَّاحُوْنَةِ۔ (کشف المحجوب، الباب الاول فی اثبات العلم) یعنی علم فقہ جانے بغیر عبادت کرنے والا کولہو کے بیل کی طرح ہے (مسلسل چلنے کے باوجود جب دیکھو پہلے قدموں پر ہی ہوتا ہے)۔

اہل سنت وجماعت حق کی پہچان ہیں

اکثریت کا اتباع: نبی کریم ﷺ نے اُمت کو حکم دیا کہ وہ فتنوں اور اختلافات کے دور میں مسلمانوں کی اکثریت کے نظریات اختیار کریں۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی طویل حدیث پاک میں یہ کلمات بھی ہیں: عَلَيْكُمْ بِالجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالفُرْقَةَ .... مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الجَنَّةِ فَلْيَلْزَمْ الجَمَاعَةَ... (جامع ترمذی، حدیث: 2165) یعنی تم پر لازم ہے کہ مسلمانوں کی جماعت (اکثریت، سواد اعظم) کے نظریات پر قائم رہو اور اُن کی اتباع کرو، اور فرقوں (اکثریت کے نظریات چھوڑنے والے گمراہوں) سے بچو.... جو جنت کے وسط میں (اعلی) محل کی خواہش رکھتا ہو وہ جماعت (سوادِ اعظم) کی اتباع کرے۔ یہی مفہوم دیگر کئی احادیث پاک میں بھی ارشاد فرمایا گیا۔

---

[3] http://ganjoor.net/hojviri/kashfolmahjoob/kmbab17/sh7/

اھل سنت وجماعت: جب سے فرقہ پرستی شروع ہوئی تب سے اکابرینِ اُمت حق والوں کی پہچان کے لیے "اہل سنت وجماعت" لفظ استعمال فرماتے ہیں۔ امام مسلم بن حجاج قشیری علیہ الرحمہ (متوفی:204ھ) اپنی "صحیح مسلم" کے مقدمہ میں مشہور تابعی حضرت محمد بن سیرین علیہ الرحمہ (متوفی:110ھ) کا قول نقل کرتے ہیں: لَمْ يَكُوْنُوْا يَسْأَلُوْنَ عَنِ الْإِسْنَادِ، فَلَمَّا وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ قَالُوا: سَمُّوا لَنَا رِجَالَكُمْ فَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ، وَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ الْبِدَعِ فَلَا يُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ۔ (صحیح مسلم، مقدمہ، رقم:27) یعنی ابتدائی دور میں احادیث نقل کرنے والوں کے بارے میں تحقیق نہیں کی جاتی تھی، جب فتنہ واقع ہوا (فرقہ واریت شروع ہوئی) تو محدثین پوچھتے: حدیث روایت کرنے والے کون ہیں؟ اگر وہ اہل سنت ہوتے تو اُن کی نقل کردہ حدیث قبول کرلی جاتی اور اہل بدعت (بدمذہب) ہوتے تو اُن کی روایت قبول نہیں کی جاتی۔

اھل سنت وجماعت اور کشف المحجوب: کشف المحجوب میں داتا صاحب علیہ الرحمہ کا بھی یہ انداز ہے کہ اہل حق کی پہچان کے لیے "اہل سنت وجماعت" کا ذکر فرماتے ہیں۔ جس مسئلہ میں اختلاف ہو اُس کے بارے میں مختلف آراو اقوال ذکر کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ مختلف باتیں سامنے آنے پر عام آدمی یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ ان میں سے حق کیا ہے؟ چنانچہ آپ حق کی پہچان کرانے کے لیے فرماتے ہیں: "اس مسئلہ میں اہل سنت وجماعت کا موقف یہ ہے۔"

مثلاً: اس مسئلہ میں اختلاف تھا کہ انبیائے کرام علیہم السلام افضل ہیں یا فرشتے۔ آپ نے کشف المحجوب میں اس موضوع پر ایک باب (chapter) قائم فرمایا اور اس کا آغاز اِن کلمات سے کیا: **بدان کہ بہ اتفاقِ اھل سنت وجماعت** وجمھور مشایخ طریقت رحمۃ اللہ علیھم اجمعین انبیا و آنان کہ محفوظان اند از اولیا، از فریستگان فاضل تر اند، بخلاف معتزلہ کہ ایشان ملائکہ را افضل انبیا گویند۔ یعنی اہل سنت وجماعت اور مشائخ طریقت رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام تمام مخلوق سے افضل ہیں (پھر خاص فرشتے [رسل ملائکہ] باقیوں سے افضل ہیں)، پھر وہ مسلمان جنہیں اللہ تعالی گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے (صحابہ، اہل بیت واولیا) عام فرشتوں سے افضل ہیں۔[4] معتزلہ کا اِس مسئلہ میں اختلاف ہے، وہ فرشتوں کو افضل کہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ علیہ الرحمہ نے دلائل ذکر کیے۔ (کشف المحجوب، الکلام فی تفضیل الانبیاء والاولیاء)

داتا صاحب علیہ الرحمہ نے یہی انداز تمام بابوں میں اختیار فرمایا ہے۔ اس سے کئی باتوں کی راہ نمائی ملتی ہے:

1. کسی مسئلہ میں حق کی پہچان کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ معلوم کیا جائے اہل سنت وجماعت کا اس بارے کیا موقف ہے؟ جو اہل سنت وجماعت کا موقف ہو وہی حق ہو گا۔

---

[4] تفصیل دیکھئے: شرح عقائد، مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین

2. قرآن وحدیث سمجھنے کے لیے علمائے اہل سنت کی راہ نمائی بہت ضروری ہے، حتیٰ کہ داتا صاحب علیہ الرحمہ نے مذکورہ عبارت میں پہلے اہل سنت کا موقف ذکر کیا پھر اس پر قرآن وحدیث سے دلائل قائم کیے۔
3. بعض لوگ کہتے ہیں ہمارا کسی فرقہ سے تعلق نہیں، فیض عالم علیہ الرحمہ نے یہ فکر دی ہے کہ اللہ کی بارگاہ تک پہنچنے کی طلب رکھنے والے کو چاہیے کہ وہ اہل سنت وجماعت کے عقائد پر استقامت اختیار کرے۔

غلامیٔ رسول کا ثمرہ

فیضِ عالم داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے کشف المحجوب کے گیارہویں باب میں ایک تبع تابعی حضرت حبیب بن سُلیم راعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تذکرہ کیا، جس میں مندرجہ ذیل واقعہ بھی مذکور ہے:

بعض مشائخ سے منقول ہے کہ مَیں ایک بار اُن کی خدمت میں حاضر ہوا، مَیں نے دیکھا کہ وہ نماز ادا کر رہے ہیں اور بھیڑیا اُن کی بکریوں کی حفاظت کر رہا ہے۔ میں نے کہا: اِس شیخ کی زیارت کرنی چاہیے، اِس میں بزرگی اور ولایت کی نشانیاں پائی جارہی ہیں۔ نماز سے فارغ ہونے تک میں اُن کا انتظار کرتا رہا۔ بعد ازاں سلام عرض کیا۔ اُنھوں نے پوچھا: کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا: زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ اُنھوں نے دعا سے نوازا۔ میں نے کہا: «ایّها الشیخ، گرگ با مَیش موافق می بینم؟» شیخ! مَیں نے عجیب منظر دیکھا ہے کہ بھیڑیا بکریوں کے موافق ہے اور اُن کی حفاظت کر رہا ہے۔ وہ فرمانے لگے: **«از آن که راعئ مَیش با حق موافق است»** "اِس لیے کہ بکریوں والا اپنے مالک جل جلالہٗ کے موافق اور اُس کے حکم کا تابع ہے۔" یہ کہہ کر اُنھوں نے اپنا پیالہ ایک پتھر کے نیچے رکھا جس سے دو چشمے جاری ہو گئے: ایک دودھ کا اور دوسرا شہد کا۔ میں نے کہا: «ایها الشیخ، این درجه به چه یافتی؟» شیخ! آپ کو اتنا عظیم مقام کیسے حاصل ہوا ہے؟ فرمانے لگے: **«به متابعتِ محمدٌ رّسولُ الله ﷺ۔»** یہ سب غلامیٔ رسول کی برکات ہیں۔

پھر فرمایا: «ای پسر! قومِ موسی بآں کہ مخالف بودند مع هذا سنگ ایشان را آب داد وموسی نه به درجهٔ محمد بود. **چون مَن محمد ﷺ را متابِع باشم سنگ مرا انگبین و شیر دهد، بس عجب نبود**»۔ بیٹے! موسیٰ علیہ السلام کی قوم اُن کے حکم کے خلاف کرتی تھی، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اُنھیں پتھر سے پانی عطا کیا[5]، رسول اللہ ﷺ کا درجہ تو بہت بلند ہے، اگر مَیں اُن کی غلامی اختیار کروں تو میرے لیے پتھر سے شہد اور دودھ نکلنے میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔

مَیں نے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ اُنھوں نے فرمایا: «لَا تَجْعَلْ قَلْبَكَ صُنْدُوقَ الْحِرْصِ و بَطْنَكَ وِعاءَ الحرامِ... که هلاكِ خلق اندر این دو جوف است و نجات اندر حفظِ ایں دو۔ یعنی اپنے دل میں لالچ کو نہ بسنے دینا اور پیٹ

---

[5] وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا...[البقرة: 60]

کو حرام سے محفوظ رکھنا، کیونکہ اِن دونوں (دل اور پیٹ) کی حفاظت میں نجات ہے اور اِن کی حفاظت نہ کرنے میں ہلاکت ہے۔ (کشف المحجوب، باب الحادی عشر فی ذکر ائمتہم من التابعین، ص: 118، نسخہ سمرقند[6])

اس واقعہ سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

1. بزرگوں کی زیارت باعث برکت ہے۔[7]
2. جو شخص اللہ تعالیٰ کا مخلص بندہ اور اُس کے حبیب ﷺ کا غلام بن جائے، اللہ تعالیٰ ہر چیز اس کے حکم کے تابع فرمادیتا ہے۔ وہ اللہ کی مرضی پر چلتا ہے اللہ ہر چیز اس کی مرضی کے تابع کردیتا ہے۔[8]

سچ کی برکت

فیضِ عالم علیہ الرحمہ نے کشف المحجوب کے گیارھویں باب میں سب سے پہلے سیدنا حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا ہے۔ اُن کے تذکرہ میں آپ لکھتے ہیں کہ ایک موقع پر خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حجاج بن یوسف کے ظالم سپاہیوں سے بچنے کے لیے حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں رُوپوش ہوگئے۔ سپاہی اُن کی درگاہ پر آکر پوچھنے لگے: حسن (بصری) کہاں ہیں؟ اُنھوں نے فرمایا: یہیں خانقاہ میں ہیں۔ سپاہیوں نے پوری خانقاہ کو چھان مارا، مگر وہاں خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نظر نہیں آئے۔ اُنھوں نے سمجھا حبیب علیہ الرحمہ نے ہم سے مذاق کیا ہے۔ اُنھوں کہا: سچ سچ بتائیے۔ آپ نے فرمایا: میں سچ کہہ رہا ہوں۔ اُنھوں نے تین بار تلاش کیا اور ناکام ہوکر واپس چلے گئے۔

بعد ازاں خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ باہر آکر فرمانے لگے: «یا حبیب، دانم که خدا تعالی به برکاتِ تو مرا بدیشاں ننمود، چرا گفتی بدیشان که وی در اندریں جا است؟» اے حبیب! مجھے معلوم ہے کہ آپ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے کرم کیا اور وہ مجھے نہیں دیکھ پائے، مگر آپ نے اُن کے سامنے واضح الفاظ میں یہ کیوں کہا کہ ''حسن یہیں ہیں''۔ حبیب عجمی علیہ الرحمہ فرمانے لگے: **«ای استاد! ببرکاتِ راست گفتنِ مَن تُرا ندیدند، اگر من دروغ گفتمی مَرا و تُرا**

---

[6] /http://ganjoor.net/hojviri/kashfol-mahjoob/kmbab12/sh3

[7] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ عَادَ مَرِيضًا أَوْ زَارَ أَخًا لَهُ فِي اللهِ نَادَاهُ مُنَادٍ: أَنْ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الجَنَّةِ مَنْزِلاً. (ترمذی)

[8] عن ابن مسعود سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ ﷺ يَقُولُ: مَنْ جَعَلَ الْهُمُومَ هَمًّا وَاحِدًا، هَمَّ آخِرَتِهِ، كَفَاهُ اللَّهُ هَمَّ دُنْيَاهُ، وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُومُ فِي أَحْوَالِ الدُّنْيَا، لَمْ يُبَالِ اللَّهُ فِي أَيِّ أَوْدِيَتِهَا هَلَكَ. (ابن ماجه)

هر دو را رسوا کردندے» شیخ گرامی! یہ سچ بولنے کی ہی برکت ہے کہ وہ آپ کو نہیں دیکھ پائے، اگر مَیں جھوٹ بولتا تو آپ کو اور مجھے دونوں کو شرمندگی اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا۔[(9)]

تربیت: باوجودیکہ یہ خواجہ حبیب عجمی علیہ الرحمہ کی کرامت تھی، مگر اُنھوں نے لوگوں کو تعلیم دی کہ سچ نجات دیتا ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔[10]

حرفِ آخر: فیضِ عالم داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری علیہ الرحمہ کا977واں عرس مبارک6،7،8اکتوبر،2020ء کو منعقد ہو رہا ہے۔ عرسِ مبارک میں ایصالِ ثواب کے ساتھ ساتھ ایک مقصد آپ کی سیرت کا مطالعہ اور تذکرہ کرکے محبت کی چاشنی بڑھانا اور آپ کے کردار سے راہ نمائی حاصل کرنا ہوتا ہے۔

آپ کے مزارِ پُر انوار پر حاضری فیض حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ حضرت شیر ربانی شرقپوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے: جس شخص کے پاس مدینہ منورہ پہنچنے کے لیے خرچ نہ ہو وہ لاہور جاکر داتا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار کی زیارت کرے۔(چشمۂ فیض گنج بخش، ص44) جہاں آپ کا مزار فیض بار ہے وہیں آپ کی مایہ ناز تصنیف کشف المحجوب شریف کا مطالعہ بھی آپ سے فیض یاب ہونے کا ایک وسیلہ ہے۔

کشف المحجوب سے چند سبق آموز اور فکر انگیز اُمور خطبہ میں ذکر کیے گئے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اکابر کی کتب کا مطالعہ کریں اور اُن کے افکار و نظریات اختیار کرکے دونوں جہاں میں سرخرو ہوں۔

---

[9] https://ganjoor.net/hojviri/kashfol-mahjoob/kmbab12/sh1/

[10] { تَحَرَّوْا الصِّدْقَ وَإِنْ رَأَيْتُمْ أَنَّ فِيهِ الْهَلَكَةَ فَإِنَّ فِيهِ النَّجَاةَ ، وَتَجَنَّبُوا الْكَذِبَ وَإِنْ رَأَيْتُمْ أَنَّ فِيهِ النَّجَاةَ فَإِنَّ فِيهِ الْهَلَكَةَ } (ابن ابی الدنیا)

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ. (الصف 4:61)

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ o الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ o اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ o (البقرۃ 2:155-157)

شجاعتِ امام حسین رضی اللہ عنہ

ایامِ محرم الحرام / گستاخانِ صحابہ کی مذمت

جس کی جرأت پر جہانِ رنگ وبُو سجدے میں ہے
آج وہ رمز آشنائے سرِّ "ہو" سجدے میں ہے

بانیازِ بندگی اللہ کا اِک عبدِ خاص
حسبِ حکمِ فَاعْبُدُوْهُ وَاسْجُدُوا سجدے میں ہے

کیسا عابد ہے یہ مقتل کے مصلی پر کھڑا
کیا نمازی ہے کہ بے خوفِ عدوّ سجدے میں ہے

اے حسین ابن علی تجھ کو مبارک یہ عروج
آج تو اپنے خدا کے رُو برو سجدے میں ہے

ابنِ زہرا اِس تیری شانِ عبادت پر سلام
سر پہ قاتل آچکا ہے اور تُو سجدے میں ہے

اللہ تیرا سجدہ اے شبیہ مصطفیٰ!
جیسے خود ذاتِ پیمبر ہُو بہ ہُو سجدے میں ہے

محوِ حیرت ہیں ملائک، دم بخود ہے کائنات
آج مقتل میں علی کا ماہ رُو سجدے میں ہے

سر کو سجدے میں کٹا کر کہہ گیا زہرا کا لال
کچھ اگر ہے تو بشر کی آبرو سجدے میں ہے

کون جانے، کون سمجھے، کون سمجھائے نصیر
عابد ومعبود کی جو گفتگو سجدے میں ہے

آغازِ سخن: مومن کے جو اوصاف اللہ عزوجل کو بہت پسند ہیں اُن میں سے ایک "راہِ حق میں شجاعت اور بہادری" ہے۔ اللہ تعالی دین کی خاطر شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ بہت پسند فرماتا ہے۔ انسانی تاریخ میں سب سے بڑے بہادر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے قدموں کی برکت سے آپ کی امت نے ہمیشہ بہادری کی انوکھی داستانیں رقم کیں۔

ے سلام اُس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

اُمتِ مصطفیٰ کریم ﷺ کی بہادری کی داستانیں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں، بالخصوص آپ ﷺ کے خانوادے، اخص الخاص آپ کے لاڈلے نواسے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسی شجاعت کا مظاہرہ کیا اُس پر خود بہادری کو بھی ناز ہے۔ اسلامی تاریخ میں جب بھی بہادروں اور دلیروں کا تذکرہ کیا جائے گا سرفہرست ناموں میں سے ایک نام وارثِ شجاعتِ نبوی سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہو گا۔

آج اُمت کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیاتِ مبارکہ کا یہ سبق پڑھنے کی بھی شدید ضرورت ہے۔ چنانچہ آج کے خطبہ میں آپ کے اِسی وصف کا تذکرہ ہو گا۔

شجاعت کا مفہوم اور اُس کی فضیلت

شجاعت کا مفہوم: "شجاعت" کا مفہوم یہ ہے کہ خوفناک صورتحال میں بھی انسان کا دل مطمئن رہے اور وہ انجام کی پرواہ کیے بغیر خوشی، رضامندی اور چاہت کے ساتھ حق کی خاطر ڈٹ جائے۔[1] بعض لوگ خوف والی بات سن لیں تو اُن کا دل کانپنے لگتا ہے اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ پریشان کُن صورت حال میں بھی بے خوف اپنے مقصد کی طرف بڑھتے رہتے ہیں، اِسی کا نام "بہادری" ہے۔

یاد رہے کہ حق کی خاطر دلیری اور بہادری اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور قرآن و حدیث میں اِس کی بہت تعریف کی گئی ہے، جبکہ باطل کے لیے جسارت باری تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اور قرآن و سنت میں اِس کی بہت مذمت کی گئی ہے۔

شجاعت کی فضیلت: قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو راہِ حق میں ثابت قدمی اور بہادری اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ایک مقام پر صف بستہ مجاہدین کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ. (الصف 61:4) مفہوم یہ کہ اللہ تعالیٰ میدان جہاد میں سیسہ پلائی دیوار کی طرح ڈٹ کر جہاد کرنے والے صف بستہ مجاہدین سے پیار فرماتا ہے۔

☆ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہمیں (بہت اہتمام کے ساتھ) درج ذیل کلمات تعلیم فرماتے جیسے (بچوں کو) لکھنا سکھایا جاتا ہے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ البُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ نُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ العُمُرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ القَبْرِ.» (صحیح بخاری، حدیث: 6390) اے اللہ! مَیں بخل (کنجوسی) سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! تیری پناہ مانگتا ہوں کہ ہمیں ناکارہ عمر کی طرف لوٹایا جائے، اور مَیں دنیا کے فتنے میں مبتلا ہو جانے اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

---

[1] الإقدام الاختياري على مخاوف نافعة في غير مبالاة. «التوقيف على مهمات التعاريف» (ص ٢٠٢)

شجاعتِ سید الاشجعین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مختلف غزوات و مواقع پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بہادری کی حیرت انگیز مثالیں ذکر فرمائی ہیں۔ آپ کی شجاعت سے متعلق سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ -ﷺ- أَحْسَنَ النَّاسِ، وَكَانَ أَجْوَدَ النَّاسِ، وَكَانَ أَشْجَعَ النَّاسِ۔» رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تمام انسانوں سے زیادہ حسین و جمیل بھی تھے، سب سے بڑی سخی بھی تھے اور سب سے بڑے بہادر بھی تھے۔

مزید فرمایا کہ ایک رات اہل مدینہ گھبرا گئے (کوئی خوفناک آواز سنی یا کسی مدد مانگنے والے کی پکار سنی)، تو صحابہ اجتماعی طور پر اُس کی تحقیق کے لیے نکلے، وہ روانہ ہو رہے تھے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ملاقات ہو گئی، آپ تنہا تشریف لے گئے تھے اور معلوم کر کے واپس بھی تشریف لے آئے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بغیر زین (کاٹھی) اور لگام وغیرہ کے گلے مبارک میں تلوار لٹکائے جناب ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے پر سوار تھے اور فرما رہے تھے: «لَمْ تُرَاعُوا لَمْ تُرَاعُوا» گھبراؤ نہیں، گھبراؤ نہیں (مَیں دیکھ آیا ہوں، کوئی خطرے والی بات نہیں ہے)۔

سیدنا انس نے مزید فرمایا کہ جناب ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھوڑا بہت سست رفتار تھا، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے واپسی پر فرمایا: «وَجَدْنَاهُ بَحْرًا» أَوْ قَالَ: «إِنَّهُ لَبَحْرٌ» ہم نے تو اِس گھوڑے کو دریا کی طرح (تیز رفتار اور آرام دہ) پایا۔ (حدیث:2908) سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے: فَمَا سُبِقَ بَعْدَ ذَلِكَ الْيَوْمِ. [حدیث:2969] (آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے قدموں کی برکت سے وہ ایسا تیز رفتار ہوا کہ) اس دن کے بعد کبھی کوئی سواری اُس گھوڑے سے آگے نہیں بڑھ سکی۔

شجاعتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جب ہم تمام بہادروں کے سردار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نواسے سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہادری، استقامت اور شجاعت پر نظر ڈالتے ہیں تو عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اُنھوں نے جس انداز سے حق کی خاطر اپنے گھرانے اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اُسے دیکھ کر زبان بے اختیار کہہ اُٹھتی ہے: "جب نانا کی تربیت سے نواسے کی بہادری کا یہ عالم ہے تو نانا کی شجاعت کا کیا عالم ہو گا؟"

شیر کی مانند جو مقتل میں آیا وہ حسین
جو بہتر زخم کھا کر مسکرایا وہ حسین
راہِ حق میں جس نے اپنا سر کٹایا وہ حسین
کربلا میں جس نے اپنا گھر لُٹایا وہ حسین

جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین
جس نے سب کچھ کھو کے پھر بھی کچھ نہ کھویا وہ حسین

بہادروں کی اقسام: تمام بہادر ایک جیسے نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ نے باقی خوبیوں کی طرح اِس خوبی میں بھی لوگوں کے مختلف درجات رکھے ہیں۔ اہلِ علم نے بہادروں کے چار درجے ذکر کیے ہیں: (1) ہُمام۔ (2) مِقْدَام۔ (3) بَاسِل۔ (4) بَطَل۔[2]

امام حسین کا مشہور لقب ہے "**اِمامِ ہُمَام**" (میم پر شد کے بغیر)۔ اس لقب کے ذریعے آپ کی تعریف کرتے ہوئے گویا یوں کہا جاتا ہے کہ آپ بہادروں کے سب سے بڑے درجہ پر فائز ہیں۔

امام حسین کی شجاعت کے اسباب: شجاعت کے جتنے بھی اسباب ہیں وہ سب پورے کمال کے ساتھ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ گرامی میں موجود تھے۔

- ولادت کے بعد جس ہستی کی زبان مبارک سے آپ کے کانوں میں اذان کی آواز پہنچی اور جس کے ہاتھوں گھٹی ملی وہ تمام بہادروں کے سردار ہیں صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔
- جس ماحول میں آپ نے تربیت پائی اُس جیسا پاکیزہ ماحول نہیں۔
- مولی المسلمین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا خون آپ کی رگوں میں رواں تھا جو شیرِ خدا ہیں۔
- جن بہادر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درمیان آپ کی جوانی گزری اُن جیسا ہم نشین کوئی نہیں۔
- سب سے بڑھ کر یہ کہ اُنھیں سید الاشجعین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی شجاعت سے اخص الخاص حصہ عطا فرمایا تھا۔

تربیتِ شجاعت: ☆ نانا جان نے اپنے نواسے کو صبر وشجاعت کا سبق کیسے پڑھایا تھا، اس کا اندازہ ایک روایت سے کیا جاسکتا ہے۔ آپ کی شہزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بابا جان سے نقل کرتی ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: «مَا مِنْ مُسْلِمٍ وَلَا مُسْلِمَةٍ يُصَابُ بِمُصِيبَةٍ، فَيَذْكُرُهَا وَإِنْ قَدُمَ عَلَى عَهْدِهَا، فَيُحْدِثُ لَهَا اسْتِرْجَاعًا إِلَّا أَحْدَثَ اللهُ لَهُ عِنْدَ ذَلِكَ وَأَعْطَاهُ اللهُ ثَوَابَهُ يَوْمَ أُصِيبَ بِهَا.» (المعجم الاوسط، حدیث: 2768، مسند احمد، مسند ابو یعلی) یعنی جو مسلمان مرد یا عورت کسی مصیبت مبتلا ہو (تو وہ اس پر صبر کرے اور رضائے الٰہی پر راضی رہے)، پھر کبھی اُسے وہ مصیبت یاد آئے تو وہ صبر ورضا کے طور پر إنا للہ وإنا إلیہ راجعون کہے (یا عمل سے اِس کا اِظہار کرے) تو اللہ تعالیٰ اُسے پھر سے اُتنا ہی ثواب عطا کرے گا جتنا مصیبت میں مبتلا ہونے کے وقت صبر پر عطا کیا تھا، اگرچہ طویل عرصہ گزر چکا ہو۔ (ترجمہ ماخوذ از مرقاۃ المفاتیح)

---

[2] أول مَرَاتِبهمُ الْهمام وَسمي بذلك لهمته وعزمه وَجَاء على بِنَاء فعال كشجاع الثَّانِي الْمِقْدَام وَسمي بذلك من الْإِقْدَام وَهُوَ ضد الإحجام ... الثَّالِث الباسل وَهُوَ اسْم فَاعل من بسل يبسل كشرف يشرف والبسالة الشجَاعَة والشدة ... الرَّابِع الْبَطل وَجمعه أبطال .. (الفروسية، لابن القيم، ص: 503)

☆ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يَصْطَرِعَانِ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَرَسُولُ اللهِ يَقُولُ: "هَيِّ[3] حَسَن!" قَالَتْ فَاطِمَةُ: لِمَ تَقُولُ: "هَيِّ حَسَن"؟ قَالَ: "إِنَّ جِبْرِيلَ يَقُولُ: هَيِّ حُسَيْن"۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، معجم الشیوخ لابی یعلی) یعنی حسنین کریمین آپ ﷺ کے سامنے کُشتی کر رہے تھے (شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے جہاد کی تیاری کی نیت سے کشتی کرنا بھی عبادت ہے)۔ رسول اللہ ﷺ اپنے شہزادے جناب حسن کو شاباش دیتے ہوئے فرماتے: هَيِّ حسن! (حسن! جلدی) خاتونِ جنت سلام اللہ علیہا نے عرض کی: کیا حکمت ہے کہ آپ صرف ایک کو شاباش دے رہے ہیں، حسین کو شاباش نہیں دے رہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جبریل کہہ رہے ہیں: هَيِّ حُسَين (حُسین! جلدی)۔

وراثتِ شجاعت: خاتون جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کی مرضِ وفات شریف میں اپنے دونوں شہزادوں کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: يَا رَسُولَ اللهِ هٰذَانِ ابْنَاكَ فَوَرِّثْهُمَا شَيْئًا۔ یارسول اللہ ﷺ! یہ دونوں آپ کے شہزادے ہیں، اِنھیں کچھ عطا کیجیے، وراثت دیجیے۔

؎ میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا دریا بہادیے ہیں دُرّ بے بہادیے ہیں

ہر ایک کی وراثت اُس کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے۔ سرمایہ دار کی وراثت میں دنیوی سرمایہ ہوتا ہے، علم سے محبت کرنے والے کی وراثت میں علمی ذخائر ہوتے ہیں، ہمارے دور کے سیاستدانوں کی وراثت میں لُوٹا ہوا مال ہوتا ہے۔ سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اُس ہستی سے وراثت وعطیہ کی درخواست کی تھی جو سارے جہان کے سردار ہیں، جنہیں اللہ نے ایسی ہیبت عطا کی کہ مہینوں کی مسافت پر دشمن اُن کے رعب ودبدبہ سے کانپتا ہے، جو تمام انسانوں میں سب سے بڑے بہادر بھی ہیں اور سب سے بڑے سخی بھی۔ جب وراثت دینے والے کے یہ اوصاف ہیں تو وراثت بھی ایسی ہی ہوگی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَمَّا الْحَسَنُ فَلَهُ هَيْبَتِي وَسُؤْدَدِي، وَأَمَّا حُسَيْنٌ فَلَهُ جُرْأَتِي وَجُودِي. (المعجم الکبیر، حدیث:1041) میں نے حسن کو اپنی ہیبت اور سرداری کا وارث بنایا اور حسین کو اپنی جرأت وسخاوت عطا کی۔

جو سید الشجعین ﷺ کی جرأت وشجاعت کا وارث ہو اُس کے سامنے ایک تو کیا کئی کربلائیں بھی ہوتیں تو پھولوں کی طرح مُسکراتے ہوئے راہِ حق پر ڈٹا رہتا اور ہر آزمائش پر پورا اُترتا۔

رسول اللہ ﷺ نے دنیوی وراثت اِس لیے عطا نہیں فرمائی کہ اُن کی نظر میں دنیا کی کوئی قدر نہیں، وہ دنیا بھر کی نعمتیں تقسیم فرماتے ہیں مگر پاس کچھ نہیں رکھتے۔

؎ مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں دو جہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں

---

[3] اسم فعل أمر، بمعنى أسْرِعْ. (موسوعة الصرف والنحو والاعراب)

آخری رات شجاعت بھری وصیتیں: محرم کی دسویں رات، جب امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ ستر کے قریب نعشیں اُٹھا چکے تھے، آپ کی ہمشیرہ محترمہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا شدتِ غم سے بے ہوش ہو گئیں۔ امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کے چہرے پر پانی ڈالا اور فرمایا: اِتَّقِي اللّٰهَ وَتَعَزِّيْ بِعَزَاءِ اللّٰهِ وَاعْلَمِي أَنَّ أَهْلَ الْأَرْضِ يَمُوتُونَ وَأَهْلَ السَّمَاءِ لَا يَبْقَوْنَ، وَأَنَّ كُلَّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَ اللّٰهِ، أَبِي خَيْرٌ مِنِّي وَأُمِّي خَيْرٌ مِنِّي وَأَخِي خَيْرٌ مِنِّي، وَلِي وَلَهُمْ وَلِكُلِّ مُسْلِمٍ بِرَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ. فَعَزَّاهَا بِهٰذَا وَنَحْوِهِ وَقَالَ لَهَا: يَا أُخَيَّةُ إِنِّي أُقْسِمُ عَلَيْكِ لَا تَشُقِّي عَلَيَّ جَيْبًا، وَلَا تَخْمِشِي عَلَيَّ وَجْهًا، وَلَا تَدْعِي عَلَيَّ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُورِ إِنْ أَنَا هَلَكْتُ. (تاریخ الامم والملوک للطبری، البدایۃ والنہایۃ لابن اثیر) بہن! اللہ سے ڈرتی رہنا اور اللہ کی رضا پر راضی رہنا، یہ یقین بر قرار رکھنا کہ زمین والے تمام کے تمام وفات پائیں گے اور آسمان والے بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے، ذات باری تعالی کے علاوہ ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ میرے والد گرامی، والدہ ماجدہ اور برادر مکرم، سبھی مجھ سے افضل تھے (اور اُن کی بھی وفات ہوئی ہے)۔ میرے لیے، اُن کے لیے اور ہر مسلمان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات راہ نما ہے۔ اس طرح کے مزید کلمات کے ذریعے اُنھیں تسلی دینے کے بعد فرمایا: بہن! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ میری شہادت کے بعد گریبان مت پھاڑنا، چہرہ نہ پیٹنا اور واویلانہ کرنا۔

شجاعتِ حسین اور مختلف امتحانات: اللہ عزوجل بندے کو مختلف طرح سے آزماتا ہے۔ اُس نے اپنی آزمائش کے مختلف طریقوں کا ذکر قرآن پاک میں فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ o الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ o اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ o (البقرۃ2:155-157) اور ہم ضرور تمہیں کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنادو۔ وہ لوگ کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں: ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے درود ہیں اور رحمت اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

اللہ کریم جل جلالہ جب کسی کو آزماتا ہے تو اُس کی طاقت سے زیادہ آزمائش نہیں فرماتا۔ یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ اللہ عزوجل بندے کو ایسے امتحان میں مبتلا کرے جسے پورا کرنا بندے کے بس میں نہ ہو۔ بلکہ دنیا بھر کا اُصول ہے کہ اگر امتحان کے مراحل مشکل ہوں تو درمیان میں وقفہ رکھا جاتا ہے، تاکہ امتحان دینے میں آسانی ہو اور کینیڈیٹ ذہنی دباؤ کا شکار نہ ہو۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بھی اللہ عزوجل نے آزمایا، کبھی وطن چھوڑنے کا حکم دیا، کبھی اولاد پیش کرنے کا، کبھی جان کے ذریعے آزمایا، مگر یہ سب امتحانات بیک وقت نہیں تھے، اُن کے درمیان وقفہ تھا۔ جب کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قابل فخر پوتے امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے کربلا میں یہ سارے امتحانات بیک وقت لیے گئے، خوف کا امتحان بھی وہیں تھا، بھوک اور پیاس کا امتحان بھی وہیں تھا، خیموں کو آگ بھی وہیں لگی ہوئی تھی، بچوں کی جانیں بھی وہیں پیش کرنا تھیں، پھر اپنا سر اقدس بھی وہیں پیش کرنا تھا۔ قربان اُس وفا

پرستوں کے سردار اور بہادروں کے فخر پر جس نے اِن سارے امتحانوں میں وہ استقامت و شجاعت اختیار کی کہ قیامت تک دین کی خاطر آزمائش میں مبتلا ہونے والے اُن کی بہادری یاد کرکے اپنے جذبے جواں کرتے رہیں گے۔ یقیناً اللہ کریم جانتا تھا کہ میرے نبی نے میرے حکم کے مطابق اپنے نواسے کی جو تربیت کی ہے اُس کا ایسا اثر ہے یہ سارے امتحانات ایک ہی وقت میں لیے جائیں تو بھی حسین کے قدم ڈگمگائیں گے نہیں، بلکہ وہ نرالی شان کے ساتھ سرخرو ہو گا۔

شجاعتِ حسین سے سبق: بہادر بننے کا ایک سبب یہ ہے کہ انسان بہادروں کی داستانیں پڑھے، اُن کے ساتھ نشت وبرخاست رکھے اور اُن سے محبت کرے۔ اُن جواں مردوں کی سیرت پڑھے جنھوں نے حق کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ شہزادۂ امامِ حسین سیدنا علی زین العابدین رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے: كُنَّا نُعَلَّمُ مَغَازِيَ النَّبِيِّ ﷺ كَمَا نُعَلَّمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے غزوات مبارکہ کے واقعات ایسے سکھائے جاتے تھے جیسے قرآن پاک کی تعلیم دی جاتی۔ (البدایہ والنہایہ)

افسوس! یورپ نے ہمارے ہاتھوں سے جہاد اور اکابر کی سیرت کا سبق چھین کر فحش لٹریچر تھما دیا۔ کل جو بچے صحابہ اور اہل بیت رضی اللہ تعالی عنہم کی عظمتوں کی داستانیں یاد کرتے تھے وہ آج موسیقی کی دھنوں پر رقص کے طریقے سیکھتے ہیں۔ اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

؎ بہتر ہے کہ اِن شیروں کو سکھا دیں رم آہو — باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اِک ٹوٹا ہوا تارا

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِدارا

تمدّن آفریں، خلّاقِ آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب، یعنی شتر بانوں کا گہوارا

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیوّر اتنے
کہ مُنعِم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تُو گفتار، وہ کردار، تُو ثابت، وہ سیارا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا

قائداعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے 30 اکتوبر، 1947ء کو لاہور میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"آپ کو صرف اپنے آباء واجداد کی طرح مجاہدانہ جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے، آپ اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں جس کی تاریخ بہادری، شجاعت اور بلندی کردار کی بے شمار مثالوں سے بھری پڑی ہے۔"[(4)]

ایامِ محرم الحرام

ویسے تو تمام دن، ہفتے، مہینے اور سال اللہ تعالی کے ہی بنائے ہوئے ہیں، مگر بعض دنوں اور راتوں کو اللہ تعالی نے فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اُن میں عبادت و فرماں برداری پر بارگاہِ الٰہی سے زیادہ ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ محرم الحرام کے دن بھی اِنہی خاص ایام سے ہیں۔

اِس مہینے کو سرکار ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے بھی احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور اِس میں کئی انبیائے کرام علیہم السلام کے اہم واقعات رُونما ہوئے۔ خود سید عالم ﷺ اور آپ کے صحابہ و اہل بیت رضی اللہ تعالی عنہم کی کئی یادیں اِس مہینے سے وابستہ ہیں۔ اِسی ماہ مبارک میں اللہ تعالی نے سیدنا نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو کشتی کے ذریعے طوفان سے بچایا اور دُنیا بھر کے کفار کو اِس طوفان کے ذریعے ہلاک فرمادیا۔ اِسی مہینے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے نارِ نمرود کو گلزار بنایا۔ اِسی مہینے کی دس تاریخ کو اللہ عزوجل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو فرعون کے ظلم و ستم سے نجات عطا کی اور تکبر کے نشہ میں مست فرعون کو تمام افواج سمیت دریا میں ڈبو دیا۔[(5)]

رسول اللہ ﷺ نے احادیث طیبہ میں محرم کے اندر عبادت کی فضیلت بیان فرمائی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: فرض نمازوں کے بعد افضل ترین نماز کون سی ہے اور فرض روزوں کے بعد افضل ترین روزے کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَفْضَلُ الصَّلاَةِ بَعْدَ الصَّلاَةِ الْمَكْتُوبَةِ الصَّلاَةُ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ،

---

[4] http://www.nawaiwaqt.com.pk/quaide-azam-nay-farmaya/15-Sep-2015/414321

[5] محرم کے واقعات مدلل مضمون: http://www.alukah.net/culture/0/63327/

وَأَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ صِيَامُ شَهْرِ اللهِ الْمُحَرَّمِ -» (صحیح مسلم، حدیث:2813) فرض نمازوں کے بعد افضل ترین نماز وہ ہے جو رات میں پڑھی جائے اور فرض روزوں کے بعد افضل ترین روزے اللہ کے مہینے محرم کے روزے ہیں۔

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ ایک حدیث میں سرکار دوعالم ﷺ سے یہ الفاظ بھی مروی ہیں:

وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ. (صحیح مسلم، حدیث: 2803) یعنی مجھے اللہ کی رحمت سے اُمید ہے کہ وہ دس محرم کے روزے پر گزشتہ سال کے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری سال فرمایا تھا: « فَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ - إِنْ شَاءَ اللهُ - صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ » یعنی اگر آئندہ سال زندگی رہی تو ان شاء اللہ تعالیٰ مَیں نَو محرم کا بھی روزہ رکھوں گا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2722) لہٰذا اِن دونوں کے روزے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

آپ ﷺ سے مروی ہے: مَنْ وَسَّعَ عَلَى عِيَالِهِ يَوْمَ عَاشُورَاءَ لَمْ يَزَلْ فِي سَعَةٍ سَائِرَ سَنَتِهِ. جو شخص دس محرم کو اپنے اہل وعیال وسعت کے ساتھ خرچ کرے اُسے پورا سال وسعت نصیب رہے گی۔ (المعجم الکبیر، حدیث: 10007۔ قال الہیثمی فی مجمع الزوائد: وَفِيهِ الْهَيْصَمُ بْنُ الشَّدَّاخِ، وَهُوَ ضَعِيفٌ جِدًّا)

گستاخانِ صحابہ کی مذمت

کچھ عرصہ سے ایک مخصوص فرقہ کے افراد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، بالخصوص یارِ غار ومزار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مسلسل گستاخیاں کر رہے ہیں۔ بارگاہِ عزت پناہ ﷺ میں جناب صدیق اکبر کو جو وجاہت حاصل ہے اُسے پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی بھی مسلمان نہ تو اُن کی گستاخی کر سکتا ہے اور نہ ہی اُسے برداشت کر سکتا ہے۔

جناب صدیق کے بارے میں مسلمان کا مزاج وہ ہوتا ہے جو سیدنا ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سکھایا ہے۔ کسی موقع پر جناب ربیعہ کی سیدنا صدیق اکبر کے ساتھ شکر رنجی ہوگئی۔ جناب صدیق بارگاہِ مصطفی ﷺ کی طرف چل پڑے، وہ بھی معذرت خواہانہ انداز میں پیچھے پیچھے چلتے آئے۔ اُن کے بعض دوستوں نے کہا: آپ کیوں پریشان ہیں، آپ نے تو جناب صدیق کو کوئی بات کہی ہی نہیں۔ وہ فرمانے لگے: جانتے ہو یہ کون ہیں؟ یہ ابو بکر صدیق ہیں! یہ ثانی اثنین ہیں! یہ سفید بالوں والے عمر رسیدہ مسلمان ہیں! اگر یہ مجھ سے ناراض ہو کر سرکار ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے تو اِن کی وجہ سے حضور بھی ناراض ہو جائیں گے اور اگر حضور ﷺ ناراض ہوگئے تو اِن دونوں کی وجہ سے اللہ بھی ناراض ہو جائے گا، پھر ربیعہ تو تباہ وبرباد ہو جائے گا۔[6]

---

[6] فَيَغْضَبَ فَيَأْتِيَ رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَيَغْضَبَ لِغَضَبِهِ، فَيَغْضَبَ اللهُ لِغَضَبِهِمَا فَيَهْلِكَ رَبِيعَةُ.... (المستدرک علی الصحیحین، مسند احمد، المعجم الکبیر)

جسے اللہ تعالی نے ایمان کی دولت سے نوازا ہے وہ جناب صدیق کے بارے میں ایسی ہی احتیاط کرتا ہے۔ حفاظت کے لیے رکھا ہوا کتا ہر اجنبی شخص کو گھر میں دیکھ کر بھونکتا ہے، مگر جو مالک کے ساتھ ہو اُسے نہیں بھونکتا..........

اس کے ساتھ ساتھ افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے کہ حکومت کی طرف سے اِن گستاخوں کے خلاف کوئی مؤثر کارروائی سامنے نہیں آرہی۔ یوں لگتا ہے کہ حکومت میں ایسے افراد موجود ہیں جو فرقہ واریت کو ہوا دے کر ملک کا امن خراب کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ ایسے شر پسند افراد کو فوری طور پر گرفتار کر کے تیز رفتاری کے ساتھ مقدمات نمٹائے جائیں اور اِنھیں قرار واقعی سزا دی جائے۔

رہے گا یوں ہی اُن کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

مبارک ہو وہ شہ پردہ سے باہر آنے والا ہے
گدائی کو زمانہ جس کے در پر آنے والا ہے

فقیروں سے کہو حاضر ہوں جو مانگیں گے پائیں گے
کہ سلطانِ جہاں محتاج پَرُوَر آنے والا ہے

کہاں ہیں ٹوٹی امیدیں کہاں ہیں بے سہارا دل
کہ وہ فریاد رَس، بیکس کا یاور آنے والا ہے

ٹھکانا بے ٹھکانوں کا سہارا بے سہاروں کا
غریبوں کی مدد بے کَس کا یاور آنے والا ہے

گنہ گارو! نہ ہو مایوس تم اپنی رہائی سے
مدد کو وہ شفیعِ روزِ محشر آنے والا ہے

کہاں ہیں بادشاہانِ جہاں آئیں سلامی کو
کہ اب فرماں روائے ہفت کشور آنے والا ہے

سلاطینِ زمانہ جس کے در پر بھیک مانگیں گے
فقیروں کو مبارک وہ تونگر آنے والا ہے

حسن کہہ دے اُٹھیں سب امتی تعظیم کی خاطر
کہ اپنا پیشوا اپنا پیمبر آنے والا ہے

صدیوں سے لوگ دل و نگاہ فرش راہ کیے منتظر تھے کہ ''وہ آنے والا ہے''۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے اُن کی عظمتوں کے ڈنکے بجائے اور سماں باندھا کہ ''وہ آنے والا ہے''۔ یہود کے قبائل اپنے علاقوں سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں اِسی اُمید پر قیام پذیر ہوئے تھے کہ ''وہ آنے والا ہے''۔ جناب ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف کی تعمیر کے بعد جو دعا کی اُس کا مفہوم بھی یہی تھا کہ اے اللہ! اِس گھر کو آباد کرنے کے لیے اُسے بھیج دے جو ''آنے والا ہے''۔ جناب سلمانِ فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''آنے والے'' والے کی تلاش میں نہ جانے کہاں کہاں پہنچے۔ ہماری خوش نصیبی کہ صدیوں تک لوگ محفلیں سجا کر کہتے تھے: ''بس عنقریب وہ آنے ہی والے ہیں''، مگر ہم اُن کی آمد پر خوشی مناتے ہوئے کہتے ہیں: آمدِ مصطفیٰ... مرحبا مرحبا۔

خصائصِ مصطفیٰ ﷺ

اللہ عزوجل نے انسانوں کو مختلف خوبیوں، اوصاف اور کمالات سے نوازا ہے۔ کچھ اوصاف ایسے ہیں جو اللہ تعالی انسان کی کوشش کی برکت سے عطا کر دیتا ہے اور بے شمار ایسے ہیں جن میں کوشش کا کوئی دخل نہیں وہ محض اللہ کی عطا ہیں يُؤْتِيهِ مَن يَشَآء.
اللہ تعالی نے تمام مخلوق میں سب سے زیادہ خوبیاں انبیائے کرام علیہم السلام کو عطا فرمائیں۔ پھر ہمارے آقا و مولا ﷺ کا یہ وصفِ امتیاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کو جو خوبیاں عطا کیں یا کرے گا اُس نے وہ سب کی سب پورے کمال کے ساتھ ہمارے آقا و مولا ﷺ میں جمع فرما دیں۔ مولانا جامی علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا:

حُسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

فقط یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں بے شمار ایسی خوبیوں سے بھی نوازا ہے جو اولین و آخرین میں سے کسی کو بھی عطا نہیں فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ خود اپنی مبارک زبان سے یہ خوبیاں بیان فرماتے، بلکہ ایسی کئی خوبیوں کا تذکرہ خود باری تعالی جل جلالہٗ نے قرآن مجید میں بھی فرمایا ہے۔ علما اِنھیں ”خصائصِ مصطفی ﷺ“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ ”اللہ تعالی نے آپ کا ذکرِ خیر اِس شان کے ساتھ بلند فرمایا کہ وہ ابھی دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے کہ اُن کے چرچے تھے، میلاد ہوا تو عرش و فرش پر اُن کی دھومیں تھیں، صدیاں گزرنے کے بعد بھی جس شان کے ساتھ اُن کے میلاد کا جشن ہوتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور اِن شاء اللہ تعالی قیامت تک آپ کا ذکرِ خیر اِسی طرح بڑھتا رہے گا۔“

تُو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے ‍‍ ‍ جب بڑھائے تجھے اللہ تعالی تیرا

ولادت سے پہلے چرچے

تمام انبیائے کرام علیہم السلام اپنی بلند شانوں کے ساتھ تشریف لائے، مگر سبھی کا انداز یہ تھا کہ وہ تشریف لائے، اپنا تعارف کرایا، پھر کچھ خوش نصیب ایمان لے آئے اور بہت سارے بدنصیب محروم رہے۔ ایسا نہیں ہوا کہ نبی کے تشریف لانے سے پہلے ہی اُن پر ایمان کا عہد کرنے والے اور اُن کا چرچا کرنے والے موجود ہوں۔ یہ شان اللہ تعالیٰ نے صرف سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالی عنہا کے چاند ﷺ کو ہی عطا کی ہے کہ وہ ابھی تشریف بھی نہیں لائے تھے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور اُن کی امتوں سے نبی آخر الزماں پر ایمان لانے کے وعدے لیے جا چکے تھے، میلادِ مصطفیٰ ﷺ سے پہلے ہی اُس کے چرچے تھے، ابھی اُنھوں نے آنکھ بھی نہیں کھولی تھی کہ اُن کے وسیلے پیش کیے جاتے تھے، اُن کے نور کا دنیا میں ظہور نہیں ہوا تھا کہ تمنائیں کی جاتی تھیں کاش ہماری زندگی میں وہ جلوہ فرما ہوں اور اُن

کی غلامی کی سعادت پائی جائے۔ علامہ شہاب الدین محمود آلوسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: وَلَمْ یُؤْمِنْ أَحَدٌ بِنَبِیٍّ غَیْرِہٖ علیہ الصلاۃ و السلام قَبْلَ ظُهُوْرِہٖ. (روح المعانی، تحت سورۃ یٰس، آیت:20، حاشیہ تفسیر جلالین، ج:3، ص:130)

انبیائے کرام کا میثاق: باری تعالی نے سورۂ آل عمران، آیت:81 میں انبیائے کرام علیہم السلام کے میثاق کا ذکر فرمایا۔[1] علاوہ ازیں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالی نے سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کو وحی فرمائی: یَاعِیسٰی آمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَأْمُرْ مَنْ أَدْرَکَهُ مِنْ أُمَّتِكَ أَنْ یُؤْمِنُوا بِهِ، فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ آدَمَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ... (المستدرک علی الصحیحین، حدیث:4227[2]) یعنی اے عیسیٰ! نبیِ آخر الزماں محمد ﷺ پر ایمان لائیے اور اپنی اُمت کو حکم دیجیے کہ جو اُن کا زمانہ پائے اُن پر ایمان لائے۔ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو مَیں آدم کو بھی پیدا نہ فرماتا (آدم علیہ السلام نہ ہوتے تو کوئی انسان بھی نہ ہوتا)، اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو مَیں جنت و دوزخ کو بھی پیدا نہ فرماتا۔

ہوتے کہاں خلیل وبنا کعبہ ومنی
لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

اہلِ کتاب کا میثاق: ارشادِ ربانی ہے: { وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ أُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ } [آل عمران:187] ”اور یاد کرو جب اللہ نے اہلِ کتاب سے عہد لیا کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کرنا اور اسے چھپانا نہیں، تو انہوں نے اس عہد کو پسِ پُشت پھینک دیا (عہد کو پورا نہ کیا) اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کرلی تو یہ کتنی بُری خریداری ہے۔“ ایک تفسیر کے مطابق {لَتُبَیِّنُنَّهٗ} کی ضمیر منصوب نامِ محمد صلی اللہ تعالی علی مسماہ وسلم کی طرف راجع ہے۔[3] آیت مبارکہ کا مفہوم ہو گا: اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے پہلے نازل

---

[1] فتاوی رضویہ، ج:30، ص:134 تا 138 پر اس آیت مبارکہ سے متعلق نفیس مباحث اور نکات مذکور ہیں۔

[2] امام حاکم نیشاپوری علیہ الرحمہ نے ”المستدرک“ میں اور امام تقی الدین علی سبکی علیہ الرحمہ نے ”شفاء السقام“ میں اس کی تصحیح کی ہے، نیز شفاء السقام کے محقق نے بھی اس کی تائید میں مفصل کلام کیا ہے۔ (شفاء السقام، ص:359 تا 362، دار الکتب العلمیہ) علامہ یوسف صالحی شامی علیہ الرحمہ نے ”سبل الهدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد“ میں عنوان قائم کیا: الباب الثانی فی خلق آدم وجمیع المخلوقات لأجله ﷺ (بابِ ثانی اس بارے میں کہ جناب آدم اور تمام مخلوق آپ ﷺ کے طفیل پیدا کی گئی ہے)، اس باب میں اُنھوں نے حدیث مذکور کو ذکر کرنے کے بعد اس کے متعدد شواہد نقل کیے ہیں۔ (سبل الهدی والرشاد، ج:1، ص:74) علامہ عجلونی علیہ الرحمہ نے ”کشف الخفاء“ میں فیصلہ کُن بات کہی: وأقول لکن معناه صحیح وإن لم یکن حدیثا. یعنی الفاظ اصطلاحِ اُصولِ حدیث کے مطابق صحیح نہ بھی ہوں تو معنیٰ صحیح ہے۔ (کشف الخفاء ومزیل الالباس)

/http://www.suffahpk.com/hadess-lo-la-lima-khalaqtal-iflak-sai-mutaliq

/https://alsaduuq.wordpress.com/2012/02/28/188

[3] یعني: نعت محمد ﷺ وصفته { وَلَا تَکْتُمُوْنَهٗ } عنهم ... { واشتروا بِهٖ } أي بکتمان نعت محمد ﷺ وصفته { ثَمَنًا قَلِیْلًا } (تفسیر سمرقندی، وتفاسیر اخری)

ہونے والی کتابوں میں اہلِ کتاب سے یہ وعدہ ومیثاق لیا تھا کہ تم ضرور نبی آخر الزماں ﷺ کے اوصاف اور اُن کی نبوت کے دلائل لوگوں کے سامنے بیان کروگے اور خوب واضح کرکے سمجھاؤگے اور ہر گز اُنھیں چھپانا نہیں، لیکن اُنھوں نے یہ وعدہ پورا نہ کیا اور رشوتیں لے کر آپ ﷺ کے اوصاف چھپائے۔ یہ دنیوی مفاد اُن کے حق میں بہت بُرا ہے کیونکہ اِس کی وجہ سے وہ آخرت میں عذاب کے مستحق ہوئے۔

توجہ طلب: اللہ تعالیٰ نے پہلی اُمتوں سے بھی وعدہ لیا کہ وہ آپ ﷺ کی شان بیان کرنے میں بخل نہیں کریں گے، پھر یہ وعدہ پورا نہ کرنے پر اُن کی مذمت فرمائی۔ اگر کوئی کلمہ گو اُن کی شان چھپائے تو وہ کس قدر قابلِ مذمت ہو گا۔

تورات میں ذکرِ خاتم المرسلین: سیدہ اُمّ درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سیدنا کعب الاحبار رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا: تورات میں رسول اللہ ﷺ کے کیا اوصاف ذکر کیے گئے ہیں؟ اُنھوں نے بیان کیا کہ تورات میں یہ اوصاف (بھی) مذکور ہیں: **مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ، اِسْمُهُ الْمُتَوَكِّلُ، لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ وَلَا سَخَّابٍ بِالْأَسْوَاقِ، أُعْطِيَ الْمَفَاتِيحَ لِيُبَصِّرَ اللهُ تَعَالَى بِهِ أَعْيُنًا عُوْرًا، وَيُسْمِعَ بِهِ آذَانًا وُقْرًا، وَيُقِيمَ بِهِ أَلْسُنًا مُعْوَجَّةً حَتّٰى يُشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، يُعِينُ الْمَظْلُومَ وَيَمْنَعُهُ۔** (دلائل النبوۃ للبیہقی، حدیث: 339، ورواہ ابن عساکر فی تاریخ دمشق، وروی البخاری أولہ عن عبد اللہ بن عمرو) محمد رسول اللہ، اُن کا نام متوکل (اللہ پر بھروسہ کرنے والا) ہے، نہ بداخلاق ہیں نہ سخت زبان وترش مزاج، نہ ہی بازاروں میں چلّانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اُنھیں (خزانوں کی) چابیاں عطا فرمائی ہیں، تاکہ اُن کے ذریعے اندھی آنکھوں کو بینا کردے اور اُن کے ذریعے بہرے کانوں کو سننے والا کردے اور اُن کے ذریعے ٹیڑھی زبانیں سیدھی کردے، یہاں تک کہ لوگ گواہی دیں ”لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ“، وہ مظلوم کے مددگار ہوں گے اور اُسے کمزور سمجھے جانے سے بچائیں گے۔

جب اہلِ کتاب اپنی کتابوں میں نبی رحمت ﷺ کے ایسے حسین اوصاف پڑھتے ہوں گے اور پھر اِنھیں بیان کرنے کے عہد کا مطالعہ کرتے ہوں گے تو یقیناً محوِ حیرت ہوتے ہوں گے کہ وہ کیسی شان والا محبوب ہے جس کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اُس کی ایسی عزت افزائی فرمارہا ہے۔

یہود کا توسل: اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ہی اُن کے اس قدر چرچے کرادیے تھے کہ یہود کو جب جنگ میں مشکل پیش آتی تو وہ آپ ﷺ کا وسیلہ پیش کرتے۔ ارشادِ ربانی ہے: {**وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ**} [البقرۃ2:89] یعنی جب قرآن مجید نازل ہوا جو تورات کی تصدیق کرنے والا ہے، اور اس سے پہلے یہ (یہودی) اِسی نبی کے وسیلہ سے کافروں کے خلاف فتح مانگتے تھے، تو جب اُن کے پاس وہ جانا پہچانا نبی تشریف لے آیا تو اس کے منکر ہوگئے تو اللہ کی لعنت ہو انکار کرنے والوں پر۔

امام اسماعیل بن عبد الرحمان سُدّی علیہ الرحمہ (128ھ) نے نقل کیا: أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا اشْتَدَّ الْحَرْبُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ أَخْرَجُوا التَّوْرَاةَ وَ وَضَعُوا أَيْدِيَهُمْ عَلٰى مَوْضِعِ ذِكْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وَقَالُوْا: اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ بِحَقِّ نَبِيِّكَ الَّذِيْ وَعَدتَّنَا أَنْ تَبْعَثَهُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ أَنْ تَنْصُرَنَا الْيَوْمَ عَلٰى عَدُوِّنَا. فَيُنْصَرُوْنَ. (تفسیر روح المعانی، تحت الآیۃ المذکورۃ، وذکرہ الخفاجی فی عِنایۃ القاضی) جب مشرکوں اور یہودیوں کے درمیان جنگ شدت اختیار کرتی تو یہودی تورات کو کھولتے، رسول اللہ ﷺ کے ذکر مبارک والے مقام پر اُنگلی رکھ کر اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے: "اے اللہ! جس نبی کو تُو نے سب سے آخر میں بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے اُس کی عزت و وجاہت کے وسیلے سے ہمیں دشمنوں پر فتح عطا فرما۔" چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے فتح پا لیتے۔

توجہ طلب: اُن کا انتظار کرنے والے اگر اُن کے نام کا وسیلہ پیش کرتے تو اللہ تعالیٰ ردّ نہیں فرماتا تھا، اگر اُن کا اُمتی اُن کا غلام بن کر وسیلہ پیش کرے تو کیسے خالی موڑا جائے گا۔

نیز یہ بھی غور طلب بات ہے کہ وہ اپنے نبی کے نام کا وسیلہ کیوں نہ پیش کرتے تھے؟ کلمہ اپنے نبی کا پڑھتے، وسیلہ ماہِ مدینہ ﷺ کا پیش کرتے۔ شاید کہ اُن کے پاس تشریف لانے والے انبیائے کرام علیہم السلام نے اُنھیں سکھایا ہی یہ تھا کہ مشکل وقت میں اُسی کا نام لینا جو ابھی دنیا میں تشریف تو نہیں لائے، لیکن باری تعالیٰ کی بارگاہ میں اُن کی ایسی عزت و وجاہت ہے کہ وہ اُن کا وسیلہ ردّ نہیں فرماتا۔

رہے گا یوں ہی اُن کا چرچا رہے گا

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے وعدہ فرمایا کہ اُس کے لُطف و کرم اور انعام و احسان میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ ہر آنے والی ساعت گزری ہوئی ساعت سے، ہر آنے والی گھڑی گزری ہوئی گھڑیوں سے، ہر آنے والی حالت گزشتہ حالات سے اعلیٰ، بہتر اور ارفع ہوگی۔ ارشاد فرمایا: وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى. [الضحیٰ 93:4]

اللہ تعالیٰ نے پیدائش سے پہلے ہی اپنے محبوب کریم ﷺ کو ایسی شان عطا کی کہ ہر طرف اُن کے چرچے تھے، پھر حسبِ وعدہ اُس نے آپ ﷺ کے ذکر خیر میں اِضافہ فرمایا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ عرض کرتے ہیں:

عرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ فرش میں طُرفہ دھوم دھام
کان جدھر لگائیے تیری ہی داستان ہے

اِن شاء اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی عظمتوں میں ترقی اور ذکر خیر میں اِضافہ کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس وقت کفار، بالخصوص فرانس کے کمینے جس ناپاک کوشش میں مصروف ہیں، اللہ کے کرم سے وہ اُس میں ناکام ہوں گے۔

رہے گا یوں ہی اُن کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لیے ضروری اُمور

اللہ تعالیٰ کی یہ عادتِ کریمہ ہے کہ وہ اپنے حبیب ﷺ کو گستاخوں کے شر سے محفوظ رکھتا ہے اور خود گستاخانِ رسول ﷺ سے بدلہ لیتا ہے۔[4] جب بھی کسی بدبخت گستاخ نے آپ ﷺ کی عزت کو نشانہ بنانے کی کوشش کی اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی ذریعہ سے اپنے حبیب ﷺ کی ناموس کا تحفظ فرمایا۔ بعض اوقات اسباب کے ذریعے اور بعض اوقات اسباب سے ورا محض اپنی قدرت کے ذریعے۔ اللہ تعالیٰ کو تحفظِ ناموسِ رسالت کے لیے کسی انسان کی کاوش کی ضرورت نہیں۔ وہ ارشاد فرماتا ہے: {وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا} [الفتح 7:48] "اور آسمانوں اور زمین کے سب لشکر اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔" تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی فرشتوں کے ذریعے، کبھی کبوتروں کے ذریعے، کبھی کتوں کے ذریعے اور کبھی دیگر ذرائع سے آپ ﷺ کی ناموس کا تحفظ فرمایا۔ اگر کوئی شخص ناموسِ رسالت کے لیے کوشش کرتا ہے تو یہ اُس کی خوش نصیبی ہے۔

دہد حق عشقِ احمد بندگانِ چیدہ خود را

بحیثیتِ مسلمان ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم تحفظِ ناموسِ رسالت کے لیے درجِ ذیل اُمور پر عمل کریں۔

تحفظِ ناموسِ رسالت کی اہمیت کا اِحساس: ہر مسلمان پر لازم ہے کہ خود بھی اِس بات کا اِدراک کرے اور دوسروں کو بھی سمجھائے کہ رسول اللہ ﷺ کی عزت پر پہرہ دینا دین کے بنیادی فرائض میں سے ہے، باقی سب دینی اُمور بھی اِس کے بعد ہیں، چہ جائیکہ کے کوئی شخص اپنی ذاتی معاملات کو ترجیح دے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے عمل کو خوبصورت انداز میں بیان فرمایا:

مولا علی نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

صدیق بلکہ غار میں جاں اس پہ دے چکے
اور حفظِ جاں تو جان فروضِ غُرر کی ہے

ہاں تونے اِن کو جان اُنھیں پھیر دی نماز
پَر وہ تو کرچکے تھے جو کرنی بشر کی ہے

---

[4] {اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ} [الحجر: 95]

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاُصول بندگی اس تاجور کی ہے

ایمانی جذبات کا اِظہار: جب کوئی بدبخت بارگاہِ رسالت مآب کی توہین کرے تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق ایمانی جذبات کا اِظہار کرے، گستاخوں کے خلاف آواز بلند کرے اور اپنے آقا کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شانیں بیان کرے۔ سوشل میڈیا، الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا، تحریر و تقریر، غرضیکہ ہر ذریعہ سے کفار کو یہ پیغام ملے کہ مسلمان ناموسِ رسالت کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرسکتے، اُن کا یہ جذبہ ہے:

کھینچ لیں گے ہم اُس آنکھ سے روشنی اُن کی جانب اُٹھے گی جو بن کے شَرَر

خود باری تعالی بھی اپنے محبوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے گستاخوں پر اس قدر غضب فرماتا ہے کہ سورۂ قلم کے آغاز میں اللہ تعالی نے ایک گستاخ کے دس عیوب ذکر کرکے اُسے ذلیل فرمایا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے: لَا نَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ وَصَفَ أَحَدًا بِمَا وَصَفَهُ بِهٖ مِنَ الْعُيُوب. (تفسیر جلالین، تفسیر خازن وغیرہ) یعنی ہمارے علم کے مطابق پورے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو اُس کے عیب ظاہر کرکے اتنا ذلیل نہیں کیا جتنا اس گستاخِ رسول کو بے توقیر کیا ہے۔

محبت وتعظیم کا فروغ: اس وقت پورا عالمِ کفر اس کوشش میں ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے محبت و تعظیم رسول کو ختم کیا جائے۔ مسلمان ناموسِ رسالت کے بارے میں حساس نہ رہیں۔ یہودی اور عیسائی چاہتے ہیں کہ جیسے ہم جناب موسیٰ اور جناب عیسیٰ علی نبینا وعلیہما السلام کے بارے میں بے حس ہیں، اُن کی توہین پر ہمیں غیرت نہیں آتی، ایسے ہی مسلمان تاجدارِ ختمِ نبوت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بارے میں غیوّر اور حسّاس نہ رہیں، وہ بھی ناموسِ رسالت کے خلاف باتوں کو برداشت کرلیں۔ تسلسل کے ساتھ خاکوں کی اِشاعت اور دیگر کارروائیاں ہماری غیرت ختم کرنے کے لیے ہی ہیں۔ ایسے میں ضرورت ہے کہ وہ جتنا زور ہمارے دلوں سے تعظیم کو ختم کرنے کے لیے لگا رہے ہیں ہم اُس سے کہیں زیادہ کوشش دلوں میں تعظیم مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بڑھانے کے لیے کریں۔ وہ ہمیں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے جتنا دور کرنا چاہتے ہیں ہم اُس سے کہیں زیادہ قریب ہوں اور وہ ہمیں "دانشمند" بنانے کے لیے جتنی توانائیاں صرف کررہے ہیں ہم اُس سے کہیں زیادہ توجہ "اُن کا دیوانہ" بننے پر دیں۔ دشمن ہماری دولت لوٹنے کے لیے جتنی محنت کررہا ہے ہمیں اُس سے زیادہ کوشش اپنی دولت بچانے کے لیے کرنی چاہیے۔ اللہ تعالی نے تعظیم مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر دونوں جہانوں کی کامیابی کو موقوف قرار دیتے ہوئے فرمایا: {فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ} [الاعراف 7:157] یعنی دنیا و آخرت میں مراد پانے والے صرف وہی ہیں جو نبی آخر الزماں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر ایمان لائے اور اُن کی تعظیم کی اور اُن (کے دین) کی مدد کی اور اُن پر نازل ہونے والے نور (قرآن مجید) کی پیروی کی۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کی تعظیم کا اعتقاد، اپنی زبان اور اعمال سے اُس کا اِظہار اور ظاہر و باطن سے آپ کی تکریم وتوقیر نہ صرف لازم اور فرض ہے، بلکہ ایمان کا اہم رکن ہے۔ (ملخص از صراط الجنان) حکیم الامت علیہ الرحمہ نے نقل کیا:

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم رہنا
حقیقت، معرفت، اہلِ طریقت اِس کو کہتے ہیں

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
تصوّر میں ترے رہنا عبادت اِس کو کہتے ہیں

گستاخوں کا بائیکاٹ: ہماری پارلیمنٹ اور دیگر ایوانوں میں فرانس کے خلاف مذمتی قرار دادیں پاس کی گئیں، وزیر اعظم نے آئندہ ہفتہ کو ہفتۂ عشقِ رسول کے طور پر منانے کا اِعلان کیا ہے، یہ سب اقدامات لائقِ تحسین ہیں مگر کافی نہیں۔ ضرورت ہے کہ فوری طور پر فرانس سے سفارتی اور معاشی مکمل بائیکاٹ کا اِعلان کیا جائے۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ اُولٰٓىٕكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَ یُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓىٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. [المجادلۃ22:25]"یعنی جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اُن میں سے کوئی بھی ایسا نہیں پاؤ گے جو اللہ تعالی اور اُس کے رسول کے مخالفین سے دوستی رکھتا ہو، اگرچہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور وہ انہیں اُن باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا، اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ اللہ کی جماعت ہے، سن لو! اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہے۔" جس طرح پاک اور پلید پانی ایک برتن میں اکٹھے نہیں رہ سکتے اسی طرح نورِ ایمان اور دشمنانِ اسلام کی دوستی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی۔

مسلم حکمران غیرت کا مظاہرہ کریں: اگرچہ اپنی بساط کے مطابق تحفظِ ناموسِ رسالت ہر مسلمان پر لازم ہے، مگر سب سے بڑھ کر ذمہ داری مسلم حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے۔ افسوس کہ سوائے ایک آدھ کے سبھی حکمران اپنی دینی غیرت دفن کر چکے ہیں۔ مسلم حکمران اپنی ذمہ داری کا احساس کریں اور ناموسِ رسالت کے لیے عالمی فورمز پر بھرپور کاوشیں کریں۔ خُراسان کے ایک بادشاہ عمرو بن لیث علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد کسی شخص نے اُنھیں خواب میں دیکھا۔ اُس نے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ بادشاہ مرحوم نے کہا: مجھے بخش دیا ہے۔ اُس نے پوچھا: کس عمل کی وجہ سے بخشش ہوئی ہے؟ بادشاہ مرحوم نے کہا: صَعِدْتُ ذِرْوَةَ جَبَلٍ يَوْمًا فَأَشْرَفْتُ عَلٰى جُنُودِي، فَأَعْجَبَتْنِي كَثْرَتُهُمْ، فَتَمَنَّيْتُ أَنِّي حَضَرْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَعَنْتُهُ وَنَصَرْتُهُ،

فَشَكَرَ اللهُ لِيْ ذٰلِكَ وَغَفَرَ لِي. (الشفاء بتعريف حقوق المصطفى، الباب الثانی فی لزوم محبته، فصل فی وجوب مناصحته) ایک مرتبہ میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا تو اپنی فوج دیکھ کر بہت خوش ہوا، میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانے میں ہوتا اور یہ تمام لشکر لے کر سرکار کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کے دشمنوں کے خلاف آپ کے دین کی مدد کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے میری اس آرزو کو قبول کرتے ہوئے مجھے بخش دیا۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ o لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ. (الحج22:27،28) (اے ابراہیم!) لوگوں میں حج کا عام اعلان کر دیجیے، وہ آپ کے پاس دور دراز راستوں سے پیدل اور ہر دُبلی اونٹنی پر (سوار ہو کر) آئیں گے۔ تاکہ وہ اپنا فائدہ پائیں اور معلوم دنوں میں بے زبان جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں جو (جانور) اُس نے اُنھیں عطا کیے ہیں، تو تم اِن (قربانیوں کے گوشت) سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ۔

حرم کا تحفہ

آغازِ سخن: اسلامی عبادات کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ دیگر مذاہب کے اُمور کی طرح محض رسمی اور بے مقصد مشقت پر مشتمل نہیں، بلکہ ہر عبادت کے کچھ مقاصد ہیں جنہیں حاصل کر کے ہی اُس کی روح کو پایا جاسکتا ہے اور ہر حکم کے نتیجہ میں جسمانی و روحانی اور انفرادی و اجتماعی تربیت ہوتی ہے جسے اختیار کرنا دنیا و آخرت کی کامیابی کا باعث بنتا ہے۔

حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے، دیگر ارکان کی طرح اِس میں مختلف حوالوں سے تربیت ہوتی ہے، یوں یہ عبادت انسان کی زندگی کے انداز بدلنے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ اللہ کریم جل جلالہٗ چاہتا تو کسی ایسی عبادت کا حکم فرما دیتا جو گھر بیٹھے ہی ادا کی جاسکتی، مگر اُس نے اتنا طویل سفر کر کے اپنے حرم میں آنے کا حکم فرمایا، اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ حاجی گھر سے باہر تمام مصروفیات کو ترک کر کے پوری توجہ کے ساتھ وہ تربیت حاصل کر سکے جو شریعت مطہرہ حج میں اُسے دینا چاہتی ہے۔ سفر حرمین کا اصل تحفہ یہی تربیتی اُمور ہیں۔ ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمہ نے اپنے الفاظ میں اِن کی اہمیت یوں اُجاگر کی:

زائرانِ کعبہ سے اقبال یہ پوچھے کوئی — کیا حرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں

(ہر حاجی حرم سے زمزم شریف لاتا ہے، کیا حرم کا تحفہ صرف یہی زمزم ہے؟ نہیں، اصل تحفہ وہ تربیت ہے جس کے لیے حاجی کو حرم میں طلب کیا جاتا ہے)

اِس سال اگرچہ عرب شریف سے باہر رہنے والے مسلمان حج کی سعادت حاصل نہیں کر سکیں گے، حرمین شریفین میں حاضری کے لاکھوں خواہشمند اپنے دلوں میں حج و عمرہ کی حسرت لیے اس سعادت بھرے سفر کا انتظار کر رہے ہیں، مگر حاجی کو حرم شریف بلا کر باری تعالیٰ کی طرف سے جن اُمور کی تربیت دی جاتی ہے ظاہر ہے کہ وہ صرف حاجی کے لیے ہی نہیں، بلکہ ہر مسلمان کے لیے مینارۂ نور ہیں۔

آج کے خطبہ میں اسی تربیت سے متعلق کچھ باتیں ذکر کی جائیں گی، تاکہ تصورات کی دنیا میں حاضری کے ساتھ ساتھ اُس تربیت کے ذریعے خود کو سنوارا جاسکے۔

تربیت کی اہمیت: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ o لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ. (الحج22:27،28) اے ابراہیم! لوگوں میں حج کا عام اعلان کر دیجیے، وہ آپ کے پاس دور دراز راستوں سے پیدل اور ہر دُبلی اونٹنی پر (سوار ہو کر) آئیں گے۔ تاکہ وہ اپنا فائدہ پائیں اور معلوم دنوں میں بے زبان جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں جو (جانور) اُس نے اُنھیں عطا کیے ہیں، تو تم اِن (قربانیوں کے گوشت) سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ۔

"تاکہ وہ اپنا فائدہ پائیں"، اس "فائدہ" سے کیا مراد ہے؟ مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، ایک تفسیر یہ ہے کہ اِس فائدہ سے روحانی اور جسمانی تربیت کے فوائد مراد ہیں۔ روح البیان میں ہے: فأمَّا النَّفْسُ وَصِفَاتُهَا فَمَنَافِعُهَا بِتَبْدِيْلِ الْأَخْلَاقِ، وَأَمَّا الْقَالِبُ وَجَوَارِحُهٗ

فَمَنَافِعُهُمۡ قَبُوۡلُ طَاعَاتِہِمۡ وَظُهُوۡرُ آثَارِهَا علٰی سِیۡمَاهُمۡ۔ یعنی حج میں نفس کا فائدہ یہ ہے کہ اخلاق بدل جاتے ہیں، بُرے اخلاق کے بجائے اچھے اخلاق کی توفیق میسر آتی ہے، اور بدن کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کی فرماں برداری کرنے لگتا ہے جس کی نورانیت حاجیوں کے چہروں پر بھی نظر آتی ہے۔

تربیتی اُمور

شریعت کو عقل پر مقدم رکھنا: ہمارے دور کا ایک بڑا فتنہ مادیت پرستی، بلکہ عقل پرستی ہے۔ ہر شخص اپنی عقل کو حرفِ آخر سمجھتا ہے، جو کچھ اُس کی عقل میں آئے وہ سمجھتا ہے کہ یہی صحیح اور فائدہ مند ہے باقی سب کچھ فضول ہے۔ سفر حج میں حاجی کی عملی طور پر یہ تربیت ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے جو عقل عطا کی ہے اِس کا فیصلہ حتمی نہیں، حتمی فیصلہ شریعت کا ہے۔ حاجی کا یہ ذہن بنایا جاتا ہے کہ اگرچہ شریعت مبارکہ کا ہر حکم کئی حکمتوں پر مبنی ہے، مگر مجھے کسی شرعی حکم پر عمل کرنے کا فائدہ سمجھ آئے یا نہ آئے، کرنا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے۔ روانگی سے لے کر واپسی تک حج کے بہت سے مناسک ایسے ہیں کہ جنہیں ظاہر بین انسان کی عقل نہیں سمجھ پاتی۔ مثلاً:

- عمدہ ترین لباس موجود ہونے کے باوجود کفن نُما دو چادریں پہن لینا۔
- بے جان پتھروں کو بوسہ دینا اور بوسہ ممکن نہ ہونے کی صورت میں حجر اسود کی طرف اِشارہ کر کے اپنا ہاتھ چوم لینا۔
- وہ حرم جہاں جلالِ الٰہی کے باعث سر اُٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی وہاں رمل کرتے ہوئے اکڑ کر چلنا۔
- بغیر کسی جلدی کے صفا مروہ کے درمیان خاص جگہ پر دوڑنا۔
- بعض اوقات سخت سردی کے باوجود مزدلفہ میں کھلے آسمان کے نیچے رات گزارنا۔
- شدید گرمی کے باوجود عین دوپہر کے وقت میں لاکھوں لوگوں کا عرفہ میں جمع ہونا۔
- فرصت کے باوجود ایک نماز کو دوسری کے وقت میں ادا کرنا۔
- شیطان کو ذلیل کرنے کے لیے اُس کی نشانی کے طور پر بنائے گئے بے جان ستون کو لاکھوں لوگوں کا پتھر مارنا۔

اگرچہ ان سب اعمال پر عظیم ثواب کا وعدہ بھی ہے اور اِن میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں بھی پوشیدہ ہیں، مگر وہ دیہاتی جسے ان اعمال کا پس منظر معلوم ہی نہیں، یا وہ شخص جسے پس منظر معلوم تو ہے مگر ذہن میں اُس کا تصور حاضر نہیں، وہ بھی یہ سارے کام کرتا ہے۔ یہ مناسکِ حج ہر چیز کو "سائنس کی عینک" لگا کر دیکھنے والے کم فہموں اور ہر بات کو "عقل کے ترازو" پر پرکھنے والے بے عقلوں کو پیغام دیتے ہیں کہ "اِسلام" عقل پرستی کا نام نہیں، سر جھکانے کا نام ہے۔ ایمان سائنس دان بننے کا نام نہیں، دل و نگاہ کو مصطفیٰ کریم ﷺ کے فرشِ راہ کرنے کا نام ہے۔ مولانا روم علیہ الرحمہ نے یہ پیغام دیتے ہوئے کہا:

؎ عقل قرباں کن بہ پیشِ مصطفی

خدا اور سول کے حکم پر سرِ تسلیم خم کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا. (الاحزاب 36:33)اور کسی بھی مسلمان مرد اور عورت کے لیے یہ نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ فرمادیں تو انہیں اپنے معاملے کا کچھ اختیار باقی ہو، اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے تو بے شک وہ صریح گمراہی میں بھٹک گیا۔

ایک آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ کریم ﷺ کے حکم پر سب کچھ نچھاور کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَمَاۤ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. (الحشر 7:59)اور رسول کریم ﷺ جو تمھیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اُس سے رک جاؤ۔

سرِ تسلیم خم کرنے سے متعلق مزاجِ صحابہ: حضرت اُمیہ بن خالد رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا: ''قرآن کریم میں مقیم کی نماز اور نمازِ خوف کا ذکر تو ہمیں ملتا ہے، مگر نمازِ سفر کا ذکر نہیں ملتا۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وہ جواب دیا جو سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا: «يَا ابْنَ أَخِي، إِنَّ اللهَ بَعَثَ إِلَيْنَا مُحَمَّدًا ﷺ وَلَا نَعْلَمُ شَيْئًا، فَإِنَّمَا نَفْعَلُ كَمَا رَأَيْنَا مُحَمَّدًا يَفْعَلُ.» (المستدرک علی الصحیحین، حدیث:946) بھتیجے! ہم تو کچھ بھی نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین سکھانے کے لیے ہماری طرف اپنے حبیب ﷺ کو مبعوث فرمایا، لہٰذا ہم ویسے ہی کرتے ہیں جیسے سرکار ﷺ کو کرتے دیکھا ہے۔

اگرچہ قرآن کریم میں نمازِ سفر کا ذکر ہے، مگر سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جواب میں آیت نہیں پڑھی، بلکہ بعد والوں کی تربیت فرمائی کہ قرآن کو سنتِ نبوی سے جدا کر کے نہ سمجھنا، دین وہی ہے جو مصطفیٰ کریم ﷺ نے عطا کیا ہے۔

عاشقاں را چہ کار با تحقیق　　　　هر کجا که نامِ اُوست قربانیم

(عاشقوں کا کام اپنی عقل پر پرکھ کر تحقیق کرنا نہیں ہے، جہاں بھی محبوب کا نام آتا ہے ہم سر جھکا دیتے ہیں اور قربان ہو جاتے ہیں)

عقل پرستوں کا انجام: حجۃ الوداع میں عرفہ سے مزدلفہ تک سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سرکارِ دوعالم ﷺ کے ساتھ سواری پر بیٹھنے کا شرف پایا۔ (أَنَّ أُسَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ رِدْفَ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ عَرَفَةَ إِلَى الْمُزْدَلِفَةِ.(صحیح بخاری:1544)

سیدنا عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے انتظار میں عرفہ سے مزدلفہ روانگی کو مؤخر فرمایا(جس ''زید'' (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو کل مکہ کے بازار میں غلام بنا کر بیچا جا رہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں اِتنی عزت سے نوازا کہ آج اُن کے بیٹے کے لیے بڑے بڑے سردار رُکے ہوئے ہیں، اُسامہ آئیں گے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری پر بیٹھیں گے، حضور ﷺ کی سواری چلے گی تو قافلہ مزدلفہ کی طرف روانہ ہو گا)۔ جب سیدنا اُسامہ حاضر ہوئے تو اُن کی ظاہری شکل وصورت دیکھ کر کچھ یمنی کہنے لگے: إِنَّمَا حُبِسْنَا مِنْ أَجْلِ هَذَا (ہوں، اِس کی وجہ سے ہمیں روکے رکھا تھا)۔ سیدنا عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے: فَلِذٰلِكَ كَفَرَ أَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ أَجْلِ ذَا. مفہوم یہ کہ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کو اپنی عقل کے ترازو پر تولتے ہوئے اہم نہیں سمجھا تھا، اِسی کی نحوست تھی کہ سرکار

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے وصال کے بعد دورِ صدیقی میں اہل یمن مرتد ہوگئے، اللہ تعالی نے اُن کا ایمان رد کردیا۔(الطبقات الکبری لابن سعد،التاریخ الکبیر،سیر أعلام النبلاء،الإستیعاب،تھذیب الکمال)

اقبال علیہ الرحمہ نے سیرتِ جناب خلیل علیہ السلام کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　　　عقل تھی محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

عقل مند کون؟ اگر کوئی شہری کسی ملکی قانون کی خلاف ورزی کرے اور کہے "یہ میری سمجھ سے بالاتر ہے، لہٰذا مَیں اِس پر عمل نہیں کروں گا" تو لوگ اسے احمق اور دیوانہ قرار دیں گے۔ ملکی قانون جو ہم جیسے انسانوں نے بنایا ہے، وہ سمجھ میں نہ آئے تو بھی اس کی تعمیل ضروری ہے، کتنا احمق ہے وہ شخص جو اللہ تعالی اور اُس کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے بنائے ہوئے قوانین اپنی عقل پر تولے۔ عقل مند وہی ہے جو کہے: اگرچہ ہماری ناقص عقل حکمت اور فائدہ کو نہ سمجھ سکے لیکن حکم دینے والا حکیم و علیم و خبیر ہے تو اِسی پر عمل میں فائدہ ہے۔

ماضی قریب کے بڑے فلسفی علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے خاکِ مدینہ و نجف کو سرمہ بنا کر فرمایا:

گزر عقل سے آگے کہ یہ نور　　　　چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے

کفر و شیطان سے نفرت: موجودہ دور کے فتنہ پرور لوگ نوجوان نسل کے ذہنوں سے کفر کی نفرت اور شیطان سے بیزاری کا جذبہ ختم کرنا چاہتے ہیں۔ قومی اسمبلی کے ایک ممبر نے یہ ہذیان بکا کہ "تمام مذاہب برابر ہیں، کسی مذہب کو دوسرے پر فوقیت نہیں"۔ بے حیائی اور دیگر شیطانی کاموں کو بظاہر اچھے معلوم ہونے والے عنوانات سے مزین کرکے جوانوں کو اُن میں پھنسایا جارہا ہے۔ فحاشی کا نام "روشن خیالی" رکھ دیا گیا ہے، جہاد سے دوری کو "امن پسندی" کہا جارہا ہے، گانے باجے کو ثقافت قرار دیا جارہا ہے، مسلمانوں سے دوری اور کفار سے دوستی "حکمت علمی" قرار پاچکی ہے، دین پر عمل "مشکل" کیا "ناممکن" سمجھا جارہا ہے، جھوٹ اور وعدہ خلافی "یوٹرن" ہے۔

علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا:

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا　　　　کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

(آج کے مسلمان کا ضمیر بدل گیا، جن کاموں کو اُس کے بڑے نہایت بُرا سمجھتے تھے، وہ اُنھیں کاموں کو اچھا سمجھنے لگتا ہے، کیونکہ وہ فکری طور پر "آزاد" نہیں "غلام" ہوچکا ہے)

اعمالِ حج کا اختتام جمرات (ستونوں) کو پتھر مارنے پر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ سامنے شیطان موجود نہیں، یہ عمل در حقیقت جناب خلیل اللہ علیہ السلام کی شیطان کے خلاف استقامت کو یاد دلانے کے لیے ہے، تاکہ حاجی پیارے خلیل کی سیرت سے سبق لیتے ہوئے شیطان اور اُس کے ایجاد کردہ دینوں، تہذیبوں اور طریقوں کی نفرت دل میں بٹھا کر وطن واپس لوٹے۔

رمیِ جمار کا پس منظر: سیدنا کعب احبار رضی اللہ تعالی عنہ اور دیگر سے مروی ہے کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو خواب کے ذریعے اپنے شہزادے جناب اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو شیطان کہنے لگا: وَاللهِ لَئِنْ لَمْ أَفْتِنْ عِنْدَ هٰذَا آلَ إِبْرَاهِيمَ لَا أَفْتِنُ

مِنْهُمْ أَحَدًا أَبَدًا۔ قسم بخدا اگر آج میں اولادِ ابراہیم کو فتنے میں نہ ڈال سکا تو اِن میں سے کوئی کبھی بھی میرے جال میں نہیں پھنسے گا۔ چنانچہ شیطان انسانی صورت میں جناب اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا۔ فقال: أَتَدْرِينَ أَيْنَ يَذْهَبُ إِبْرَاهِيمُ بِابْنِكِ؟ قَالَت: لَا. قَالَ:إِنَّهُ يَذْهَبُ بِهِ، لِيَذْبَحَهُ. قَالَت:كَلَّا، هُوَ أَرْأَفُ بِهِ مِنْ ذٰلِك. فَقَال: إِنَّهُ يَزْعُمُ أَنَّ رَبَّهُ أَمَرَهُ بِذٰلِك. قَالَت: فَإِنْ كَانَ رَبُّهُ قَدْ أَمَرَهُ بِذٰلِكَ فَقَدْ أَحْسَنَ أَنْ يُطِيعَ رَبَّهُ. کہنے لگا: آپ کو معلوم ہے کہ ابراہیم آپ کے بیٹے کو کہاں لے جارہے ہیں؟ اُنھوں نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں۔ کہنے لگا: وہ اُسے ذبح کرنے کے لیے جارہے ہیں۔ فرمایا: ہرگز نہیں! وہ تو اپنے بیٹے سے بہت محبت کرنے والے ہیں۔ کہا: وہ سمجھتے ہیں کہ اُنھیں اللہ نے یہ حکم دیا ہے۔ فرمایا: ”اگر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو رب کے حکم پر عمل کرنا ہی اچھا ہے۔“

ثُمَّ أَتَى الْغُلَامَ فَقَال: أَتَدْرِي أَيْنَ يَذْهَبُ بِكَ أَبُوكَ؟ قَالَ: لَا. قَال: فَإِنَّهُ يَذْهَبُ بِكَ لِيَذْبَحَك. قَالَ: وَلِمَ؟ قَالَ: زَعَمَ أَنَّ رَبَّهُ أَمَرَهُ بِذٰلِك. قَالَ: فَلْيَفْعَلْ مَا أَمَرَهُ اللهُ بِهِ، سَمْعًا وَطَاعَةً لِأَمْرِ اللهِ. پھر جناب اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ بھی اُس کے یہی سوالات وجوابات ہوئے۔ آپ نے بھی یہی فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اُنھیں جو حکم دیا ہے وہ اُس پر عمل کریں، مَیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکانے والا ہوں۔

پھر اُس نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکمِ الٰہی سے روکنے کی کوشش کی۔ آپ نے فرمایا: إِلَيْكَ عَنِّي يَا عَدُوَّ اللهِ! فَوَاللهِ لَأَمْضِيَنَّ لِأَمْرِ رَبِّي. دشمنِ خدا! دفع ہو جا، قسم بخدا! مَیں ضرور اپنے رب کا حکم پورا کروں گا۔

بروایتِ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جہاں آج حاجی شیطان کو کنکر مارتے ہیں اِنھیں تینوں مقامات پر شیطان مردود تین مرتبہ آپ علیہ السلام کے سامنے آیا تھا اور آپ نے تینوں مرتبہ اُسے سات سات پتھر مارے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی)

اللہ عزوجل نے آپ کے اس عمل کو قیامت تک کے لیے شعائر اسلام میں داخل فرمادیا، چنانچہ آج بھی لاکھوں حجاج اِنھیں مقامات پر سات سات کنکر مار کر شیطان سے نفرت کا اِظہار کرتے ہیں۔

برابر کہنے والوں کا رد: جو لوگ تمام مذاہب اور اُن کے ماننے والوں کو کو برابر کہتے ہیں وہ قرآن کریم کی بیسیوں آیات کا اِنکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسلام کے علاوہ کسی دین کی قبولیت نہیں، اور مسلمانوں کے علاوہ کسی دین والوں کی رائی کے دانے برابر بھی عزت نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: {اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ○ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ} [البینۃ:98:6-8] بے شک اہل کتاب میں سے جو کفار ہیں اور مشرکین وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہنے والے ہیں، وہی تمام مخلوق میں بدترین ہیں۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے وہ تمام مخلوق میں بہترین ہیں۔ ان کی جزا ان کے رب کے پاس ہے جو دائمی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہ (جزا) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا۔

حج سے متعلق چند اہم مسائل

کس پر فرض ہے؟ ہر وہ عقل مند، بالغ مسلمان جس کے اعضا سلامت ہوں اور اُس کے پاس بنیادی ضروریاتِ زندگی اور قرض کے علاوہ اتنامال ہو کہ کرایہ اور واپسی تک کے لیے گھر والوں کو درمیانے درجے کا خرچ دے سکے، اُس پر زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض ہے، حتیٰ کہ اگر ضرورت سے زیادہ چیزیں بیچ کر حج کر سکتا ہو تو ایسا کرنا بھی لازم ہے۔

نوٹ: اگر مکہ شریف تک شرعی سفر کی مقدار ہو تو عورت کے لیے اُس کے ہمراہ شوہر یا محرم ہونا شرط ہے، خواہ وہ جوان ہو یا بوڑھی۔ اگر عورت بغیر محرم یا شوہر کے حج کے لیے جائے تو گناہ گار ہے۔

کب فرض ہے؟ جب مذکورہ بالا شرائط پائی جائیں تو اُسی سال حج کے لیے جانا فرض ہے اور تاخیر کرنا گناہ ہے۔ ایسا شخص چند سال تک حج کے لیے نہ جائے تو فاسق ہے اور اس کی گواہی مردود ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ. (سنن ابوداود1734) وفی روایة: تَعَجَّلُوا إِلَى الْحَجِّ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي مَا يَعْرِضُ لَهُ. (مسند احمد: 2867) یعنی جس پر حج فرض ہو وہ جلدی کرے، کیا معلوم کہ آنے والے سال کیا صورت حال ہو گی، زندہ رہے گا یا نہیں؟ جاسکے گا یا نہیں؟

اگر کسی شخص کے پاس مال موجود تھا مگر معاذ اللہ سستی کی اور حج نہ کیا اور اب مال میسر نہیں تو چونکہ اُس پر حج فرض ہو چکا تھا لہٰذا لازم ہے کہ قرض لے کر حج کے لیے جائے۔

حج میں سستی کرنے والے کی آرزو: اللہ تعالیٰ نے ایک آیت مبارکہ میں فرمایا: { وَاَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ فَيَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِىۡۤ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝ وَلَنۡ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ‌ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ } [المنافقون 63:10، 11] اور ہمارے دیے میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرو، قبل اس کے کہ تم میں کسی کو موت آئے پھر کہنے لگے: اے میرے رب! تونے مجھے تھوڑی مدت تک کیوں مہلت نہ دی کہ میں صدقہ دیتا اور نیکوں میں ہوتا، اور جب کسی شخص کی مقررمدت کا وقت آجاتا ہے تو اللہ اس کی روح (قبض کرنے) کو ہرگز مؤخر نہیں کرتا، اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: مَنْ كَانَ لَهُ مَالٌ يُبَلِّغُهُ حَجَّ بَيْتِ رَبِّهِ أَوْ تَجِبُ عَلَيْهِ فِيهِ زَكَاةٌ فَلَمْ يَفْعَلْ، سَأَلَ الرَّجْعَةَ عِنْدَ الموت. (الجامع لاحکام القرآن، للقرطبی) جو شخص فرض ہونے کے باوجود حج نہ کرے یا زکوۃ ادا نہ کرے وہ موت کے وقت آرزو کرے گا کہ کاش اُسے کچھ مہلت ملے اور وہ اپنا فرض ادا کرلے۔

عشرۂ ذی الحج اور حجامت: ان شاء اللہ تعالی آئندہ جمعہ شریف سے قبل ذی الحج کا چاند طلوع ہو چکا ہو گا۔ اس حوالے سے ایک مسئلہ ذہن نشین ہونا چاہیے۔

اُم المؤمنین سیدہ اُم سلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے سر تاج صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے روایت کرتی ہیں: «إِذَا رَأَيْتُمْ هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهِ وَأَظْفَارِهِ» (صحیح مسلم، حدیث:5234) یعنی جب ذی الحج کا چاند نظر آجائے تو جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہے وہ حجامت اور ناخن تراشنے سے اجتناب کرے۔

ایسا کرنا مستحب ہے تاکہ حاجیوں سے قدَرے مُشابہت ہو جائے کہ وہ لوگ اِحرام میں حجامت نہیں کرا سکتے۔۔۔ جو قربانی نہ کر سکے وہ بھی اس عَشَرہ میں حجامت نہ کرائے، بقرہ عید کے دن بعدِ نمازِ عید حجامت کرائے تو ان شاء اللہ (قربانی کا) ثواب پائے گا۔ (مرآۃ المناجیح)

هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ o وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ o ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ o [الجمعۃ62:2-4]

امام احمد رضا علیہ رحمۃ اللہ

وارثِ علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

آغازِ سخن: اسلام دشمن طاقتیں شروع سے اسلام کو کمزور کرنے کی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

ستیزہ کار رہاہے ازل سے تاامروز چراغِ مصطفوی سے شرارِ بُولہبی

لیکن باری تعالی جلّ مجدہ العزیز نے دین کو غالب رکھنے کا وعدہ پورا کرنے کے لیے ہر دور میں ایسے افراد پیدا فرمائے جنھوں نے باطل کی تمام سازشوں کو خاک میں ملا کر دین کا جھنڈا بلند رکھا۔

گزشتہ صدی میں باطل پرستوں کے خلاف اللہ تعالی نے جن شخصیات سے دین کا کام لیا اور اُنھیں باطل کی تمام سازشوں کو ناکام بنانے کی توفیق عطا کی اُن میں ایک نمایاں نام امامِ اہل سنت اعلی حضرت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمہ کا ہے۔ آپ نے بغیر کسی حکومتی سرپرستی کے اتنا عظیم کام کیا کہ اس وقت جامعہ ازہر (مصر) سمیت دنیا بھر کی یونی ورسٹیز اور جامعات میں اُن کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کرکے ڈاکٹریٹ (P.H.D.) کی ڈگریاں حاصل کی جارہی ہیں، ان کی زندگی کے کئی گوشے اب بھی محتاجِ تحقیق ہیں۔ آپ بیک وقت ایک بے مثال محقق بھی تھے اور باکمال شاعر بھی، ایک بڑے عالم بھی تھے اور عالی مرتبت شیخ بھی، عاشقِ رسول بھی تھے اور پابندِ شریعت بھی۔

آپ علیہ الرحمہ کا وصال مبارک 25 صفر، 1340ھ / 28 اکتوبر، 1921ء کو جمعہ کے دن ہوا۔ اس مناسبت سے آج کے خطبہ میں آپ کا ذکر خیر کیا جائے گا۔

فیضِ مصطفوی کا تسلسل

اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو جو بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ کے وصال پاک کے بعد بھی آپ کا فیض اُسی طرح جاری وساری ہے جس طرح ظاہری حیات مبارکہ میں تھا، بلکہ لحہ بلحہ فیض میں ترقی ہورہی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ‎o‎ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ‎o‎ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ‎o‎ [الجمعۃ62:2-4] مفہوم یہ کہ اللہ وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے (عظیم الشان) رسول بھیجا، جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت فرماتے ہیں اور انھیں پاک کرتے ہیں اور انھیں کتاب وحکمت کا علم عطا کرتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔ اور وہ رسول ان میں سے دوسروں (بعد میں اسلام قبول کرنے والوں) کو بھی پاک کرتے اور علم عطا کرتے ہیں، جو ان پہلوں (صحابہ) سے نہیں ملے (صحابہ کا زمانہ نہیں پایا اور اُن کے درجے تک نہیں پہنچ سکے) اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا فیضان اور تعلیم وتزکیہ صرف صحابہ کرام علیہم الرضوان تک

محدود نہیں، بلکہ یہ فیض قیامت تک جاری رہے گا۔ آپ ﷺ قیامت تک مسلمانوں کا ظاہر و باطن بھی پاک فرماتے رہیں گے اور اُنھیں کتاب و حکمت کا علم بھی عطا کرتے رہیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر ایک کو اُس کی حیثیت اور استطاعت کے مطابق نوازا جاتا ہے۔

امام احمد رضا اور فیضِ علمِ مصطفیٰ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمہ کو باری تعالیٰ نے فیضانِ علم مصطفیٰ ﷺ سے وافر حصہ عطا فرمایا۔ آپ کی زندگی کے جہاں دیگر کئی پہلو حیران کُن ہیں وہیں بارگاہِ رسالت سے ملنے والا علمی فیضان بھی عقل و فہم سے ورا ہے۔ آپ کی حیات مبارکہ کے اس پہلو پر چند باتیں پیشِ خدمت ہیں۔

کم عمری میں علمی استعداد: عموماً ہر دور کے بچوں کا وہی حال ہوتا ہے جو آج کل کے بچوں کا ہے، سات آٹھ سال تک تو اُنھیں کسی بات کا شعور نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس سیدی امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کو حق تعالیٰ نے بچپن میں ہی علم دین کے حوالے سے بے پناہ صلاحیت عطا فرمائی۔ تقریباً چار سال کی عمر میں آپ نے ناظرہ قرآن پاک مکمل کر لیا۔ چھ سال کی عمر میں ربیع الاول شریف میں ایک تقریب کے دوران منبر پر رونق افروز ہو کر بہت بڑے مجمع کے سامنے میلاد مصطفی کے موضوع پر خطاب کیا اور علمائے کرام و مشائخ عظام سے دادِ تحسین وصول کی۔ اپنے والد گرامی مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے 21 علوم پڑھے۔

تیرہ برس، دس مہینے، پانچ دن کی عمر شریف میں 14 شعبان، 1286ھ / 19 نومبر، 1869ء کو فارغ التحصیل ہوئے اور دستارِ فضیلت سے نوازے گئے۔ اسی دن مسئلہ رضاعت (بچے کے دودھ پینے) سے متعلق ایک فتویٰ لکھ کر اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا، جواب بالکل صحیح تھا، والد ماجد نے صلاحیتیں بھانپ کر فتویٰ نویسی آپ کے سپرد کر دی۔

بہت سے علوم ایسے ہیں جو آپ نے کسی اُستاذ سے نہیں سیکھے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور سرکار ﷺ کی نگاہِ عنایت سے آپ نے اُن میں بھی ایسی دسترس حاصل کی کہ ان علوم میں بھی امام اور پیشوا قرار پائے۔[1]

[1] مثلاً قراءت، تجوید، تصوف، سلوک، علم اخلاق، اسماء الرجال، سِیَر، تاریخ، لغت، ادب، ارثماطیقی، جبر و مقابلہ، حساب ستیسنی، لوغار ثمات یعنی لوگاریتھم، علم توقیت، مناظرہ، علم الاکر، زیجات، مثلث کروی، مثلث مسطح، ہیئت جدیدہ یعنی انگریزی فلسفہ، مربعات، علم جفر، علم فرائض، نظم و نثر عربی، نظم و نثر فارسی، نظم و نثر ہندی، خط نسخ، خط نستعلیق، علم حساب، علم ہیئت، علم ہندسہ، علم تکسیر، علم رسم خط قرآن مجید۔

فیضِ علمی کی چند مثالیں

امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ سے جب بھی کسی دینی مسئلے پر راہ نمائی طلب کی گئی، یا کسی دین مخالف کی سازش کا جواب دینے کی درخواست پیش کی گئی تو آپ نے عطائے خدا اور فیضِ مصطفی سے ایسی علمی جلالت کا اِظہار کیا کہ انسان بلا اختیار کہہ اُٹھتا ہے: ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔

آپ ﷺ کے افضل الرسل ہونے کی تحقیق: آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے سوال کیا گیا: ''اس بات پر کیا دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام رسولوں سے افضل ہیں؟''

آپ نے تقریباً 130 صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ''تَجَلِّی الْیَقِیْنِ بِأَنَّ نَبِیَّنَا سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْن'' تحریر فرمایا، جس میں دس آیات قرآنیہ، اٹھارہ وحی ربانی (دیگر آسمانی کتب کی نصوص) اور ایک سو سے زائد احادیث سے ثابت کیا کہ آپ ﷺ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔[2] یہ رسالہ فتاوی رضویہ کی جلد: 30، ص: 129 تا 266 موجود ہے۔

آپ رحمہ اللہ تعالی نے رسالہ میں یہ جملے بھی تحریر فرمائے: ''آج نہ کھلا تو کل قریب ہے، جس دن تمام مخلوق کو جمع فرمائیں گے، سارے مجمع کا دولہا حضور کو بنائیں گے، انبیائے جلیل تا حضرت خلیل سب حضور ہی کے نیاز مند ہوں گے، موافق و مخالف کی حاجتوں کے ہاتھ انہیں کی جانب بلند ہوں گے، انہیں کا کلمہ پڑھا جاتا ہو گا، انہیں کی حمد کا ڈنکا بجتا ہو گا، جو آج بیاں ہے کل عیاں ہے، اس دن جو مومن و مُقِرّ ہیں نور بار عشرتوں سے شادیاں رچائیں گے، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا. (الاعراف 7: 43) اور جو مُبطل و منکر ہیں دل فگار حسرتوں سے ہاتھ چبائیں گے، یٰلَیْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا. (الاحزاب 33:66)

رسالہ کے آخر میں ایک بشارت کا ذکر فرمایا: مصنف نے خواب دیکھا کہ اپنے مکان کے سامنے شارع عام پر کھڑا ہوں اور بہت موٹے شیشے کا ایک فانوس ہاتھ میں ہے۔ مَیں اُسے روشن کرنا چاہتا ہوں، دو شخص داہنے بائیں کھڑے ہیں وہ پھونک مار کر بجھا دیتے ہیں، اتنے میں مسجد کی طرف سے حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے، واللہ العظیم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی وہ دونوں مخالف ایسے غائب ہوگئے کہ معلوم نہیں آسمان کھا گیا یا زمین میں سماگئے۔ حضور پُر نور ملجائے بے کساں مولائے دل و جاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس سگِ بارگاہ کے پاس تشریف لائے، اور اتنے قریب رونق افروز ہوئے کہ شاید ایک بالشت

---

[2] یہی سوال مشہور وہابی عالم ابن عثیمین سے کیا گیا، اس نے جواب دیا: وأما أنه أفضل الخلق على الإطلاق فلا يحضرني الآن دليل في ذلك لكن بعض أهل العلم صرح بأنه أفضل الخلق على الإطلاق... (فتاوى نور على الدرب للعثيمين)

یا کم کا فاصلہ ہو اور بکمالِ رحمت ارشاد فرمایا: پھونک مار، اللہ روشن کر دے گا۔ مصنف نے پھونکا، وہ نور عظیم پیدا ہوا کہ سارا فانوس اس سے بھر گیا۔ والحمدللہ رب العالمین۔

احمد رضا کا تازہ گلستاں ہے آج بھی	خورشیدِ علم ان کا درخشاں ہے آج بھی
سب اُن سے جلنے والوں کے گل ہو گئے چراغ	احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی

آپ ﷺ کے دافع البلا ہونے پر دلائل: اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالی کی خدمت میں سوال کیا گیا کہ بعض لوگ درود تاج اور دلائل الخیرات پڑھنے کو شرک قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ درود تاج میں یہ جملہ بھی ہے: "**دَافِعِ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ والْقَحْطِ والْمَرَضِ والاَلَمِ**"، چونکہ بلائیں دور کرنا اللہ تعالی کا وصف ہے، لہٰذا آپ ﷺ کو دافع البلا کہنا شرک ہے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ تقریباً پونے تین سو صفحات پر مشتمل ایک رسالہ "**اَلْاَمْنُ وَالْعُلٰی لِنَاعِتِی الْمُصْطَفٰی بِدَافِعِ الْبَلَاء**" تحریر فرمایا۔ اس رسالہ کے پہلے باب میں چھ آیات مبارکہ اور ساٹھ احادیث طیبہ ذکر کیں، پھر دوسرے باب میں 44 آیات اور 240 احادیث مبارکہ ذکر فرمائیں۔ یوں تقریباً 50 آیات مبارکہ 300 احادیث طیبہ سے سے ثابت کیا:

سچی بات سکھاتے یہ ہیں	سیدھی راہ دکھاتے یہ ہیں
جلتی جانیں بُجھاتے یہ ہیں	روتی آنکھیں ہنساتے یہ ہیں
شافع نافع رافع دافع	کیا کیا رحمت لاتے یہ ہیں
شافعِ اُمت نافعِ خلقت	رافع رتبے بڑھاتے یہ ہیں
دافع یعنی حافظ وحامی	دفعِ بلا فرماتے یہ ہیں
اُس کی بخشش اِن کا صدقہ	دیتا وہ ہے دلاتے یہ ہیں
قادر کل کے نائب اکبر	**کُن کے رنگ دکھاتے یہ ہیں**
اِن کے ہاتھ میں ہر کنجی ہے	مالکِ کل کہلاتے یہ ہیں
إنا أعطيناك الكوثر	ساری کثرت پاتے یہ ہیں
رب ہے مُعطی یہ ہیں قاسم	رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں
اپنی بنی ہم آپ بگاڑیں	کون بنائے بناتے یہ ہیں
لاکھوں بلائیں کروڑوں دشمن	کون بچائے بچاتے یہ ہیں
کہہ دو رضا سے خوش ہو خوش رہ	مژدہ رضا کا سناتے یہ ہیں

یہ مبارک رسالہ فتاوی رضویہ، جلد:30، ص:359 تا 635 فیض لُٹا رہا ہے۔

غیراللہ کوسجدہ کی ممانعت: اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں سوال پیش کیا گیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں بزرگوں کی تعظیم کے لیے انھیں سجدہ کرنا جائز ہے، کیونکہ جناب آدم علیہ السلام کی تعظیم کے لیے فرشتوں نے اُنھیں سجدہ کیا تھا۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تقریباً120 صفحات پر مشتمل ایک رسالہ "اَلزُّبْدَۃُ الزَّکِیَّۃ لِتَحْرِیْمِ سُجُوْدِ التَّحِیَّۃ" تحریر فرمایا۔ اس رسالہ میں آیت قرآنیہ اور اُس کی تفاسیر کے بعد 40 احادیث مبارکہ اور پھر 150 فقہی نصوص کے ذریعے ثابت کیا کہ اللہ تعالی کے علاوہ کسی کو عبادت کا سجدہ کرنا شرک ہے اور تعظیم کا سجدہ گناہ کبیرہ ہے۔ پھر جائز قرار دینے والوں کے دلائل کے جوابات بھی ذکر فرمائے۔ یہ رسالہ فتاوی رضویہ کی بائیسویں جلد میں ص:425 تا 537 نور بکھیر رہا ہے۔

داڑھی کا وجوب: امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی خدمت میں سوال کیا گیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں داڑھی منڈانا حرام نہیں، اگر کوئی داڑھی شریف نہیں رکھتا یا ایک مٹھی سے کم رکھتا ہے تو وہ گناہ گار نہیں۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب میں ایک رسالہ "لُمْعَۃُ الضُّحٰی فِیْ إِعْفَاءِ اللُّحٰی" تحریر فرمایا، جس میں 18 آیات مبارکہ، 72 احادیث طیبہ اور 60 ارشاداتِ علما ذکر کر کے ثابت کیا کہ ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے، اس سے کم کرنا یا منڈا دینا حرام و گناہ ہے۔ یہ رسالہ فتاوی رضویہ کی بائیسویں جلد میں ص:607 تا 677 نور بکھیر رہا ہے۔

سیاسی اُمور سے متعلق: اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے قلم کی یہ جولانیاں صرف مذہبی اُمور تک ہی محدود نہیں تھیں، بلکہ جب کسی شخص یا جماعت نے سیاسی معاملات سے متعلق دینی مفادات کے خلاف بات کی تو بھی امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی کے قلم نے اُس کی خوب خبر لی۔

☆ "ہندو مسلم اتحاد" باتیں کی جانے لگیں تو امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے ایک رسالہ "اَلْمَحَجَّۃُ الْمُؤْتَمِنَۃ فِیْ آیَۃِ الْمُمْتَحِنَۃ" تحریر فرمایا، جو فتاوی رضویہ کی چودھویں جلد میں موجود ہے۔ آپ نے قرآن و سنت سے ثابت کیا کہ محبت کے سب دعوے جوٹھے ہیں، ہندو کبھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے، اور نہ ہی وہ ہمارے مفادات کا تحفظ کر سکتے ہیں، ہمیں انگریز سے بھی جان چھڑانی ہے اور ہندو سے بھی۔

☆ "تحریکِ ہجرت" شروع ہوئی تو آپ نے "إِعْلَامُ الأَعْلَامِ بِأَنَّ هندوستان دارُ الإسلامِ" تحریر فرمایا اور واضح کیا کہ ہندوستان سے مسلمانوں کا ہجرت کرنا نہ تو شرعی حکم ہے اور نہ اِن حالات میں مسلمانوں کے قومی مفادات کے مناسب ہے۔

☆ ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے گائے ذبح کرنے سے اجتناب کیا جانے لگا تو آپ نے رسالہ لکھا ''أَنْفَسُ الْفِكَرْ فِي قُرْبَانِ الْبَقَر'' لکھا اور ثابت کیا کہ ویسے تو گائے کی قربانی کرنا ضروری نہیں، مگر اب شعائر اسلامیہ کو مٹانے کی کوشش ہو رہی ہے، لہٰذا اب گائے کی قربانی کرنا ضروری ہے۔

علم حدیث میں حیرت انگیز مہارت: ہندوستان کے ایک عالم مولانا محمد حنیف رضوی دامت فیوضہ نے آپ علیہ الرحمہ کی تصانیف سے احادیث مبارکہ کو ایک الگ کتاب میں جمع کرنا شروع کیا، اُنھیں صرف تین سو کتابیں دستیاب ہو سکیں، وہ لکھتے ہیں: ان کتابوں میں پائی جانے والی تمام احادیث کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق دس ہزار ہو گی۔ (جامع الاحادیث، جلد:8، ص:99، شبیر برادرز)

بارگاہِ رسالت مآب سے کرم نوازیاں

وضو میں کتنا پانی استعمال کیا جائے؟ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ سے سوال کیا گیا کہ شرعی طور پر وضو اور غسل میں پانی کی کتنی مقدار معین ہے؟

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سوال کا تفصیلی جواب تقریباً تین سو صفحات میں تحریر کیا۔ اس رسالہ کا نام ''بَارِقُ النُّور فِي مَقَادِيْرِ الطَّهُوْر'' ہے، جو فتاویٰ رضویہ کی پہلی جلد میں صفحہ:775 تا 1071 موجود ہے۔

یہ سن کر انسان حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس مختصر سوال کے جواب میں تین سو صفحات کیسے لکھے؟ آپ نے رسالہ کے آخر میں خود تحریر فرمایا: اس سوال کے متعلق کسی کتاب میں چند سطروں سے زائد نہ تھا، خیال تھا کہ دو تین ورق لکھ دیے جائیں گے، ولہٰذا ابتدا میں خطبہ بھی نہ لکھا، مگر جب فیض بارگاہِ عالم پناہ سید العالمین محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جوش پر آیا فتوی ایک مبسوط رسالہ ہو گیا، عظیم وجلیل فوائد جزیل پر مشتمل جو اس کے غیر میں نہ ملیں گے، والحمد للہ رب العالمین، بلکہ متعدد جگہ قلم روک لیا کہ طول زائد ہو تا۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:1ب، ص:1067)

الدولة المكية کی تصنیف: ۱۳۲۳ھ / 1905ء میں سیدی اعلیٰ حضرت سرکار دوعالم ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت اور دوسری مرتبہ حج کے لیے حرمین شریفین حاضر ہوئے۔ اِس وقت وہاں ترکوں کی حکومت تھی، وہ خوش عقیدہ اور نبی کریم ﷺ کی عظمتوں کو تسلیم کرنے والے تھے۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کا انکار کرتے تھے، اُنھوں نے مکہ کے گورنر ''شریف حسین'' کو سے کہا کہ ہندوستان سے ایک عالم آیا ہوا ہے، وہ عاشق رسول کے طور پر معروف ہے اور بہت سی کتابوں کا مصنف ہے۔ وہ ہندوستان میں لوگوں کے عقیدے خراب کر رہا ہے اور اب یہاں بھی لوگوں کے عقیدے بگاڑنا چاہتا ہے۔ ہندوستان میں چونکہ انگریزوں کی حکومت ہے؛ وہاں اُس سے کوئی باز پُرس نہیں کرتا، آپ اس کو دربار میں بلا کر باز پُرس کریں۔ شریفِ مکہ نے کہا: ''جب تم خود کہہ

رہے ہو کہ وہ عالم عاشق رسول ہے اور کئی کتابوں کا مصنف ہے تو اُسے حکم دیتے ہوئے اپنے دربار میں بلانا اُس کی توہین ہے۔ ہاں! یہ کر سکتا ہوں کہ تم سوالات لکھ کر دو، مَیں اُن سے جواب کے لیے کہوں گا۔" اُنھوں نے پانچ سوالات لکھ کر دیے۔ شریفِ مکہ نے علما کے ذریعے وہ سوالات اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کر کے جوابات کا مطالبہ کیا۔ اعلیٰ حضرت نے کہا کہ مَیں حج کے لیے آیا ہوں اور اِس وقت بخار میں مبتلا ہوں؛ لہٰذا کوئی تفصیلی جواب تحریر نہیں کر سکتا۔ علما نے اِصرار کیا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی علم اور آپ کی ناموس کا مسئلہ تھا، اِس لیے تمام مجبوریاں پس پُشت ڈال کر آپ نے تقریباً آٹھ گھنٹے میں ایک طویل ضخیم کتاب تحریر کی جس کا نام "اَلدَّوْلَۃُ الْمَکِّیَّۃ بِالْمَادَّۃِ الغَیْبِیَّۃ" ہے۔ یہ کتاب اب بھی مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

یہ کتاب اکابر علما کی موجودگی میں شریف مکہ کے دربار میں سنائی گئی۔ شریف مکہ صاحبِ علم تھے، وہ کتاب سنتے جاتے اور کہتے: اَللّٰہُ یُعْطِیْ وَھٰؤُلَاءِ یَمْنَعُوْنَ. اللہ اپنے حبیب ﷺ کو علم اور عظمتیں عطا کرتا ہے اور یہ بدبخت روکتے ہیں؟ مکہ مکرمہ میں اس کتاب کی عام شہرت ہو گئی اور لوگ منکرین کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہتے وہ تمہارے شرک کے فتوے کدھر گئے۔

ایک سال بعد اعلیٰ حضرت کے خلیفہ قطبِ مدینہ مولانا ضیاء الدین قادری علیہ الرحمہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کتاب سے متعلق مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے علما کی تصدیقات پیش کیں اور عرض کیا: حضور! وہاں کے علما کہتے ہیں کہ مسئلہ بالکل حق لکھا ہے۔ اُنھوں نے تائید اور تصدیق بھی کر دی ہے، لیکن وہ یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ آپ نے "الدولۃ المکیۃ" صرف سات گھنٹے میں تصنیف فرمائی اور ڈیڑھ گھنٹے میں نظر ثانی کر کے کتاب مکمل فرمادی۔ وہاں کے علما کہتے ہیں: مصنف سفر میں تھا، اپنے کتب خانہ سے دور، کتب میسر نہیں اور بیمار۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ ہمارا تعلق بھی تو علم و تحقیق اور افتاء کے شعبہ سے ہے!!!

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا: شریفِ مکہ کے حکم سے علمائے کرام نے اِصرار کیا اور میرا عذر قبول نہ کیا۔ میں چاہ زمزم شریف پر حاضر ہوا، برکت حاصل کرنے کے لیے وضو کیا، آبِ زم زم پیا، حجر اسود شریف کا بوسہ لیا، کعبہ شریف کا طواف کرنے کے بعد دو رکعات ادا کر کے مقام ابراہیم پر ہی حاضر رہا۔ رب العزت کی بارگاہ میں التجا کی، سید انبیا ﷺ اور سرکار سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مدد طلب کی، بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے جو نگاہ اُٹھی تو دیکھا کہ کعبہ شریف کے دروازہ میں حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ افروز ہیں۔ دائیں طرف سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور بائیں طرف غوث الثقلین علیہ الرحمہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔ جو فرماتے رہے، فقیر تحریر کرتا رہا۔ گویا میرے قلب پر اِلقاء ہوا تھا۔ (ملخص از کتاب: سیدی ضیاء الدین القادری، مرتبہ: محمد عارف قادری ضیائی، ج:1، ص:308)

مصطفٰی پیارے کی عطا: علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر سر ضیاء الدین نے آپ کی ریاضی میں حیرت انگیز مہارت دیکھ کر کہا: مَیں تو آپ کے سامنے خود کو طفلِ مکتب سمجھ رہا ہوں، یہ تو بتائیے کہ اس فن میں آپ کا استاذ کون ہے؟ فرمایا: "میرا کوئی استاذ نہیں ہے، مَیں نے اپنے والد ماجد سے صرف چار قاعدے (ضابطے) جمع، تفریق، ضرب، تقسیم کے محض اس لیے سیکھے تھے کہ ترکہ

(وراثت) کے مسائل میں ان کی ضرورت پیش آتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی تھی کہ والد گرامی نے فرمایا: کیوں اپنا وقت اس میں صرف کرتے ہو مصطفی پیارے ﷺ کی سرکار سے یہ علوم تم کو خود ہی سکھادئے جائے گیں۔ چنانچہ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں اس گھر کی چار دیواری کے اندر بیٹھا خود ہی کرتا رہتا ہوں، یہ سب سرکارِ رسالت کا کرم ہے۔"(فیضانِ اعلی حضرت، ص:550، مطبوعہ شبیر برادرز)

حرفِ آخر: سیدنا ابراہیم بن عبد الرحمٰن عُذری رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "يَرِثُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُولُهُ. يَنْفُونَ عَنْهُ تَأْوِيلَ الْجَاهِلِينَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِينَ وَتَحْرِيفَ الْغَالِينَ۔ "(السنن الکبری للبیہقی، حدیث:20911، ورواہ الطبرانی فی مسند الشامیین عن ابی الدرداء، حدیث:599) یعنی قرآن و سنت کا علم ہمیشہ باقی رہے گا۔ جب بھی جاہل قرآن و سنت میں تاویلیں کرکے اپنا مقصد نکالنے کی کوشش کریں گے، جب بھی باطل پرست قرآن و سنت کا غلط مفہوم بیان کرکے اپنا موقف ثابت کرنے کی کوشش کریں گے اور جب بھی بدمذہب حد سے تجاوز کرکے قرآن و حدیث کے ذریعے اپنے غلط نظریات ثابت کرنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ایسے متقی اور دیانت دار علما پیدا فرمائے گا جو قرآن و سنت کا علم حاصل کریں اور بدمذہبوں، باطل پرستوں اور جاہلوں کی اِن ساری خرافات کو ختم کرکے قرآن و سنت کا حقیقی مفہوم لوگوں کے سامنے واضح کریں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ 1) ہر دور میں دین کو بگاڑنے کی کوشش کرنے والے بدبخت پیدا ہوتے رہیں گے۔ 2) ہر دور میں اللہ تعالی ایسے خوش نصیب بھی پیدا فرمائے گا جو دین کے خلاف سازشوں کو ناکام بناتے رہیں گے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ اُن خوش نصیبوں میں سے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالی نے باطل کی سازشوں کو ناکام فرمایا۔ آج بھی دین کے خلاف بے شمار سازشیں جاری ہیں۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ فکرِ رضا کو عام کیا جائے اور نئ فکر پیش کرکے اُمت میں انتشار پیدا کرنے والوں کی سازشوں کا ناکام کیا جائے۔

{اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ٥ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ٥ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ٥} [البینۃ،98:6-8] ”بے شک اہل کتاب میں سے جو کفار ہیں اور مشرکین وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے، وہی تمام مخلوق میں بدترین ہیں۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے وہ تمام مخلوق میں بہترین ہیں۔ ان کی جزا ان کے رب کے پاس ہے جو دائمی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہ (جزا) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا۔

اچھا انسان قرآن و سنت کی روشنی میں

آغازِ سخن: اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ نہ جانے اُس نے کتنے جہان پیدا کیے اور نہ جانے ہر جہان میں کیا کیا کچھ موجود ہے! قرآن مجید میں اُس نے انسان کے فائدے کے لیے پیدا کی ہوئی کچھ چیزیں ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ.﴾ [النحل8:16] "وہ (مزید) ایسی چیزیں پیدا فرمائے کا جو تم جانتے ہی نہیں"۔ ہر دور کا انسان اس آیت مبارکہ کی سچائی کا مشاہدہ کرتا رہا ہے اور قیامت تک کرتا رہے گا۔ آج ہم بے شمار ایسی ایجادات دیکھ رہے ہیں جو ہمارے بڑوں نے سوچی بھی نہیں تھیں اور ہمارے بعد والے بے شمار ایسی ایجادات دیکھیں گے جن کا ہمیں تصور بھی نہیں۔

قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے حساب مخلوقات کا مقصود "انسان" ہے اور بقیہ کائنات کو خدا نے انسان کے کاموں میں لگایا ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ [البقرۃ29:2] "وہی ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے (فائدے کے) لیے بنایا"۔[1] بلکہ صرف زمین ہی نظامِ کائنات کی دیگر عظیم چیزوں: سورج، چاند، ہوا، پانی، دن رات، دریا، نہریں، سمندر وغیرہا کو بھی خدا نے انسانوں کے لیے کام میں لگایا ہوا ہے۔ زندگی گزارنے کے لیے جن چیزوں کی حاجت تھی یا مفید تھیں، اللہ تعالیٰ نے وہ سب انسان کو مہیا فرمائیں۔ ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِىَ فِى الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَo وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَo﴾ [ابراہیم32:14،33] "اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے اور آسمان سے پانی اتارا تو اُس کے ذریعے تمہارے کھانے کے لیے کچھ پھل نکالے اور کشتیوں کو تمہارے قابو میں دے دیا تاکہ اس کے حکم سے دریا میں چلیں اور دریا تمہارے قابو میں دے دیے (تمہارے لیے اُن سے فوائد حاصل کرنا آسان کر دیا) اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا جو برابر چل رہے ہیں اور تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کر دیا"۔ اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

نہ تُو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تُو نہیں جہاں کے لیے

بلندیوں اور رفعتوں کے لیے پیدا کیا جانے والا یہ انسان اگر اللہ کی رحمت سے "اچھا انسان" بن جائے تو اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ فرشتے بھی اِس کے نصیب پر رشک کرتے ہیں، وگرنہ یہی انسان اپنے کرتوتوں کی وجہ سے جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں جا گرتا ہے اور جانوروں سے بھی بدتر قرار پاتا ہے۔ آج کے خطبہ میں اِسی حوالے سے چند باتیں ذکر کی جائیں گی۔

---

[1] یعنی زمین میں جو کچھ دریا، پہاڑ، کانیں، کھیتی، سمندر وغیرہ ہیں سب کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دینی و دنیاوی فائدہ کے لیے بنایا ہے۔ دینی فائدہ تو یہ ہے کہ زمین کے عجائبات دیکھ کر انسان اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت پہچانے اور عقل استعمال کر کے اسرارِ کائنات تک رسائی حاصل کرے جبکہ دنیاوی فائدہ یہ کہ دنیا کی ہزاروں چیزیں کھائے پیے اور اربوں، کھربوں چیزیں اپنے فائدے میں استعمال کرے۔

اچھا انسان کون؟

بہت مرتبہ انسان اچھے اور بُرے کا فیصلہ کرنے میں غلطی کر جاتا ہے، اچھے کو بُرا اور بُرے کو اچھا سمجھنے لگتا ہے، لٰہذا اچھا انسان بننے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے یہ جان لیا جائے: "اچھا انسان" کون ہے؟ اچھا ہونے کا کیا معیار ہے؟ تاکہ ایسا نہ ہو کہ ہم اچھائی کی لگن کے باوجود اپنی غلط فہمی کی وجہ سے اچھے نہ بن پائیں۔

انسانوں کی نظر میں اچھے اور بُرے کا معیار ایک نہیں، مختلف لوگوں نے اچھائی کے مختلف معیارات قائم کر رکھے ہیں۔ کئی لوگ ایسے ہیں جن پر ایک طبقہ اپنی جان چھڑکتا ہے تو دوسرا طبقہ انہی کو نہایت بُرا سمجھتا ہے۔ بہت سے لوگ مال و دولت کے خواہشمند ہوتے ہیں تو اُنہیں مالدار ہی سب سے اچھا انسان معلوم ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا:

جس کے آنگن میں امیری کا شجر لگتا ہے

اُس کا ہر عیب زمانے کو ہنر لگتا ہے

بعض سیاست پسند ہوتے ہیں تو اُن کی تمام تر توجہ سیاستدانوں پر ہی مرکوز ہوتی ہے۔ ایسی دیگر بہت سی مثالیں ہیں۔ فیصلہ کُن بات یہ ہے کہ "اچھا انسان" وہ ہے جسے اللہ تعالی اور اُس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں اچھا سمجھا جائے، جو اُن کی بارگاہ میں اچھا ہے اُس کا رتبہ نہایت بلند ہے، اگرچہ دنیا اُسے حقیر سمجھتی رہے اور جو اُن کی بارگاہ میں وقعت نہیں رکھتا اُس کی کوئی قدر نہیں، خواہ دنیا اُسے آنکھوں پر بٹھائے۔

سیدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے: ایک (مالدار، غالباً کافر یا منافق) شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو آپ ﷺ نے اپنے قریب بیٹھے شخص سے فرمایا: "اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" اُس نے کہا: رَجُلٌ مِنْ أَشْرَافِ النَّاسِ، هٰذَا وَاللّٰهِ حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ يُنْكَحَ، وَإِنْ شَفَعَ أَنْ يُشَفَّعَ. "یہ مالدار لوگوں میں سے، اللہ کی قسم! یہ اس لائق ہے کہ اگر پیغامِ نکاح دے تو پیغام قبول کرتے ہوئے اِس سے نکاح کر دیا جائے اور اگر سفارش کرے تو اِس کی سفارش کو قبول کیا جائے"۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ پھر دوسرا آدمی گزرا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: "اِس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" وہ بولا: هٰذَا رَجُلٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِينَ، هٰذَا حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ لَا يُنْكَحَ، وَإِنْ شَفَعَ أَنْ لَا يُشَفَّعَ، وَإِنْ قَالَ أَنْ لَا يُسْمَعَ لِقَوْلِهِ۔ یارسول اللہ! یہ فقیر مسلمانوں میں سے ہے، اس لائق ہے کہ اگر پیغام دے تو اس سے نکاح نہ کیا جائے اور اگر سفارش کرے تو سفارش قبول نہ کی جائے اور اگر بات کرے تو نہ سُنی جائے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: «هٰذَا خَيْرٌ مِنْ مِلْءِ الأَرْضِ

مِثْلَ هٰذَا» یعنی "تمام روئے زمین کے لوگ اُس پہلے جیسے ہوں اور اُنہیں ایک طرف رکھا جائے دوسری طرف تنہا یہ بعد والا فقیر مسلمان ہو تو یہ اُن تمام سے بہتر ہو گا"۔(صحیح بخاری، حدیث:6447)

معلوم ہوا کہ ضروری نہیں جسے عام لوگ "اچھا انسان" سمجھیں وہ حقیقت میں بھی اچھا ہی ہو، بعض اوقات لوگ کچھ اور کہتے مگر اللہ تعالی اور اُس کے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بار گاہوں در جہ کچھ اور ہو تا ہے۔ چنانچہ ہم نے ایسا بننے کی کوشش کرنی ہے کہ بار گاہِ خدا اور درِ مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں "اچھا" قرار دیا جائے۔

صاحبِ ایمان

اللہ تعالی اور اُس کے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بار گاہ میں "اچھا انسان" قرار پانے کے لیے سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ انسان "ایمان" کی خوبی سے مزین ہو۔ جب تک ایمان کی توفیق نہیں تب تک بار گاہِ خُدا تعالی و بار گاہِ سرورِ کونین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں کوئی وقعت نہیں۔

اس وقت ایک سازش کے تحت عالمی سطح پر اِس سوچ کو پروموٹ کیا جارہا ہے کہ "انسانیت مذہب سے پہلے ہے"۔ یعنی انسان ہونے کے ناطے تمام مذاہب کے ماننے والے یکساں ہیں اور کسی کو بھی دوسرے پر فوقیت نہیں۔ سب انسان ایک ہی اللہ کے پیدا کردہ ہیں ، لہٰذا سبھی محترم اور قابلِ احترام ہیں۔ اگر کوئی کافر اچھے اعمال و اخلاق کا مظاہرہ کرتا ہے اور انسانیت کی خدمت کرتا ہے تو وہ بے عمل مسلمان سے زیادہ قابلِ تکریم ہے۔

اللہ تعالی نے انسان کو دیگر مخلوقات پر فضیلت عطا کرنے کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ...﴾ [بنی اسرائیل 70:17] "ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی"۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ انسان کو دیگر مخلوقات پر فضیلت کیوں دی گئی؟ مفسرین نے وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا: انسان کو ملنے والی بہت سی فضیلتوں میں سے یہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس میں یہ صلاحیت رکھی کہ وہ اپنے رب کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے دنیا اور آخرت کے معاملات کی تدبیر کے لیے عقل و علم کی توفیق بخشی اور تمام چیزوں کو اُس کے تابع کیا۔ اُسے قوتِ گویائی عطا کی۔ پاکیزہ صورت میں پیدا فرما کر خوبصورت انداز کا قد دیا، دیگر مخلوقات میں سے بعض زمین پر رینگتی ہیں، بعض چارپاؤں پر سر جھکا کر چلتی ہیں، جب کہ انسان کی پیدائش اِس طریقہ پر ہے کہ وہ نہایت خوبصورت انداز سے چلتا ہے۔(خزائن العرفان، ملخصًا)

اب اگر انسان فضیلت کی اِن وجوہات کو پروان چڑھائے، اُس کی عقل اُسے اللہ تعالی کی پہچان کرائے ،اُس کا علم اُسے خالقِ کائنات کے کلام میں غور و فکر کی دعوت دے، رب تعالیٰ نے اُسے جو بولنے کی طاقت دی ہے یہ اللہ کا پیغام پہنچانے میں صرف ہو، وہ اپنی

خوبصورت شکل کو دیکھ کر یہ شکل عطا کرنے والے کے سامنے عاجزی کرے، وہ اللہ تعالی کی دی ہوئی قوتوں کو اُس کی مخلوق کی بھلائی کے لیے استعمال کرے، اُس کا مال اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں صرف ہو تو بعض اوقات انسان فرشتوں سے بھی افضل ہو جاتا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں اُسے ایسا اِعزاز نصیب ہوتا ہے کہ مالکِ ارض و سما جل وعلا فرماتا ہے: {یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّونَهٗ} [المائدۃ5:54] "اللہ تعالی اپنی شان کے مطابق اُن سے محبت فرماتا ہے اور وہ اُس سے محبت کرتے ہیں"۔ {رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ} [التوبۃ9:100] "اللہ تعالیٰ اِن سے راضی اور یہ اللہ سے راضی، اور اُس نے اِن کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے"۔ اللہ کریم اُس سے اتنی محبت فرماتا ہے کہ زمین و آسمان میں اُس کی محبت کے ترانے گونجنے لگتے ہیں۔ اُسے قبر میں صدیاں گزر جاتی ہیں مگر دنیا "گنج بخش فیضِ عالم... مظہرِ نورِ خُدا" کے وظیفے پڑھتی ہے۔

لیکن اگر معاملہ اُلٹ ہو اور جس وجہ سے انسان کو عزت ملی تھی وہ ختم ہو جائے، انسان کی عقل اُسے اللہ کی پہچان کے بجائے اُس کے انکار اور نافرمانی کی طرف لے جائے، اُس کا علم اُسے ایسا بنا دے کہ وہ دنیا کو مسخر کرنے کی لگن میں علم دینے والے سے ہی غافل ہو جائے، وہ اپنے حُسن و قامت پر ناز کرتے ہوئے اپنے خالق کے سامنے سر جھکانے سے تکبر کرنے لگے، اُس کے فلسفے اُسے باعثِ تخلیقِ کائنات ﷺ کے قدموں میں نہ لے جائیں تو اب اُس میں اِعزاز کی کوئی وجہ ہی باقی نہیں رہی، جن اوصاف کی وجہ سے وہ قابلِ تکریم تھا اُس نے اُن سب کا غلط استعمال کیا، اب وہ اللہ کی بارگاہ میں کسی عزت کے لائق نہیں، اب اُس حیثیت کیا ہے؟ قرآن فرماتا ہے: {وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓىٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ} [الأعراف7: 179] یعنی "بے شک ہم نے بہت سے جنات اور انسان پیدا کیے ہیں جن کا انجام جہنم ہے، ان کے ایسے دل ہیں جن کے ذریعے وہ (اللہ کے احکام کو) سمجھتے ہی نہیں اور ان کی ایسی آنکھیں ہیں جن کے ساتھ وہ (ہدایت کا راستہ) دیکھتے ہی نہیں اور ان کے ایسے کان ہیں جن کے ذریعے وہ (حق کی بات) سنتے ہی نہیں، یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے[2]، یہی لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں"۔

---

[2] قرآن پاک نے کفار کو جانوروں سے بدتر کیوں فرمایا؟ کیونکہ جانور بے عقل و بے سمجھ ہونے کے باوجود اپنے مالک کی خدمت گزاری سے منہ نہیں موڑتے، اُنھیں کوئی راہ دکھانے والا ہو تو اُس کی راہ نمائی میں منزلِ مقصود تک پہنچ جاتے ہیں، مگر کفار کو تو یاد تک نہیں کہ ہمارا کوئی خالق و مالک بھی ہے، یہ انبیائے کرام علیہم السلام کی راہ نمائی کے باوجود اپنی منزل تک نہیں پہنچے۔ اس لحاظ سے تو یہ حیوانوں سے بھی بدرجہا بدتر ہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا: {اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اُولٰٓىٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓىٕكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ۝ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ۝} [البینۃ98:6-8]

جس سے بھلائی کی توقع ہو

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک حلقے میں بیٹھے کچھ افراد کے پاس کھڑے ہو کر پوچھا: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ؟ "مَیں تمہیں تمہارے بہترین افراد کو بدترین سے ممتاز کرکے بتاؤں؟" (یہ سوال جواب کو اچھی طرح ذہن نشیں کرنے کے لیے تھا)۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ادبِ بارگاہِ رسالت مآب اور خشیتِ الٰہی کی وجہ سے خاموش رہے۔ آپ ﷺ نے یہ سوال تین بار دہرایا۔ تیسری مرتبہ ایک صحابی نے آپ ﷺ کی خواہش کے مطابق عرض کیا: "جی ضرور ارشاد فرمائیں!" آپ نے فرمایا: خَيْرُكُمْ مَنْ يُرْجَى خَيْرُهُ وَيُؤْمَنُ شَرُّهُ، وَشَرُّكُمْ مَنْ لَا يُرْجَى خَيْرُهُ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهُ. (جامع ترمذی: 2263) یعنی "تمہارے بہترین افراد میں سے وہ ہے جس کے عادات واخلاق کے سبب لوگ اُس سے بھلائی کی امید رکھیں، اور اُس کے شر سے محفوظ اور بے خوف ہوں، اور تم میں بدترین وہ ہے جس سے لوگوں کو بھلائی کی توقع نہ ہو اور نہ ہی لوگ اُس کے شر سے محفوظ ہوں"۔

کہنے کو تو ہر شخص خود کو اچھا سمجھتا اور کہتا ہے، مگر اس حدیث پاک کے مطابق حقیقت میں بہترین شخص وہ جس کی سیرت وکردار اور اُس کے اخلاق ایسے ہوں کہ لوگ اُس کے بارے میں توقع رکھیں کہ یہ بولے گا تو بھلائی کی بات کہے گا، اس کے پاس بیٹھیں گے تو ہمارے کردار میں بھی نکھار آئے گا، اس سے مشورہ مانگا تو اچھا مشورہ دے گا، اس سے راز کی بات کہی تو دیانتداری کا مظاہرہ کرے گا، اِس کے بس میں ہوا تو ہمارا فائدہ ہی کرے گا۔

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کسی غزوہ میں موقع پاکر غَوْرَث نامی ایک مشرک رسول اللہ ﷺ کے پاس آپہنچا اور تلوار پکڑ کر کہنے لگا: مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي؟ "آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا: «اَللّٰه»۔ اللہ تعالیٰ نے اُس پر ایسا رعب طاری کیا کہ اُس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ تلوار اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا: «مَنْ يَمْنَعُكَ؟» "اب تجھے کون بچائے گا؟" وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہنے لگا: كُنْ خَيْرَ آخِذٍ۔ "آپ قابو پانے کے بعد بہترین رویہ اختیار کرنے والے ہیں"، یعنی مجھے معاف کردیں۔ یہ ایک مشرک کی آپ ﷺ کے بارے میں امید تھی۔ پھر آپ ﷺ نے اُسے اسلام کی دعوت دی، اُس نے اسلام تو قبول نہیں کیا البتہ آپ ﷺ کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ آئندہ نہ تو کبھی آپ ﷺ کے ساتھ لڑے گا اور نہ آپ کے کسی دشمن کا

"بے شک اہل کتاب میں سے جو کفار ہیں اور مشرکین وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے، وہی تمام مخلوق میں بدترین ہیں۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے وہ تمام مخلوق میں بہترین ہیں۔ ان کی جزا اُن کے رب کے پاس ہے جو دائمی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے، یہ (جزا) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا۔

ساتھ دے گا۔ آپ ﷺ نے اُسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنے لوگوں کے پاس جا کر کہنے لگا: جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ. مَیں اُس ہستی کے پاس سے آیا ہوں جس کی سخاوت اور اُس کے اخلاق تمام انسانوں سے بڑھ کر ہیں۔ (المستدرک، حدیث:4322)

اپنے عیب تلاش کرنا

انسان کی ایک بڑی خامی یہ ہے کہ اُس کی طبیعت مکھی کی طرح ہوتی ہے جو صاف جگہ چھوڑ کر گندگی پر بیٹھنا پسند کرتی ہے۔ چنانچہ اکثر لوگ اپنے عیبوں کو چھوڑ کر دوسروں کی چھپی ہوئی برائیوں کی تلاش میں رہتے ہیں، اس کام میں انہیں عجیب قسم کی شیطانی لذّت ملتی ہے۔ وہ دوسروں کی عیب جوئی میں اتنا مگن رہتے ہیں کہ انہیں یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ خود کتنے بُرے کام کر چکے ہیں۔ دوسروں کے عیب جاننے کی جستجو سے قرآنِ پاک میں منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: وَلَا تَجَسَّسُوْا۔[الحجرات:12] "اور عیب نہ ڈھونڈو۔"

جب بندہ وضو کرتا ہے تو اللہ تعالی کی رحمت سے وضو کے پانی کے ساتھ گناہ دھل جاتے ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کو اللہ تعالی نے ایسی نظر دی تھی کہ وہ وضو کرنے والے شخص کے چہرے اور بازوؤں سے جدا ہوتے پانی میں یہ گناہ دیکھ کر پہچان لیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ جامِع مسجِد کُوفَہ کے وُضو خانے میں تشریف لے گئے تو ایک نوجوان کو وُضو کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "بیٹا! ماں باپ کی نافرمانی سے توبہ کرلے"۔ اُس نے عرض کی: مَیں نے توبہ کی۔ ایک اور شخص کے وُضو کے پانی کو ملاحظہ کیا، اُسے ارشاد فرمایا: "بدکاری سے تَوبہ کرلے"۔ اُس نے عرض کی: میں نے تَوبہ کی۔ ایک اور شخص کے وُضو کے پانی کو دیکھا تو اُس سے فرمایا: "شَراب پینے اور گانے باجے سے توبہ کرلے"۔ اُس نے عرض کی: میں نے تَوبہ کی۔ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کو پریشانی لاحق ہوئی کہ اس طرح لوگوں کے عیب میرے سامنے ظاہر ہو جاتے ہیں، آپ نے اللہ تعالی سے دعا کی میرے سامنے اس طرح لوگوں کے گناہ ظاہر نہ ہوں۔ اللہ تعالی نے آپ کی دُعا قَبول فرمالی جس سے آپ کو وُضو کرنے والوں کے گناہ جھڑتے نظر آنا بند ہو گئے۔ (المیزانُ الکبریٰ، ج:1، ص:130)

"اچھا انسان" بننے کے لیے یہ بات بہت ضروری ہے کہ انسان دوسروں کے عیبوں پر نظر رکھنے کے بجائے اپنے عیب دیکھے اور اُنہیں دور کرنے کی کوشش کرے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ نقل کیا، جس میں یہ جملے بھی ہیں: طُوبٰى لِمَنْ شَغَلَهٗ عَيْبُهٗ عَنْ عُيُوبِ النَّاسِ۔۔۔ (مسند البزاز، حدیث:6237) "اُس شخص کو مبارک ہو جو اپنے عیبوں کو تلاش کرکے اُنہیں دور کرنے میں اتنا مصروف ہے کہ اُس کی نظر لوگوں کے عیبوں پر پڑتی ہی نہیں، الحدیث"۔

حرفِ آخر

اُمتِ مسلمہ دن بدن اخلاقی اعتبار سے بہت پستی کا شکار ہوتی جا رہی ہے۔ دین سے دوری کی وجہ سے جاہلانہ خامیوں میں اِضافہ اور ایمانی خوبیوں میں کمی ہوتی جا رہی ہے۔ ایک اچھے انسان اور اچھے مسلمان کی تلاش بھی امتحان سے کم نہیں۔ شاعر نے کہا:

گھروں پہ نام تھے ناموں کے ساتھ عہدے تھے
بہت تلاش کیا کوئی آدمی نہ ملا

اچھا انسان بننے کا آغاز سچ سے کیجیے؛ کیونکہ سچ بہت سی اچھائیوں کا ذریعہ بنتا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقًا، وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا» (صحیح مسلم، حدیث: 6805) ”یعنی تم پر سچ بولنا لازم ہے۔ بے شک سچ نیکی طرف لے جاتا ہے اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے، اور بے شک آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کی کوشش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اُسے اللہ تعالیٰ کے ہاں ”بڑا سچا“ لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے بچو، بے شک جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم تک پہنچا دیتا ہے، اور بے شک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ اُسے اللہ کے ہاں کذّاب (بہت بڑا جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے۔

ہماری سچائی اور حُسنِ واخلاق و کردار کے نتیجے میں جب لوگ ہم سے صرف خیر اور بھلائی کی توقع کرنے لگیں گے تو ہم بجا طور پر کہہ سکیں گے ہم ”اچھے انسان“ اور ”اچھے مسلمان“ ہیں۔

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَمِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ فِى النَّارِ ابۡتِغَاۗءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُهٗ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَقَّ وَالۡبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذۡهَبُ جُفَاۗءً وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ.[الرعد13:17]

گزشتہ خطبہ ملاحظہ کرنے کے لیے لنک پر کلک کریں: https://drive.google.com/file/d/19HR0c2wDHJRvIbMMsa1tYmsrGS2hf2Ul/view

آغازِسخن: اولین وآخرین میں نبی کریم ﷺ سب سے ''اچھے''ہیں،نہ آپ سے زیادہ اچھا کوئی آیا اور نہ ہی قیامت تک آئے گا۔ آپ ﷺ کی ذات بھی سب سے افضل ہے اور آپ کے تمام اوصاف بھی سب سے اعلیٰ ہیں۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے خوب کہا:

خلق سے اولیا، اولیا سے رُسُل
اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی

سارے اچھوں سے اچھا سمجھیے جسے
ہے اُس اچھے سے اچھا ہمارا نبی

سارے اُونچوں سے اُونچا سمجھیے جسے
ہے اُس اونچے سے اُونچا ہمارا نبی

کسی بھی شخص کی جتنی عمدہ تربیت کی جائے وہ اتنا ہی زیادہ اچھا ہو گا،یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بچوں کی اچھی تربیت پر بہت زور دیا۔ایک حدیث پاک میں یوں ارشاد فرمایا: مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نُحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ۔(جامع ترمذی،حدیث: 1952)یعنی''والد کی طرف سے اولاد کے لیے سب سے عمدہ اور اعلی تحفہ اچھی تربیت ہے''۔

رسول اللہ ﷺ سب سے اچھے کیوں نہ ہوں کہ آپ کی تربیت خود خالقِ کائنات جل جلالہ نے فرمائی ہے۔ آپ ﷺ سے مروی ہے: أَدَّبَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَأْدِيبِي۔(الجامع الصغیر،حدیث:310،کنزالعمال،حدیث:31895[1])''مجھے میرے رب نے خود اخلاق وآداب سکھائے ہیں اور خوب سکھائے ہیں''۔اگر آپ ﷺ کسی انسان کے تربیت یافتہ ہوتے تو کہنے والے کہتے:استاذ کی تربیت کا اثر ہے۔ اللہ تعالی نے کسی انسان کو اُن کا استاذ بنایا ہی نہیں؛تاکہ معلوم ہو جو کسی استاذ سے سیکھے بغیر پوری کائنات کو سکھا رہا ہے وہ اللہ کا رسول ہی ہے۔سفیرِ محبتِ رسول اعلی حضرت بریلوی علیہ الرحمہ نے کہا:

ایسا اُمی کس لیے مِنّت کشِ اُستاذ ہو　　　کیا کفایت اُس کو اِقْرَأْ رَبُّكَ الْاَكْرَم نہیں

نبی رحمت ﷺ خود تو سب سے اچھے ہیں ہی، آپ نے اپنے اُسوۂ مبارکہ اور اخلاق وتعلیمات کی صورت میں انسانیت کو ایسا نصاب عطا کیا ہے کہ جو بھی آپ ﷺ کی غلامی اور اطاعت کرے وہ بھی اچھا بن جاتا ہے،بلکہ قرآن وحدیث میں جابجا وضاحت سے بیان فرمایا گیا کہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں اچھا صرف وہی ہے جو اُن کے قدموں سے وابستہ ہے۔

---

[1] اسنادہٗ ضعیف ومعناہ صحیح

اس وقت اُمت مسلمہ بہت تیزی سے اخلاقی پستی کا شکار ہوتی چلی جارہی ہے، ایسے میں ضرورت ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں "اچھا انسان" بننے کی کوشش جائے؛ تاکہ ہمارے اخلاق وکردار سے متأثر ہوکر کفار اسلام کی طرف مائل ہوں، ایسا نہ ہو کہ ہماری نالائقی کی وجہ سے اُنہیں اسلام پر اعتراض کا موقع ملے۔

گزشتہ خطبہ سے ربط: گزشتہ جمعہ مبارکہ کے خطبہ میں بیان ہوا تھا کہ قرآن وسنت کی روشنی میں "اچھا انسان" بننے کے لیے سب سے پہلے اسلام سے مزین ہونا ضروری ہے، اسلام کے بغیر اللہ تعالی کی بارگاہ میں اچھا قرار پانا ممکن نہیں۔ پھر اپنے عیب تلاش کرکے اُنہیں دور کرنے کی عادت "اچھا" بننے میں بہت مدد کرتی ہے۔ سچ بہت سی اچھائیوں کا ذریعہ ہے اور بہترین انسان وہ مومن ہے جس سے بھلائی کی توقع ہو اور اُس سے شر کا خوف نہ ہو۔

آج کے خطبہ میں ایک اچھے انسان کے مزید کچھ اوصاف مذکور ہوں گے۔

غصے پر کنٹرول کرنے والا

انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب کوئی اُس کی حق تلفی کرے یا اُس کے مزاج کی خلاف ورزی کرے تو اُسے غصہ آتا ہے۔ "اچھا انسان" وہ ہے جو غصے کی حالت میں خود کو کنٹرول رکھے اور اللہ تعالی کی نافرمانی نہ کرے۔ ایسا کرنے سے انسان دنیا وآخرت میں عزت پاتا ہے، اور اگر ایسا نہ کرے تو یہی غصہ دنیا وآخرت میں اُس کی ذلت ورسوائی کا سبب بنتا ہے۔

سیدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالی عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا ایک طویل خطبہ نقل کیا، جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: أَلَا إِنَّ خَيْرَ الرِّجَالِ مَنْ كَانَ بَطِيءَ الْغَضَبِ سَرِيْعَ الْفَيْءِ، وَشَرَّ الرِّجَالِ مَنْ كَانَ سَرِيعَ الْغَضَبِ بَطِيءَ الْفَيْءِ، فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ سَرِيعَ الْغَضَبِ سَرِيعَ الْفَيْءِ فَإِنَّهَا بِهَا، وَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ بَطِيءَ الْغَضَبِ بَطِيءَ الْفَيْءِ فَإِنَّهَا بِهَا... (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 8543، ورواہ الترمذی فی جامعہ، حدیث: 2191) مفہوم حدیث یہ کہ لوگ چار طرح کے ہیں:

1) جنہیں جلد غصہ آتا ہے (معمولی بات پر بھی غصہ آجاتا ہے) اور جلد ہی اُتر جاتا ہے۔

2) جنہیں دیر سے غصہ آتا ہے اور دیر سے اُترتا ہے۔

اِن دونوں میں ایک خوبی ہے اور ایک خامی ہے، یہ نہ تو بدترین ہیں اور نہ ہی بہترین۔

3) بدترین شخص وہ ہے جسے غصہ آتا تو بہت جلد ہے، مگر جاتا دیر سے ہے۔

4) بہترین شخص وہ ہے جسے غصہ آتا دیر سے ہے اور جاتا جلد ہے۔

ہمارے معاشرے کی صورت حال یہ ہے کہ تقریباً ہر گھر میں لڑائی ہے، ہر دکان پر جھگڑا ہے، ہر آفس کا ماحول بگڑا ہے، اور تو اور مساجد میں بھی لوگ ایک دوسرے سے اُلجھنا نہیں چھوڑتے۔ اس نوبت کا ایک بڑا سبب غصے میں خود کو کنٹرول نہ کرنا ہے۔ ایک عالمی سروے کے مطابق غصہ کرنے والوں میں پاکستانیوں کا دنیا بھر میں دسواں نمبر ہے۔[1]

غصے کے نقصانات: ہر بات پر غصہ کرنے والے کو معاشرے میں بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا، اور اس کے طبی نقصانات (Health Risks) بھی بہت ہیں۔ طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ بات بات پر غصہ کرنے والے حضرات کا بلڈ پریشر عام طور پر ہائی رہتا ہے، جس سے دماغ کی شریان پھٹنے یعنی برین ہیمبرج ہو جانے یا فالج یا دل کا دورہ پڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ غصے سے قوتِ مدافعت (Immune System) بیماری روکنے کی قوّت، کمزور ہو جاتی ہے اور جسم معمولی سی بیماریوں کو بھی روکنے میں ناکام رہتا ہے۔ غصہ پھیپھڑوں کے لیے اُتنا ہی نقصان دِہ ہے جتنا تمباکو نوشی (Smoking) یا الکوحل کا استعمال۔ زیادہ غصہ کرنا حافظے کو کمزور کرتا ہے اور غور و فکر کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے۔

طاقت وَر کون؟ ہم سمجھتے ہیں کہ غصہ کو کنٹرول کرنا کمزور ہونے کی نشانی ہے، بہادری تو یہ ہے کہ کسی کو ہمارے سامنے بات کرنے کی جرأت نہ ہو۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ مصطفی کریم ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ.» (صحیح بخاری، حدیث: 6114) یعنی ”طاقت وَر وہ نہیں جو پہلوان ہو، دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ طاقت وَر وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے“۔

غصہ اور صدیق اکبر: جانِ جہاں ﷺ کی موجودگی میں کسی آدمی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو نامناسب الفاظ کہے، جب اُس نے بہت زیادتی کی تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے اُس کی بعض باتوں کا جواب دیا، (یہ جواب دینا اگرچہ جائز تھا اور گناہ نہیں تھا، مگر جناب صدیق اکبر کی بلند شان کے شایاں نہیں تھا)۔ سرکارِ دوعالم ﷺ وہاں سے اُٹھ کر تشریف لے گئے۔ سیدنا صدیق اکبر آپ ﷺ کے پیچھے پہنچے اور عرض کی: یا رسول اللہ! وہ مجھے نامناسب الفاظ کہتا رہا، آپ تشریف فرما رہے، جب میں نے اُس کی بات کا جواب دیا تو آپ اُٹھ کر تشریف لے آئے (اس میں کیا حکمت تھی؟)، فرمایا: إِنَّهُ كَانَ مَعَكَ مَلَكٌ يَرُدُّ عَنْكَ، فَلَمَّا رَدَدْتَ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهِ وَقَعَ الشَّيْطَانُ، فَلَمْ أَكُنْ لِأَقْعُدَ مَعَ الشَّيْطَانِ. یعنی ”تیرے ساتھ فرشتہ تھا، جو اُس کا جواب دے رہا تھا، پھر جب تم نے خود اُس کی کچھ باتوں کا جواب دیا تو شیطان درمیان میں پڑ گیا (فرشتہ جواب دینے سے خاموش ہو گیا اور شیطان خوش

---

[1] https://www.bbc.com/urdu/science-48088967

ہونے لگا کہ ممکن ہے کہ اب تم اس کے جواب میں زیادتی کردو"۔ (مسند احمد، حدیث:9624) یہ آپ ﷺ کی تربیت کا اثر تھا کہ پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی حیات پاک میں اپنی ذات کے لیے اتنا جواب دینا بھی نہیں ملتا۔

اہل بیت کا حلم: حضرت امام زین العابدین علیہ الرحمہ کو اُن کی کنیز وضو کرا رہی تھی کہ اچانک اس کے ہاتھ سے پانی کا برتن گر گیا جس سے آپ کچھ زخمی ہوگئے، آپ نے اس کی طرف سر اُٹھا کر دیکھا تو اس نے عرض کی: اللہ تعالی نے اپنے پسندیدہ بندوں کا وصف بیان کیا ہے: وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ "اور غصہ پینے والے"، آپ نے فرمایا: قَدْ كَظَمْتُ غَيْظِيْ۔ یعنی میں نے اپنا غصہ پی لیا۔ اُس نے پھر عرض کی: وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ. "اور لوگوں سے درگزر کرنے والے"، ارشاد فرمایا: قَدْ عَفَا اللهُ عَنْكِ۔ یعنی (مَیں نے تجھے معاف کیا) اللہ پاک (بھی) تجھے معاف کرے۔ پھر عرض گزار ہوئی: وَ اللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ "اور احسان کرنے والے اللہ کے محبوب ہیں" ارشاد فرمایا: اِذْهَبِيْ فَاَنْتِ حُرَّةٌ۔ جا! تو آزاد ہے۔ (شعب الایمان، حدیث:8317)

اہم نکتہ: اللہ عزوجل پسند فرماتا ہے کہ بندۂ مومن کے سامنے اپنی ذات اور دنیا کا معاملہ ہو تو وہ نرمی اور معافی اختیار کرے اور دینی غیرت کی بات ہو تو شدت وحمیت اور جرأت واستقامت سے کام لے، دین کے معاملے میں سُستی اور مداہنت نہ کرے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلْمُؤْمِنُ يَغَارُ وَاللهُ أَشَدُّ غَيْرًا» (صحیح مسلم، حدیث:7175) "مومن غیرت مند ہوتا ہے اور اللہ تعالی سب سے بڑھ کر غیرت فرمانے والا ہے"۔ اقبال علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رَزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

ایک اور مقام پر کہا:

جباری و قہاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

لوگوں کو نفع پہنچانے والا

اللہ تعالی جسے جو چاہے عطا فرماتا ہے، وہ چاہے تو اپنی تمام مخلوق کی ضروریات از خود پوری فرمائے اور کوئی بھی انسان اپنی ضروریات کے حوالے سے کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو، لیکن اللہ تعالی نے لوگوں کی آزمائش کے لیے دنیا کا یہ نظام بنایا ہے کہ لوگ اپنی ضروریات پوری کرنے میں دوسروں کے محتاج ہیں۔ ہر ایک شخص کو کسی نہ کسی طرح دوسرے کی ضرورت ہے۔ پھر اللہ تعالی نے بعض

لوگوں کو ایسے اسباب عطا کیے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی مخلوق کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ "اچھا انسان" وہ ہے جو اپنی طاقت کے مطابق دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے، اُن کے کام آتا ہے، اُن کی پریشانی دور کرتا ہے اور اُن کے دل خوش کرتا ہے۔

بھلائی کی نشانی: خالقِ کائنات جل جلالہٗ جب کسی بندے کو نوازنا چاہے تو اس کے لیے کوئی ذریعہ پیدا فرما دیتا ہے۔ ان ذرائع میں سے ایک بہترین ذریعہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل اُسے اپنی مخلوق کو فائدہ پہنچانے کی توفیق عطا کر دیتا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جانِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: إِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اسْتَعْمَلَهُ عَلَى قَضَاءِ حَوَائِجِ النَّاسِ۔ (شعب الایمان، حدیث: 7253) یعنی "اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اُسے لوگوں کی حاجتیں پوری کرنے کی توفیق عطا کرتا ہے"۔

پیارا بندہ اور محبوب عمل: جو شخص دوسروں کو فائدہ پہنچائے وہ لوگوں کی نظر میں محبوب تو ہو ہی جاتا ہے، بڑی سعادت یہ ہے کہ خود باری تعالیٰ بھی اُسے پسند فرماتا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت مآب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں حاضر ہو کر عرض کی: "کون شخص اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اور کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا ہے؟" آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: «أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللهِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ، وَأَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ سُرُورٌ تُدْخِلُهُ عَلَى مُسْلِمٍ، أَوْ تَكْشِفُ عَنْهُ كُرْبَةً، أَوْ تَقْضِي عَنْهُ دَيْنًا، أَوْ تَطْرُدُ عَنْهُ جُوعًا، وَلَأَنْ أَمْشِيَ مَعَ أَخٍ لِي فِي حَاجَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتَكِفَ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ، يَعْنِي مَسْجِدَ الْمَدِينَةِ، شَهْرًا۔[1]» (المعجم الاوسط، حدیث: 6026) یعنی لوگوں کو بہت نفع پہنچانے والا اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندوں سے ہے، (فرائض کے بعد معاملات میں) سب سے پیارا عمل یہ ہے کہ تُو کسی مسلمان کا دل خوش کر دے، یا اُس کی پریشانی دور کر دے یا اُس کا دین (قرض وغیرہ) ادا کر دے، یا اُس کی بھوک دور کر دے۔ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ اُس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے جانا مجھے اِس مسجد نبوی میں ایک ماہ اعتکاف کرنے سے زیادہ پیارا ہے (کیونکہ عبادات کا فائدہ فقط اپنی ذات کو ہے جبکہ حاجت پوری کرنے میں اللہ کی مخلوق کا فائدہ ہے)۔

فائدہ پہنچانے کی صورتیں: درج بالا حدیث پاک میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دوسروں کو فائدہ دینے کی مختلف صورتیں ذکر فرمائی ہیں۔ نفع پہنچانے کے مزید بھی ذرائع ہیں: بھلائی کی دعوت دینا اور برائی سے روکنا، کسی کی اچھی تربیت کر کے اُسے معاشرے میں اچھا فرد بنانا، کسی کی مالی مشکلات کو حل کرنا، اچھا اور نیک مشورہ دینا جس سے مشورہ کرنے والے کا بھلا ہو، بیمار کی عیادت کرنا اور اُس کا علاج کرانا، بھوکے / پیاسے کو کھانا کھلا دینا / پانی پلا دینا، یتیموں و غریبوں کا سہارا بننا، ضرورت مند کو سود کے بغیر قرض دینا، اپنی چیز فائدہ

---

[1] ، وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهُ سَتَرَ اللهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ كَظَمَ غَيْظَهُ، وَلَوْ شَاءَ أَنْ يُمْضِيَهُ أَمْضَاهُ، مَلَأَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ قَلْبَهُ أَمْنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ مَشَى مَعَ أَخِيهِ فِي حَاجَةٍ حَتّٰى أَثْبَتَهَا لَهُ أَثْبَتَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ قَدَمَهُ عَلَى الصِّرَاطِ يَوْمَ تَزِلُّ فِيهِ الْأَقْدَامُ»

اُٹھانے کے لیے دوسرے کو دینا، لباس فراہم کرنا، درخت اور پودا لگا دینا، جس سے انسان و حیوان فائدہ اٹھائیں، بھولے بھٹکے کو راستہ بتا دینا، جائز سفارش کے ذریعے کسی کا مسئلہ حل کرا دینا، اپنے کام کے ساتھ دوسرے کا بھی کام کر دینا، مظلوم کو اس کا حق دلانا، راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا، وغیرہ۔

اللہ تعالی نے فرمایا: فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ.[الرعد13:17] ”جھاگ تو ضائع ہو جاتا ہے اور وہ (پانی) جو لوگوں کو فائدہ دیتا ہے وہ زمین میں باقی رہتا ہے۔ اللہ یوں ہی مثالیں بیان فرماتا ہے“(جس طرح بہتے پانی یا پگھلی ہوئی معدنیات کی سطح پر جھاگ ظاہر ہو کر جلدی زائل ہو جاتی ہے ایسے ہی باطل اگرچہ کتنا ہی اُبھر جائے لیکن انجام کار مٹ جاتا ہے اور حق اصل چیز اور صاف جوہر کی طرح باقی و ثابت رہتا ہے۔ جو شخص لوگوں کو نفع پہنچائے اللہ تعالی اُس کا نام اور اُس کی محبت ہمیشہ باقی رکھتا ہے اور جو بے مقصد رہے، مخلوق کا بھلا نہ کرے وہ مٹ جاتا ہے)

قرآن کریم اور علم دین سکھانے والے

درج بالا سطور میں مذکور ہوا کہ اچھا انسان، بلکہ سب سے اچھا انسان وہ مومن ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ کسی بھی انسان کے لیے بڑا فائدہ وہ ہے جس کے ذریعے کوئی بڑی ضرورت پوری ہو اور وہ فائدہ دیرپا ہو۔ دیکھنا یہ ہے کہ انسان کی سب بڑی ضرورت کیا ہے؟ انسان کی سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ایمان قبول کرے اور اُس کے تقاضوں پر عمل کرے، ظاہر ہے کہ ایمان کے تقاضوں پر عمل کے لیے علمِ دین حاصل کرنا نہایت ضروری ہے، اِسی لیے آپ ﷺ نے قرآن مجید اور اُس کے متعلق علوم سیکھنے اور سکھانے والے کو بہترین انسان قرار دیا۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.» (صحیح بخاری، حدیث: 5027) ”تم میں بہترین وہ ہے جو قرآن کریم سیکھے اور دوسروں کو سکھائے“(کیونکہ قرآن سب سے افضل کلام ہے، اعلی ترین علوم پر مشتمل ہے، دنیا و آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے تو جس نے اِسے سیکھا، سمجھا، اِسے سمجھنے کے لیے ضروری علوم حاصل کیے اور پھر اِس کا فیضان لوگوں تک پہنچایا وہ امت میں سب سے افضل ہے)۔

دعائے نبوی: رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ حسین اخلاق کے مالک ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ معمولی خدمت کرنے والے اور نیاز مندی کا اظہار کرنے والے کی بہت قدر کرتے ہیں اور اس پر کرم نوازیاں فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ اپنے ظاہری حیات میں خدمت کرنے والوں کو تو نوازتے ہی تھے بعد والوں کو بھی محرومِ کرم نہیں کیا۔ آج آپ ﷺ کی خدمت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے دین کی خدمت کی جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دین کی خدمت کرنے والوں کو نوازتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالی کی بارگاہ میں عرض کی: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ

لِلْمُعَلِّمِيْنَ وَبَارِكْ لَهُمْ فِيْ أَبْدَانِهِمْ وأَطِلْ أَعْمَارَهُمْ. (فردوس الاخبار، حدیث:2040)"اے اللہ! (دین) سکھانے والوں کی بخشش فرما، اُن کے بدنوں میں برکت اور عمر کی درازی عطا فرما"۔

زمین وآسمان والوں کی دعائیں: سیدنا ابواُمامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں دو شخصوں کا ذکر ہوا کہ ایک عابد اور دوسرا عالم ہے (اِن میں سے کون افضل ہے؟)، آپ ﷺ نے فرمایا: فَضْلُ العَالِمِ عَلَى العَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُمْ۔ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ وَمَلاَئِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمَوَاتِ وَالأَرَضِينَ حَتَّى النَّمْلَةَ فِي جُحْرِهَا وَحَتَّى الحُوتَ لَيُصَلُّونَ عَلَى مُعَلِّمِ النَّاسِ الخَيْرَ۔ (جامع ترمذی، حدیث:2685)"جس طرح مجھے تم میں سے ادنیٰ پر فضیلت حاصل ہے ایسے ہی عالم کو عابد پر فضیلت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور آسمان وزمین والے حتی کے چیونٹیاں اپنے سوارخوں میں اور مچھلیاں (پانی میں) لوگوں کو علم دین سکھانے والے کے لیے دعائیں کرتے ہیں"۔

خدمت دین کے مختلف طریقے: ممکن ہے کہ کسی کے دل میں خیال آئے کہ میں عالم نہیں، میں کیسے دین کی خدمت کرسکتا ہوں؟ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ دینی مراکز کی خدمت کریں، دین کی خدمت کرنے والوں کی کاوشوں میں ان سے تعاون کریں، علمائے حق کی تحریرات وخطابات عام کریں، اپنے گھر اور دفتر وغیرہ میں دینی ماحول پیدا کریں۔ اِس طرح وہ بھی دعا کی خیرات حاصل کرسکیں گے۔

مدارس کے بارے میں زہرافشانی: اہل یورپ سمجھتے ہیں کہ جب تک مسلمانوں کے دینی مدارس اور علم دین عام کرنے والے علما موجود ہیں اور مسلمانوں کا علما سے تعلق ہے تب تک اُنھیں دینی اعتبار سے کمزور نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ وہ دین کے نمائندوں سے تعلق ختم کرنا چاہتے ہیں۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

افغانیوں کی غیرتِ دیں کا یہ علاج
مُلّا کو اُن کے کُوہ و دَمَن سے نکال دو

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اِس کے بدن سے نکال دو

چنانچہ ایک سازش کے تحت آئے روز مدارس اور دینی مراکز کے بارے میں پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ جس طرح آج کے نام نہاد دانشور دینی مدارس کے خلاف زہر اگلتے ہیں، علامہ سے بھی اسی قسم کا مذاکرہ کیا گیا کہ یہ مدارس بند کردینے چاہییں، تو آپ نے فرمایا: "ان مکتبوں اور مدرسوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی مکتبوں میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں اپنی ان آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستان کے مسلمان ان مکتبوں کے اثر سے محروم ہوگئے تو

بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح ہسپانیہ (اندلس) میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اورالحمراء کے سوا اسلام کے پیروؤں اوراسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اوردلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت اوران کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا"۔(بحوالہ اوراق گم گشتہ از جناب رحیم بخش شاہین صفحہ 374/375)

حرف آخر

نبی کریم ﷺ تمام اچھوں سے بڑھ کر اچھے اور تمام اُونچوں سے بڑھ کر اُونچے ہیں، جو آپ کے قدموں سے وابستہ ہوا وہ بھی اچھا ہوگیا۔ آپ کے قدم تھامنے والوں اور خود کو آپ کے رنگ میں رنگنے والوں میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کو نہایت اعلی شان حاصل ہے۔ وہ مصطفیٰ کریم ﷺ کی ذات میں فنا ہوچکے تھے، دیکھنے والوں کی نظر میں صورت ان کی تھی لیکن سیرت آقا کریم ﷺ کی تھی، وہ سراپا صفاتِ مصطفویہ کا عکسِ تمام تھے۔ امتی جس قدر اپنے نبی کے مشابہ ہوسکتا ہے وہ مقدار پوری امت میں سب سے زیادہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ میں پائی جاتی ہے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: «خِصَالُ الْخَيْرِ ثَلَاثُمِائَةٍ وَسِتُّونَ خَصْلَةً، إِذَا أَرَادَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ بِعَبْدٍ خَيْرًا جَعَلَ فِيهِ خَصْلَةً مِنْهَا يُدْخِلُهُ بِهَا الْجَنَّةَ» "بھلائی کے 360 اوصاف ہیں، اللہ تعالی جسے نوازنا چاہے اُسے ان میں سے ایک وصف عطا کرکے اس کے ذریعے جنت میں داخل فرمادیتا ہے"۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی: يَا رَسُولَ اللهِ أَفِيَّ مِنْهَا شَيْءٌ؟ یارسول اللہ! اِن میں سے کوئی وصف مجھ میں بھی پایا جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ، جَمْعَاءُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ» وزاد ابن عساکر: وَهَنِيْئًا لَكَ يا أبا بَكْرٍ۔ (مکارم الاخلاق لابن ابی الدنیا، حدیث:29، تاریخ دمشق) "ہاں اے ابو بکر! تمہیں مبارک ہو، تمہارے اندر بھلائی کے تمام اوصاف پائے جاتے ہیں۔

جناب صدیق اکبر کمال درجہ کے حلم اور برداشت والے بھی تھے، مخلوقِ خدا کو بے پناہ نفع بھی پہنچایا اور نبی اکرم ﷺ کے وصال پاک کے بعد دین پھیلانے اور سازشوں کا قلع قمع کرنے کا سہرا تو سجتا ہی آپ کے سر ہے۔

اللہ تعالی اچھوں کے طفیل ہمیں بھی اچھا بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

نئے شمسی سال کا آغاز....چند توجہ طلب اُمور

آغازِسخن: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ زمین بھی اُس کی نعمتوں سے بھرپور ہے، آسمان بھی اُس کے احسانات سے معمور ہے، اور خود ہماری ذات میں بھی اُس کی کرم نوازیاں لامحدود ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: { وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ } [النحل18:16] "اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو اُنہیں شمار نہیں کر سکو گے، بے شک اللہ بخشنے والا، مہربان ہے"۔

مالک جل جلالہ کی دی ہوئی نعمتوں میں بہت قیمتی اور اہم نعمت "وقت" ہے۔ وقت ایسی قیمتی اور بیش بہا دولت ہے کہ یہ صرف ایک بار ہی ملتی ہے اور ضیاع وزوال کی صورت میں اس کا اِزالہ اور تلافی ممکن نہیں۔ دوسری نعمتیں اگر ضائع ہو جائیں تو دوبارہ بھی مل سکتی ہیں، مثلاً بیماری کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ صحت عطا کر دیتا ہے اور غربت واِفلاس کے بعد مال میسر ہو جاتا ہے، لیکن جو گھڑیاں گزر جاتی ہیں اور جو لمحے بیت جاتے ہیں، ساری دنیا کے اسباب جمع ہو کر بھی ان لمحوں کو واپس نہیں لا سکتے۔ تجارتی زبان میں یہ کہنا بالکل درست ہے کہ "وقت" اصل سرمایہ ہے جس کے درست استعمال سے انسان دینی اور دنیوی ترقی کرتا ہے، ظاہر ہے کہ اگر اصل سرمایہ ہی ضائع ہو جائے تو نفع حاصل ہونا ناممکن ہے۔

ہماری زندگی ایک کتاب کی مانند ہے۔ ہر آنے والی صبح ایک نیا ورق اُلٹ دیتی ہے۔ یہ اُلٹے ہوئے اوراق برابر بڑھ رہے ہیں اور باقی ماندہ اوراق مسلسل کم ہو رہے ہیں اور ایک دن وہ ہوگا جب مَیں اپنی کتاب کا آخری ورق اُلٹ دوں گا۔ جونہی آنکھیں بند ہوں گی ساتھ ہی یہ کتاب بھی بند کر کے محفوظ کر دی جائے گی اور کچھ عرصے بعد روزِ قیامت شہنشاہِ واحد لاشریک کی طرف سے حکم دیا جائے گا: { اِقۡرَاۡ كِتٰبَك َ‌ؕ كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا‌ؕ } [بنی اسرائیل14:17] "اپنی کتاب (نامۂ اعمال) پڑھ، آج اپنے متعلق حساب کے لیے تُو خود ہی کافی ہے"۔

وقت کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں کئی مقامات پر مختلف اوقات کی قسمیں ارشاد فرمائی ہیں: وَالصُّبۡح، وَالۡفَجۡر، وَالضُّحٰی، وَالۡعَصۡر، وَاللَّيۡل، وَالنَّهَار... صبح کی قسم، فجر کی قسم، چاشت کی قسم، عصر کی قسم، رات کی قسم، دن کی قسم۔ انہی اوقات سے دن، رات اور پھر ہفتے، مہینے اور سال بنتے ہیں۔

وقت بہت تیزی سے گزر رہا ہے، یہ نہ کسی کا انتظار کرتا ہے اور نہ کسی کے لیے رکتا ہے۔ ابھی گویا کل ہی کی بات ہے کہ ہم 2020ء کا استقبال کر رہے تھے، آج وہ رخصت ہو چکا ہے اور ہماری تصنیف کردہ کتاب کے ایک حصے کو بند کر کے محفوظ کر لیا گیا ہے۔ ہماری زندگی کے درخت سے 365 پتے مزید گر چکے ہیں اور اب ہم 2021ء کا استقبال کر رہے ہیں۔

اِک اور اینٹ گر گئی دیوارِ حیات سے
نادان کہہ رہے ہیں "نیا سال مبارک"

آج نئے شمسی سال کا آغاز ہو رہا ہے اور ہمیں ہماری زندگی کے رجسٹر میں نئے سیکشن کے اضافہ کے لیے کچھ صاف اور سفید صفحے دیے گئے ہیں، ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ ہم اِن صفحات پر کیا تحریر کریں گے؟ آج کے خطبہ میں اسی حوالے سے کچھ باتیں ہوں گی۔

سورج اور چاند کی صورت میں انعام اور اِن کا نظام

سورج اور چاند عظیم الشان نعمتیں: گفتگو کا آغاز اس بات سے ہوا تھا کہ اللہ تعالی کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ زمین بھی اُس کی نعمتوں سے بھرپور ہے اور آسمان بھی اُس کے احسانات سے معمور ہے۔ آسمانی نعمتوں میں سے سورج اور چاند دونوں ایسی نعمتیں ہیں جو بالکل واضح اور ہر ایک کے سامنے ہیں۔ اللہ عز وجل نے اپنا احسان ذکر کرتے ہوئے فرمایا: {اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ} [الرحمن 55:5] "سورج اور چاند ایک مقررہ حساب سے چل رہے ہیں"۔ یہ دونوں نعمتیں زندگی کی بقا کے لیے بے حد ضروری ہیں۔ اگر سورج نہ ہو تو اندھیرا کبھی ختم ہی نہ ہو اور چاند نہ ہو تو بہت سی چیزیں بے فائدہ ہو جائیں۔

سورج اور چاند کا نظام: سورج اور چاند سے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ بھی احسان ہے کہ یہ دونوں معین اندازے کے ساتھ اپنے اپنے بُروج اور منازل میں حرکت کرتے ہیں۔ صدیاں بیت گئیں یہ دونوں چل رہے ہیں اور نہ جانے کب تک چلتے رہیں گے، مگر کیا مجال کہ سرِ مُو بھی دائیں یا بائیں سرکیں یا لمحہ بھر کی بھی تقدیم و تاخیر ہو۔ ارشاد ہے: {وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ٥ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ٥ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ٥} (یٰسٓ 36:38-40) "اور سورج اپنے ٹھہرنے کے وقت تک چلتا رہے گا یہ بہت غالب، علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے۔ اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کیں، یہاں تک کہ وہ (مہینے کی آخری راتوں میں) کھجور کی پرانی شاخ جیسا (باریک، خم دار) ہو جاتا ہے۔ نہ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور ہر ایک (سیارہ) اپنے مدار میں تیر رہا ہے"۔[1]

یعنی رات چاند کی شان و شوکت ظاہر ہونے کا وقت ہے، سورج نہ تو ایسا کر سکتا ہے کہ رات میں چاند کی جگہ طلوع ہو جائے اور نہ ہی یہ کر سکتا ہے کہ چاند کے ساتھ جمع ہو کر اُس کے نور مغلوب کر دے۔ اور ایسا بھی نہیں ہو سکتا کہ دن کا وقت پورا ہونے سے پہلے رات آجائے، بلکہ رات اور دن دونوں معین حساب کے ساتھ آتے جاتے ہیں، کوئی بھی اپنے وقت سے پہلے نہیں آتا۔ نہ سورج رات میں چمکتا ہے اور نہ چاند دن میں اور ان میں سے ہر ایک اپنے دائرے میں چل رہا ہے۔ کائنات کی ابتدا سے اب تک سورج اور چاند کے نظام کا اِس مربوط اور منظم انداز میں چلنا اور اس میں کسی طرح کا کوئی اختلاف نہ ہونا واضح دلیل ہے کہ اِس نظام کو چلانے والا موجود ہے، وہ ایک ہے، کامل قدرت اور بے انتہا علم والا ہے۔

---

[1] اسلامی نظریہ کے مطابق زمین ساکن ہے سورج، چاند اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: "نزولِ آیات فرقان بسکونِ زمین وآسمان"۔ (فتاوی رضویہ، ج:27)

https://youtu.be/fsLQ4qeWoFQ

از خود نہیں: اِن آیات مبارکہ میں اُن احمقوں کا بھی ردّ ہے جو سمجھتے ہیں کہ دنیا کا نظام خود بخود چل رہا ہے۔ جو چیز آٹومیٹک ہو اُس کی سوفیصد گارنٹی ہر گز نہیں دی جاسکتی، اگرچہ اُس کی تیاری پر اربوں خرچ ہوئے ہوں۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود زمین سے جسامت لاکھوں گنا بڑے سورج اور اِسی طرح چاند کی چال میں ایک سیکنڈ کا فرق بھی نہ آنا اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ باقی کائنات کی طرح یہ بھی از خود نہیں چل رہے، بلکہ ایک نہایت قدرت اور علم والی ذات کے حکم کے پابند ہیں اور اُس کا حکم ان کا نظام بگڑنے نہیں دیتا۔

نیز یہ بھی توجہ طلب بات ہے کہ اگر چاند از خود چل رہا ہوتا تو چلانے والے کے حبیب ﷺ کے اِشارے سے ٹکڑے نہ ہوتا، اور سورج اگر خود چل رہا ہوتا تو محبوب ﷺ کی دعا سے واپس نہ پلٹتا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے کہا:

تیری مرضی پاگیا سورج پھرا اُلٹے قدم
تیری اُنگلی اُٹھ گئی مہ کلیجا چِر گیا

اُن کے اشاروں پر جھک کر چاند بتا رہا تھا کہ وہ کل بھی اپنے مالک کے حکم کا پابند تھا اور آج بھی اُسی کے حکم سے چل رہا ہے۔

زمانے کو برا کہنے کی ممانعت: ضمنی طور پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ دورِ جاہلیت میں لوگ کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے تو زمانے کو بُرا کہتے اور گالیاں دیتے؛ کیونکہ ان کا نظریہ تھا کہ زمانہ ہی سب کچھ کرتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ کفار نے کہا: {وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ.} ”اور ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے“۔ اللہ تعالی نے فرمایا: {وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ.} [الجاثیۃ 24:45] اور انہیں اس کا کچھ علم نہیں، وہ صرف گمان کر رہے ہیں“۔

یہ جہالت اب بھی بعض لوگوں میں موجود ہے، کئی الفاظ بولے جاتے ہیں جن میں ہم زمانے کو بُرا کہتے ہیں، مثلاً: ”وقت ہی بُرا آگیا ہے“، ”اللہ آپ کو بُرے وقت سے بچائے“، ”زمانہ کی ستم ظریفی ہے“، ”ظالم زمانہ کیا جانے“، ”بھائی پندرہویں صدی ہے“ وغیرہ۔ سمجھنے کی بات ہے کہ زمانہ کیا ہے؟ زمانہ سورج اور چاند کی چال سے رات اور دن، مہینے، ہفتے اور سال گزرنے کا نام ہے اور یہ سب کچھ تو اللہ عزوجل کی تخلیق اور اس کی قدرت سے ہے، پھر ہم زمانے کو کس بنا پر گالی دیتے ہیں؟ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی فرماتا ہے: يُؤْذِيْنِي ابْنُ آدَمَ، يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِي الْأَمْرُ أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ. (متفق علیہ) یعنی انسان وہ کام کرتا ہے جو مجھے سخت ناپسند ہے، وہ زمانے کو بُرا کہتا ہے، حالانکہ زمانے کا مالک تو مَیں ہوں، حکم میری قدرت میں ہے اور مَیں ہی رات اور دن کو بدلتا ہوں۔

حالات بے قابو ہونے پر پریشانی میں ایسی باتیں کہنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ زمانے کا نظام تو اُس وقت بھی یہی تھا جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط سے دریائے نیل چل پڑا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ زمانہ نہیں بدلا، ہم بدل گئے ہیں۔ وقت تو وہی پہلے والا ہے، ہمارے اعمال بُرے ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ہمیں یوں کہنا چاہیے کہ ”لوگ بدل گئے ہیں“، ”لوگ بُرے ہو گئے ہیں“، ”لوگوں کی ستم ظریفی“۔

شمسی اور قمری تقویم

دنیا بھر میں سالوں اور مہینوں کا حساب لگانے کے مختلف طریقے رائج ہیں: شمسی، قمری، بکرمی وغیرہ۔ ''شمسی تقویم'' میں سال اور مہینوں کا حساب سورج کی چال سے لگایا جاتا ہے۔ سورج زمین کے گرد اپنا ایک چکر اوسطاً 365 دن، 5 گھنٹے، 48 منٹ اور 50 سیکنڈ میں پورا کرتا ہے، اِسی کو ایک شمسی سال قرار دیا جاتا ہے۔[2] اِس تقویم کے مطابق ہر رات بارہ بجے تاریخ تبدیل ہوتی ہے۔ جنوری، فروری وغیرہ مہینے اِسی تقویم کے مطابق ہیں۔

سالوں اور مہینوں کے حساب کا ایک طریقہ ''قمری تقویم'' بھی ہے۔ اس تقویم میں سال اور مہینوں کا حساب چاند کی چال سے لگایا جاتا ہے۔ چاند زمین کے گرد اپنا ایک چکر مکمل کرکے دوبارہ کبھی انیتس دن بعد نظر آتا ہے اور کبھی تیس دن بعد، اِسی حساب سے مہینہ بھی تبدیل ہوتا ہے۔ قمری سال اوسطاً 354 دن، 8 گھنٹے اور 49 منٹ کا ہوتا ہے اور شمسی سال سے تقریباً 11 دن چھوٹا ہوتا ہے۔[3] اِس تقویم کے مطابق ہر روز سورج غروب ہونے اور چاند کے طلوع ہونے سے تاریخ تبدیل ہوتی ہے اور محرم، صفر وغیرہ مہینے اِسی تقویم کے مطابق ہیں۔

شمسی سال یا قمری؟ ویسے تو سورج اور چاند دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں اور اُسی کے حکم سے چل رہے ہیں، مگر شریعتِ مطہرہ نے دینی احکام کی بنیاد قمری حساب پر رکھی ہے۔ حج، زکوٰۃ، روزے، خواتین کی عدت وغیرہ تمام احکام قمری تقویم کے مطابق ہی سرانجام پاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: {اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ.... } [التوبہ36:9]''بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب (لوح محفوظ یا قرآن مجید) میں بارہ مہینے ہیں جب سے اس نے آسمان اور زمین بنائے''۔ مفسرین کرام نے لکھا کہ اِن بارہ مہینوں سے قمری مہینے مراد ہیں۔ (معالم التنزیل وغیرہ)

ایک آیت میں یوں ارشاد ہے: {هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ... } [یونس5:10]''وہی ہے جس نے سورج کو روشنی دینے والا اور چاند کو نور بنایا اور چاند کے لیے منزلیں مقرر کر دیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب جان لو''۔ باری تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں بھی چاند کے ذریعے سالوں کی گنتی اور وقت وغیرہ کا حساب جاننے کا ذکر فرمایا ہے۔

یاد رہے کہ دنیوی معمولات کا شیڈول شمسی حساب کے مطابق بنانا گناہ نہیں، البتہ قمری حساب کو ترجیح دینی چاہیے۔ دینی معاملات میں قمری حساب لازم ہے، وہ شمسی حساب سے ادا نہیں کیے جاسکتے۔ اِس اعتبار سے یہ کہنا درست ہے کہ ''شرعی حساب والے سال کا آغاز جنوری سے نہیں، محرّم سے ہوتا ہے''۔

---

[2] ملخص از ''توضیح الافلاک''، از بحر العلوم مفتی سید محمد افضل حسین علیہ الرحمہ

[3] ایضاً

نئے سال کے آغاز پر دعا

نبی رحمت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں نئے سال کی آمد پر تقریبات کے انعقاد کا کوئی تصور نہیں تھا، نہ ہی ہمارے بزرگوں کے ادوار میں اس موقع پر کسی جشن کا اہتمام ہوتا تھا۔ وہ قمری حساب کے مطابق اپنے معمولات سرانجام دیتے تھے اور نیا چاند طلوع ہونے پر بارگاہِ الٰہی میں دعائیں کرتے تھے۔ سیدنا عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نیا مہینہ یا سال شروع ہوتا تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ دعا سیکھتے اور پڑھتے: «اَللّٰھُمَّ أَدْخِلْهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ، وَرِضْوَانٍ مِنَ الرَّحْمٰنِ، وَجَوَازٍ مِنَ الشَّيْطَانِ.» (المعجم الاوسط، حدیث:6241) یعنی اے اللہ! اِس مہینے اور سال کو یوں داخل فرما کہ ہمیں ظاہری طور پر بھی امن و سلامتی ہو اور باطنی طور پر بھی، ہمارا ظاہر بھی تیرا فرماں بردار ہو اور باطن بھی نورِ ایمان سے منور ہو، اِس مہینے اور سال میں ہمیں رحمان کی رضا نصیب ہو اور شیطان سے پناہ مل جائے۔ (ترجمہ ماخوذ از مرقاۃ المفاتیح ولمعات التنقیح)

اِس خوبصورت دعا سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نعمت ملنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے کیا مانگنا چاہیے؟ دعا کا ایک ایک جملہ کئی کئی اسباق پر مشتمل ہے۔

دعا میں ظاہری امن و سلامتی بھی مانگی گئی ہے اور باطنی بھی۔ ظاہری امن و سکون تو سبھی جانتے ہیں، باطنی امن یہ ہے کہ دل شیطانی آفات اور وسوسوں سے محفوظ ہو جائے۔ ہمیں یہ سکھایا گیا ہے کہ نیا چاند طلوع ہوتے ہی اللہ تعالیٰ سے سوال کرو کہ وہ شیطان سے پناہ عطا فرمائے، مگر افسوس کہ ہم نئے شمسی سال کا آغاز ہوتے ہی جشن کے نام پر ایسے کام کرتے ہیں جن کی وجہ سے شیطان کا اثر مزید مضبوط ہو جاتا ہے۔

امن و سلامتی: امن و سلامتی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس سے اس وقت تقریباً ساری اُمت محروم ہے۔ ہر طرف خوف اور دہشت ہے اور ہر جگہ خونِ مسلم ارزاں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک مسلمان اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے دنیا اُن سے ڈرتی تھی، اور جب مسلمانوں نے اپنے اعمال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چھوڑ دیا تو اب وہ ساری دنیا سے ڈرتے ہیں۔

امن کے خوف میں بدلنے کا سبب: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: {وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ.} [النحل 112:16] ”اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی جو امن و اطمینان والی تھی، ہر طرف سے اس کے پاس اس کا رزق کثرت سے آتا تھا، تو وہاں کے رہنے والے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے لگے تو اللہ نے ان کے اعمال کے بدلے میں انہیں بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا“۔

اگرچہ یہ آیتِ مبارکہ اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی، مگر اس کے الفاظ عام ہیں اور قیامت تک انسانوں کو یہ درس دیتے ہیں کہ جس خطے کے باشندے اللہ تعالی کی نافرمانی اور انکار کرکے اُس کی ناشکری کریں اُن کا امن خوف میں بدل جاتا ہے، معیشت تباہ ہو جاتی ہے اور غربت ڈیرے ڈال دیتی ہے۔ اگر ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ گزشتہ سال ہماری یہی کیفیت رہی ہے تو آنے والے سال میں ہمیں اللہ تعالی کی فرماں برداری اور شکر کرنا چاہیے تاکہ ہمیں دوبارہ امن واطمینان کی دولت نصیب ہو۔

رضائے الٰہی: اس دعائے ماثور میں امن وسلامتی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی کا بھی سوال کیا گیا ہے۔ رضائے الٰہی ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ اللہ تعالی نے جنت اور اُس کے انعامات کا ذکر کرکے فرمایا: {وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ . ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ . } [التوبۃ9:72]"اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی ہے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے"۔

کاش ہمیں دنیا کو خوش کرنے کے بجائے اللہ تعالی کو خوش کرنے کی لگن نصیب ہو جائے۔ بزرگ فرماتے ہیں: کسی بندے سے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے راضی ہوں اور اسے نیک اعمال کی توفیق ملے۔ (صراط الجنان، تحت الآیۃ) اگر نئے سال میں ہمارے اچھے اعمال میں اِضافہ ہو اور اللہ تعالی کے نیک بندوں کی سنگت نصیب ہو تو یہ نشانی ہوگی کہ اللہ تعالی نے ہماری دعا کو قبول فرماتے ہوئے اپنی رضا سے نوازا ہے۔

خود احتسابی اور آئندہ کا لائحہ عمل

نئے سال کی آمد جہاں اس پہلو سے خوشی کا مقام ہے کہ اللہ تعالی نے آخرت کی تیاری کے لیے مزید ایک موقع عطا کیا ہے وہیں اس پہلو سے افسردگی کا سبب بھی ہے کہ ہماری زندگی کا ایک سال مزید کم ہو گیا ہے۔ ہماری زندگی کے درخت سے 365 پتے مزید گر چکے ہیں۔ کسی شاعر نے خوب کہا:

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردُوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

دانشمندی یہ ہے کہ اِس موقع پر گزرے ہوئے لحات سے متعلق اپنا کا محاسبہ کرکے آئندہ بہتری کے لیے کا لائحۂ عمل تشکیل دیا جائے۔ دنیا بھر کی کمپنیاں، تنظیمیں اور اِدارے سال کے اختتام پر گزشتہ سال میں ہونے والے کاموں کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ آئندہ کے لیے بہتری کا لائحہ عمل تشکیل دیتے ہیں۔ ہم بھی اگر کسی عہدے پر فائز ہیں تو ہمیں اس کا بخوبی اندازہ ہوگا۔ کتنی حیران کُن بات ہے کہ انسان دنیاوی کاموں کے بارے میں تو ہر سال گزشتہ کا آڈٹ اور آئندہ کی منصوبہ بندی کرتا ہے، مگر اپنی آخرت کی اصل زندگی کے لیے منصوبہ بندی کے بجائے سال کے آغاز کو بے ہودہ کاموں میں صرف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالی نے خود احتسابی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: {يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ } [الحشر18:59]

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، اور ہر شخص غور کرتا رہے کہ اس نے کل (قیامت کے لیے) کیا بھیجا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے“۔

یہ حقیقت ہے کہ جو شخص اپنا محاسبہ نہیں کرتا، اپنے اعمال کا جائزہ نہیں لیتا وہ اپنی اصلاح نہیں کر سکتا۔ ترقی تبھی ممکن ہوتی ہے جب کمزوریوں کا جائزہ لے کر اُنہیں دور کرنے کے لیے کوئی پالیسی وضع کی جائے۔ ہم اپنے اخلاق و کردار کو تبھی بہتر بنا سکتے ہیں جب ہم وقتاً فوقتاً اپنا جائزہ لیں، بالخصوص نئے سال کے آغاز پر اپنی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں ایک فہرست مرتب کریں کہ گزشتہ سال ہم نے اپنی کتنی خامیاں دور کیں اور ہم میں کتنی خوبیوں کا اضافہ ہوا۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا، وَتَزَيَّنُوا لِلْعَرْضِ الْأَكْبَرِ، وَإِنَّمَا يَخِفُّ الْحِسَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهُ فِي الدُّنْيَا۔ (جامع ترمذی، حدیث:2459) ”خود اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے، بڑی پیشی کے لیے خود کو سنوارو، جو دنیا میں اپنا محاسبہ کرتا رہا اُسی کے لیے قیامت کے دن حساب دینا آسان ہو گا“۔

جو دنیا میں خود احتسابی نہیں کرتا ہو سکتا ہے کہ مرتے وقت اُس کی کیفیت وہ ہو جس کا آیت کریمہ میں ذکر ہے: { وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ٥ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ } [المنافقون63:10،11] ”اور ہمارے دیے ہوئے میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرو، قبل اس کے کہ تم میں کسی کو موت آئے پھر کہنے لگے: اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت تک کیوں مہلت نہ دی کہ میں صدقہ دیتا اور نیکوں میں ہوتا، اور جب کسی شخص کی مقررہ مدت کا وقت آ جاتا ہے تو اللہ اس کی روح (قبض کرنے) کو ہر گز مؤخر نہیں کرتا، اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے“۔

حرفِ آخر

ہر سال میں ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ہوتا ہے اور اُس کا ہر فیصلہ حکمت و عدل کے عین مطابق ہوتا ہے۔ وہ جسے جس حال میں چاہے رکھتا ہے، خوش نصیب ہے وہ شخص جو اپنے مالک کے فیصلے پر راضی رہے۔

2020ء میں اُمت مسلمہ کو بہت سی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا رہا۔ ایک طرف کرونا نے نظامِ زندگی کو مفلوج کر دیا، دوسری طرف اس سال میں بیسیوں ایسی دینی شخصیات کا وصال ہوا جن کا وجود بلاشبہ اُمت کے لیے باعثِ رحمت تھا۔ عالمی سطح پر بھی مسلمانوں کی صورتِ حال خوش کُن نہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اِس سال میں فرانس نے ریاستی سرپرستی میں توہینِ رسالت کا ارتکاب کیا اور افسوس کہ اُمت مسلمہ اِس حرکت پر سبق آموز ردِّ عمل نہ دے سکی۔

شاعرِ نظامیہ نے کہا:

یہ سال تھا کیا بھائی، اک سالِ کرونائی
نہ تجھ کو سمجھ آئی نہ مجھ کو سمجھ آئی

یہ سَن ٹی ٹونٹی تھا جو تیزی سے ہے گزرا
یوں چھکے چھڑائے ہیں دنیا نہ سنبھل پائی

فتنوں کا پیامی تھا خدشوں کی کہانی تھا
کچھ لاشوں کی گنتی نے دہشت سی تھی پھیلائی

اِبلاغ کی دنیا میں طاغوت کے ڈیرے ہیں
افواہوں کی کثرت میں گُم لگتی ہے سچائی

مسجد میں نمازی کم مکہ میں تھے حاجی کم
طیبہ کی زیارت کو جا نہ سکے شیدائی

تعلیم کی چھٹی ہے بازار میں مندی ہے
ہر سُو بے یقینی اور خطرات کی پرچھائی

افکار پریشاں ہیں افراد ہراساں ہیں
اربابِ قیادت بھی غیروں کے ہیں سودائی

اب خلقِ خدا ڈھونڈے اِک بزم حقائق کی
ورنہ ہے فقط بہتر اِک گوشۂ تنہائی

سالِ نَو کی آمد پر رب سے لَو لگا لیں ہم
ایمان و یقین سے ہو مایوسی کو پسپائی

پیغامِ رسالت میں اپنی ہے بقا ثاقبؔ
دجالی عزائم میں رسوائی ہی رسوائی

نئے شمسی سال کے آغاز سے پہلے حکومت نے ایک اور چاند چڑھاتے ہوئے مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن ہزاروی مدظلہ العالی کو چیئرمین رؤیتِ ہلال کمیٹی کے عہدے سے ہٹا دیا۔ مفتی منیب الرحمٰن ہزاروی صاحب بلاشبہ ایک ثقہ عالمِ دین ہیں اور حق بیان کرنے میں کوئی جھجک نہیں رکھتے۔ بلاشبہ حکومتی عہدہ اُن کے لیے اعزاز نہیں تھا، بلکہ اس عہدے کی عزت تھی کہ وہ اس پر متمکن تھے۔
وہ علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے اس شعر کے مصداق ہیں:

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ہم اِس حکومتی فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے اِس کی بھرپور مذمت کرتے ہیں۔

آخر میں بارگاہِ ایزدی میں التجا ہے کہ نئے چاند کے حوالے سے جو دعا ماثور ہے اللہ تعالی اُس کی برکت سے اس نئے شمسی سال کو پوری اُمت کے لیے، بالخصوص اہلِ پاکستان کے لیے امن و اسلامی کا ذریعہ بنائے اور ہمیں اس سال میں اپنی رضا عطا فرمائے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ. [ق16:50]

یعنی بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور اُس کا نفس جو وسوسہ ڈالتا ہے ہم اُسے بھی جانتے ہیں اور ہم دل کی رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

تصوف کا تعارف اور اُس کی اہمیت

آغازِ سخن: ماہِ صفر المظفر میں متعدد علمائے کرام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ایامِ وفات کی مناسبت سے اُن کے اعراس مبارکہ منائے جاتے ہیں۔ بالخصوص برصغیر کی عظیم روحانی درگاہ فیضِ عالم داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مجددالفِ ثانی شیخ احمد سرہندی، پیر پٹھان خواجہ محمد شاہ سلیمان تونسوی اور آپ کے خلیفہ شمس العارفین خواجہ محمد شمس الدین سیالوی، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی اور مقبولِ بارگاہ پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اعراس پاک بھی اسی ماہ میں منعقد ہوتے ہیں۔

اِن مواقع پر جہاں اربابِ دل اور واقفانِ حال کے لیے روحانیت کا پُر کیف سماں ہوتا ہے، وہیں بعض لوگوں کی طرف سے تصوف اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں کچھ تشویشناک رویے بھی سامنے آتے ہیں۔ ایک طرف بدمذہب قرآن و سنت کا نام لے کر مسلمانوں کو تصوف اور صوفیا سے متنفر کرنے کے لیے مختلف حیلے بہانے اختیار کرتے ہیں اور شرک وبدعت کا شور کرکے سادہ لوح مسلمانوں کو اللہ کے پیاروں کے فیضان سے محروم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری طرف کچھ لاعلم لوگ تصوف کے نام پر اپنے جاہلانہ نظریات اور رسومات پیش کرکے نہ صرف شریعت کی برکات سے محرومی کا ذریعہ بنتے ہیں، بلکہ مخالفین کو تصوف اور صوفیا پر طعن و تشنیع کا موقع بھی فراہم کرتے ہیں۔

آج کے خطبہ میں ذکر کیا جائے گا کہ حقیقی تصوف کیا ہے اور موجودہ دور میں اسے اختیار کرنا کس قدر ضروری ہے۔

تصوف کیا ہے؟

دنیا وآخرت کی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کا قرب پانے کے لیے تین چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں:

1) عقائد درست ہوں۔

2) اعمال اچھے ہوں۔

3) دل پاکیزہ ہو۔

معلمِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہمیں ان تینوں سے متعلق مکمل راہ نمائی عطا فرمائی ہے۔ آپ کے دین میں عقائد کی وضاحت بھی ہے، اعمال کی اصلاح بھی ہے اور دل کا تزکیہ بھی۔ یہ تعلیمات اس قدر وسیع ہیں کہ علمائے دین نے ہر ایک کے بارے میں قرآن و سنت کی تعلیمات کو الگ الگ علوم کی صورت میں مرتب کیا ہے۔ ایمانیات اور عقائد کی وضاحت کے لیے ایک مستقل علم تشکیل دیا گیا جس کا نام "علمِ کلام" ہے۔ احکام و معاملات کی وضاحت کے لیے بھی الگ علم مرتب کرکے اسے "علم فقہ" کا نام دیا گیا۔ اسی طرح دل کو سنوارنے کے لیے قرآن وسنت میں جو تعلیمات ارشاد فرمائی گئیں اُنہیں بھی ایک علم کی شکل دی گئی، جس کا نام "علم تصوف" ہے۔

مختصر الفاظ میں ”تصوف“ کا تعارف یہ ہوا کہ قرآن و سنت کی روشنی میں دل کو پاک اور ستھرا کرنے کے طریقوں کو ”تصوف“ کہا جاتا ہے۔ اِسی کو ”علم الاخلاق“، ”طریقت“ اور ”سلوک“ وغیرہ ناموں سے بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

علومِ اسلامیہ اور جبریل امین کے سوالات: ایک موقع پر سیدنا جبریل امین علیہ السلام ایک سائل کے روپ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے دوزانو بیٹھ کر نہایت ادب سے مختلف سوالات کیے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حاضر ہوئے تھے اور اُن کے سوالات کا مقصد یہ تھا کہ امت مسلمہ آپ ﷺ کی زبان پاک سے ملنے والے جوابات کی روشنی میں اپنی دنیا و آخرت سنوار سکے۔

انھوں نے پہلا سوال کیا: ”ایمان کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: «اَلْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَبِلِقَائِهٖ وَرُسُلِهٖ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ.» یعنی ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ، اُس کے رسولوں، اُس کے فرشتوں، اُس کی کتابوں، موت اور روزِ حشر اُٹھائے جانے پر ایمان رکھو (تمام ضروریاتِ دین کو سچے دل سے تسلیم کرو)۔

اُنھوں نے دوسرا سوال کیا: ”اسلام کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: «اَلْإِسْلَامُ: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ.» یعنی اسلام یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور کسی کو اُس کا شریک قرار نہ دو، نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو (جن چیزوں کا حکم ہے اُنھیں بجالاؤ اور جن چیزوں سے منع کیا گیا اُن سے بچتے رہو)۔

اُنھوں نے تیسرا سوال کیا: ”اِحسان کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاكَ.» یعنی احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اِس ذوق و شوق کے ساتھ کرو کہ گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اتنا یقین ضرور ہو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث:50)

سیدنا جبریل امین علیہ السلام کا پہلا سوال عقائد کی وضاحت کے لیے تھا، دوسرا سوال بدنی اعمال سے متعلق راہ نمائی کے لیے اور تیسرا قلبی تربیت سے متعلق۔ اِس تیسرے سوال کے جواب کو عملی طور پر اپنے اُوپر نافذ کرنے کا نام تصوف و طریقت ہے۔

صوفیا کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے اہلِ علم کو دین کے مختلف شعبوں کی خدمت نصیب فرمائی۔ جن علما کو ایمانیات کے شعبہ میں دین کی خدمت کا شرف عطا کیا اور انہیں عقائد کے بارے میں کتابوں کی تصنیف اور افراد تیار کرنے کا شرف بخشا اُنہیں ”متکلمین“ اور ”اصولیین“ کہا جاتا

ہے۔ اِن میں ایک بہت بڑی شخصیت کا نام شیخ ابو منصور محمد ماتریدی حنفی علیہ الرحمہ (متوفی:333ھ) ہے۔ عقائد کی تفصیل میں ہم انہی کا اتباع کرتے ہیں، اسی لیے "سُنّی ماتریدی" کہلاتے ہیں۔

جن افراد کو اللہ عزوجل نے قرآن وسنت سے شرعی احکام اخذ کرنے کا ملکہ عطا کیا اور ان سے علم فقہ کی خدمت لی انہیں "مجتہدین" اور "فقہا" کہا جاتا ہے۔ اِن میں ایک بڑی شخصیت کا نام امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت علیہ الرحمہ (متوفی:150ھ) ہے۔ فقہ میں ہم انہی کی تقلید کرتے ہیں، اسی وجہ سے "حنفی" ہیں۔

اللہ عزوجل نے جن کے دل پاک فرمائے اور انہیں دلوں کو سنوارنے کا طریقہ سکھانے اور اِس کی عملی تربیت دینے کے لیے منتخب کیا اُنہیں "صوفیا" کہا جاتا ہے۔ اِن میں ایک بڑی شخصیت کا نام داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالی علیہ ہے، ایک اور بلند پایہ نام غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالی کا ہے، اسی طرح ایک روشن نام خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ کا ہے، انہی کی نسبت سے ہم میں سے کوئی چشتی اور کوئی قادری کہلاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ وہ مقبولانِ بارگاہ جنھوں نے قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق اپنا دل بھی چمکایا اور اللہ تعالیٰ نے دین کے اسی شعبہ میں اُن سے خدمت لیتے ہوئے اُن کے ذریعے لوگوں کے دل ستھرے فرمائے اُنھیں "صوفیا" کہا جاتا ہے۔

تصوف کی تاریخ

فرقۂ باطلہ کا موقف اور اُس کی تردید: ایک طبقہ یہ تاثر پھیلاتا ہے کہ "تصوف بدعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں اس کا وجود ہی نہیں تھا۔ یہ عجمیوں کی پیدا کردہ سوچ ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ "کلام"، "فقہ" اور "تصوف" تینوں کو ہی باقاعدہ علوم کی صورت بعد میں دی گئی، بلکہ "علمِ تفسیر"، و"علم حدیث" بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ پاک میں مستقل فنون کی صورت میں موجود نہیں تھے، کیا اس بنیاد پر یہ تمام دینی علوم بدعت قرار پائیں گے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ علوم کی ترتیب اور نام اگرچہ بعد کے ہیں، مگر اِن علوم کا ذخیرہ وہی ہے جو آپ ﷺ نے عطا کیا۔ ایسے ہی "تصوف" کی ترتیب اور نام اگرچہ بعد کا ہے مگر تصوف کی تعلیمات وہی ہیں جو سرکار دوعالم ﷺ نے عطا فرمائیں۔

کسی شے کے اچھا یا بُرا ہونے کا معیار اُس کا نام نہیں، بلکہ قرآن وسنت کے ساتھ مطابقت یا مخالفت ہے۔ نام نیا ہو، مگر کام قرآن وسنت کے مطابق ہو تو وہ مقبول ہے اور قرآن وسنت کے مخالف کام کو پرانا نام دے دیا جائے تو بھی وہ ناقابل قبول ہے۔ کتاب کا نام "کشف المحجوب" ہو مگر اُس میں قرآن سنت کی ہی تعلیمات کا ذکر ہو تو وہ کتاب بے مرشدوں کے لیے مرشد کا کام دیتی ہے، لیکن نام مثلاً "تفہیم القرآن" رکھ دیا جائے مگر اُس کے مضامین صاحبِ قرآن سے دور کریں تو وہ تحریر گمراہی کا باعث بن جاتی ہے۔

تصوف کب سے ہے؟ حقیقی تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں دل کو پاک کرنا ہے۔اس وضاحت کے بعد اگر یہ سوال کیا جائے کہ تصوف کب سے ہے ؟ تو جواب ہو گا: جب سے قرآن وسنت ہیں تب سے ہی تصوف بھی ہے۔

صحابہ کرام اور تصوف: صحابہ کرام یا تابعین رضی اللہ تعالی عنہم کو کسی آیت، حدیث یا تاریخ کتاب میں ''صوفی'' نہیں کہا گیا، یہ نام نیا ہے اور عام طور پر پہلی صدی ہجری کے آخر یا دوسری صدی ہجری کی ابتدا میں استعمال ہوا ہے، مگر تصوف کے مقصد پر غور کیا جائے تو انسان بلا جھجک کہہ سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دنیا کے سب سے بڑے صوفیا تھے۔

تصوف کا مقصد دل کو پاک کرنا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دل ایسے پاکیزہ تھے کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: إِنَّ اللهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ ﷺ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ فَاصْطَفَاهُ لِنَفْسِهِ فَابْتَعَثَهُ بِرِسَالَتِهِ ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ (ﷺ) فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهِ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ فَجَعَلَهُمْ وُزَرَاءَ نَبِيِّهِ يُقَاتِلُونَ عَلَى دِينِهِ. (مسند احمد، حدیث:3600) مفہوم یہ کہ اللہ تعالی نے بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی، تو آپ ﷺ کے قلبِ مبارک کو تمام بندوں کے دلوں سے بہتر پا کر اُنھیں اپنے لیے منتخب فرمایا اور اپنا رسول بنایا۔ پھر لوگوں کے دلوں پر نظر فرمائی تو آپ ﷺ (اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام) کے بعد آپ کے صحابہ کے دل تمام بندوں کے دلوں سے بہتر پائے تو اُنھیں اپنے نبی کا وزیر بنایا، وہ اُس کے دین کی خاطر جہاد کرتے ہیں۔

سب سے زیادہ پاکیزہ دل وہی تھے تو تصوف کے حقیقی راہ نما بھی وہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ داتا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کشف المحجوب میں صوفیا کے ائمہ کا ذکر کرتے ہوئے سب سے پہلے صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ذکر فرمایا ہے، اِن میں سب سے پہلے جناب صدیق اکبر، پھر عمر فاروق، پھر عثمان غنی اور پھر مولی المسلمین رضی اللہ تعالی عنہم کا ذکر کیا۔ یوں آپ نے تصوف اور طریقت کے راستے پر چلنے کی خواہش رکھنے والوں کی راہ نمائی فرمائی کہ اگر سچے صوفی بننا چاہتے ہو تو اِن کے نقشِ قدم پر چلو۔

تیرے غلاموں کا نقشِ قدم ہے راہِ خدا　　　وہ کیا بھٹک سے جو یہ سراغ لے کے چلے

تصوف کی اہمیت

اسلامی تعلیمات کا مطالعہ رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ انسان سچا مسلمان تبھی بن سکتا ہے جب ظاہری بدن کے ساتھ ساتھ دل بھی باری تعالی اور اس کے رسول ﷺ کا فرماں بردار ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دل کی بہت قدر ہے۔ اس نے قرآن پاک میں تقریباً بارہ مقامات پر اپنی صفت عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ذکر فرمائی (وہ دلوں کی بات جاننے والا ہے)، بلکہ ایک مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ. [ق16:50] یعنی بے شک ہم

نے آدمی کو پیدا کیا اور اُس کا نفس جو وسوسہ ڈالتا ہے ہم اُسے بھی جانتے ہیں اور ہم دل کی رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں (ہم بندے کے حال کو خود اس سے زیادہ جاننے والے ہیں)۔

☆ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار دوعالم ﷺ کا اِرشاد نقل کیا: «إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ». (صحیح مسلم، حدیث: 6708) اللہ تعالی کی بارگاہ میں تمہاری صورتیں حسین یا قبیح ہونے کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی تمہارے مال کم یا زیادہ ہونے کی کوئی حیثیت ہے، وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال پر نگاہ فرماتا ہے اور رحمت و کرم سے نوازتا ہے۔ (ترجمہ ماخوذ از مرقاۃ المفاتیح)

☆ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار ﷺ سے نقل کیا: أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ. (متفق علیہ) یعنی لوگو! سنو! بے شک جسم میں ایک ٹکڑا ہے وہ سنور جائے (ایمان و معرفت سے منور ہو جائے) تو پورا جسم سنور جاتا ہے (تمام اعمال و اخلاق احوال درست ہو جاتے ہیں)، وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ (نافرمان ہو) جاتا ہے، سنو! وہ دل ہے۔

موجودہ دور میں تصوف کی ضرورت: یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں مسلمان پہلے ادوار کی بہ نسبت دین سے کہیں زیادہ دور ہوتا جا رہا ہے۔ ہم اپنے دلوں پر غور کریں تو احساس ہوگا کہ ہمارے دل ریاکاری، خود پسندی، حسد و کینہ، دنیا کی محبت، خواہش پرستی اور لالچ سے بھرے ہوئے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ دوسرے ہماری تعریفیں کریں، ہمارے دلوں میں کسی کی محبت یا نفرت دین کی وجہ سے نہیں، اُس کی دولت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ حالانکہ اِن سب باتوں کو قرآن و سنت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔[1]

---

[1] سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ثَلَاثٌ مُنْجِيَاتٌ وَثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ، فَأَمَّا الْمُنْجِيَاتُ: فَتَقْوَى اللهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالسُّخْطِ، وَالْقَصْدُ فِي الْغِنَى وَالْفَقْرِ، وَأَمَّا الْمُهْلِكَاتُ: فَهَوًى مُتَّبَعٌ، وَشُحٌّ مُطَاعٌ، وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ، وَهِيَ أَشَدُّهُنَّ" (شعب الایمان)

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ. (جامع ترمذی)

ہمارے دلوں میں نہ تقوی ہے، نہ عاجزی، نہ خشوع اور نہ ہی اخلاص، اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور اللہ تعالیٰ کے لیے ناراضی کا تصور بھی ختم ہوتا جارہاہے۔ حالانکہ اِن سب چیزوں کو قرآن وسنت میں فرض قرار دیا گیا ہے۔[2]

بیماری جس قدر بڑھتی جائے علاج بھی اُتنا ہی زیادہ ضروری ہو جاتا ہے۔ موجودہ میں دل کی بیماریاں سابقہ ادوار سے بڑھ کر ہیں، اِسی لیے تصوف کی ضرورت بھی پہلے سے زیادہ تر ہے۔

حرفِ آخر: تصوف کے بارے میں لوگ افراط و تفریط کا شکار ہیں، کچھ لوگ اِسے بدعت و شرک کہہ کر سرے سے اِس کی نفی کرتے ہیں اور کچھ لاعلم خود کو تصوف وطریقت کا علم بردار قرار دے کر شریعت کی خلاف ورزیاں کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تصوف شریعت سے بھی مقدم کوئی شے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف اور طریقت قرآن وسنت ہی کی روشنی میں دل کو سنوارنے کا نام ہے۔ نہ تو یہ دین کے خلاف ہے، نہ شریعت سے متصادم۔ امام مالک علیہ الرحمہ نے بہت خوب فرمایا: مَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ، وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ، وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ. (مرقاۃ المفاتیح) جس نے فقاہت حاصل کی مگر تصوف سے نابلد رہا وہ فاسق ہو گیا (جیسے قرآن وسنت کا نام لے کر گمراہ کرنے والے بدمذہب)، جس نے تصوف اختیار کیا اور فقہ (شریعت) کو چھوڑ دیا وہ بے دین ہو گیا (جیسا کہ موجودہ دور کے جاہل پیر) اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ حقیقت پا گیا (جیسا کہ داتا گنج بخش علی ہجویری رحمہ اللہ تعالی)۔

---

[2] سیدنا ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ مصطفیٰ جان رحمت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: «مَنْ أَحَبَّ لِلهِ وَأَبْغَضَ لِلهِ وَأَعْطَى لِلهِ وَمَنَعَ لِلهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الإِيمَانَ». (سنن ابو داود)

اِنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ لِیَصُدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَسَیُنۡفِقُوۡنَهَا ثُمَّ تَكُوۡنُ عَلَیۡهِمۡ حَسۡرَةً ثُمَّ یُغۡلَبُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰی جَهَنَّمَ یُحۡشَرُوۡنَ.[الانفال36:8]

وَالَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ.[الحشر10:59]

اُن کے ہر نام و نسبت پہ نامی درود

(اسلام اور پاکستان کے خلاف ہونے والی تازہ سازشوں کے تناظر میں)

آغازِ سخن: اسلام اور پاکستان کے خلاف اندرونی اور بیرونی دشمن ہر وقت سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ اسلام کے مخالفین پہلے دن سے چاہتے ہیں کہ یہ دین مٹ جائے اور مسلمان دنیا سے ختم ہو جائیں، مگر یہ دین بھی آج تک محفوظ ہے اور قیامت تک رہے گا اور مسلمان بھی آزمائشوں اور تکلیفوں کے باوجود بڑھتے رہے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ بڑھتے رہیں گے۔

اِسی طرح پاکستان کے قیام سے ہی اِسے ختم کرنے اور ناکام بنانے کی کوششیں شروع ہوئیں جو اب بھی جاری ہیں۔ بیرونی دشمنوں نے تو جو کیا وہ کیا ہی، اپنوں میں سے بھی اقتدار میں آنے والے ہر حکمران کا جہاں تک بس چلا اُس نے اِس ملک کو خوب لُوٹا، مگر اللہ تعالیٰ کے کرم اور سرکار ﷺ کی نظرِ عنایت سے یہ ملک اب تک قائم ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک قائم رہے گا۔

آج کے خطبہ میں اسلام اور پاکستان کے خلاف ہونے والے ایک تازہ سازش کے حوالے سے کچھ باتیں ذکر کی جائیں گی۔

اسلام اور پاکستان کے خلاف سازشیں

ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمہ نے فرمایا:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا اِمروز   چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

کفار کی تمام تر سازشوں کے باوجود وعدۂ خداوندی ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ. [الانفال 8:36] بے شک کافر اپنے مال اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں، تو اب وہ مال خرچ کریں گے پھر وہی مال اُن پر حسرت و ندامت ہو جائیں گے، پھر یہ مغلوب کر دیے جائیں گے اور کفار جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے۔ (یعنی کفار دینِ اسلام کے خلاف اپنی توانائیاں صرف کرنے کے ساتھ ساتھ انوسٹمنٹ بھی کرتے ہیں، فنڈنگ کرتے ہیں، افراد تیار کرتے ہیں، اس مقصد کے لیے شعبے اور ادارے قائم کرتے ہیں، مگر اِن تمام کوششوں سے اُنھیں صرف حسرت و ندامت ہی حاصل ہو گی، اُن کے اموال تو خرچ ہو جائیں گے، توانائیاں تو صرف ہو جائیں گی، لیکن اسلام کو سرنگوں کرنے کی جو وہ آرزو رکھتے تھے وہ پوری نہیں ہو گی۔ اگرچہ وقتی طور پر اُنھیں نظر آئے ہماری سازش کامیاب ہو گئی ہے، مگر بالآخر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اپنے دین کو بلند اور کفر کو پست کر دے گا۔ کافروں کی ذلت کا سلسلہ دنیا میں ختم نہیں ہو گا، اُنھیں قیامت کے دن بھی جہنم میں پھینک کر ذلیل و رسوا اور دائمی عذاب میں گرفتار کیا جائے گا)

یومِ ختمِ نبوت: 7 ستمبر، یومِ ختمِ نبوت بھی اِسی وعدۂ الٰہی کی یاد دلاتا ہے۔ قادیانیوں نے تاجدارِ ختمِ نبوت ﷺ کے دین کے خلاف سازشیں کیں اور اب بھی کر رہے ہیں۔ بے پناہ مال صرف کیا اور اب بھی کر رہے ہیں۔ بیرونی سرپرستی اور ملک کے کئی اہم عہدوں پر قادیانیوں کے مسلط ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے 7 ستمبر 1974ء کو پاکستان کی قانون ساز اسمبلی نے اُنھیں کافر

قرار دیا۔ چنانچہ دستورِ پاکستان کے مطابق قادیانی کافر ہیں۔ اُنھیں اِس بات کی اجازت نہیں کہ خود کو مسلمان کہلائیں یا اپنے جھوٹے مذہب کے لیے اِسلامی شعائر کے نام استعمال کریں یا اپنے مذہب کی تبلیغ وتشہیر کریں یا اپنے نام مسلمانوں کے ناموں جیسے رکھیں۔ نیز وہ ملک کے صدر یا قانون ساز اسمبلی (پارلیمنٹ) کے رکن بھی نہیں بن سکتے۔ یہ اللہ تعالی کا وعدہ پورا ہونے کی ایک صورت تھی۔

یومِ دفاعِ پاکستان: پاکستان قائم ہوا تو مخالفین نے کہا: مسلمانوں نے یہ ملک شوق سے حاصل تو کر لیا ہے، مگر اِسے چھ ماہ بھی نہیں چلا سکیں گے۔ پھر قیامِ پاکستان کے بعد سے اب تک اِس کے خلاف سازشیں جاری ہیں۔ 1965ء میں جب رات کی تاریکی میں حملہ کر کے قبضہ کے منصوبے بنائے گئے تو جذبۂ جہاد کی برکت سے باری تعالی نے غیبی اِمداد فرمائی اور دشمن کو حیران کُن ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ 6 ستمبر، یومِ دفاعِ پاکستان اس بات کی یاد دہانی کراتا ہے کہ اگر ہم ایمانی جذبات سے سرشار رہیں تو اِن شاء اللہ تعالی قیامت تک پاکستان قائم بھی رہے گا، ترقی بھی کرے گا اور دشمن کی ہر سازش ناکام بھی ہو گی۔

تازہ ترین سازشیں

ناموس رسالت پر حملہ: کفار یہ بات اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ مسلمان اپنے نبی ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت کرتے ہیں، اُن کے نام پر جان دینے کو فخر سمجھتے ہیں، اُن کی ناموس کے خلاف کسی بھی بات کو برداشت نہیں کرتے اور جب تک یہ جذبہ باقی ہے تب تک اُنھیں شکست دینا ممکن نہیں۔ چنانچہ وہ ہم سے یہ دولت چھیننا چاہتے ہیں۔ کچھ عرصہ سے منظم انداز میں عالمی سطح پر رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں توہین کا سلسلہ جاری ہے۔ حال ہی میں فرانس نے ایک بار پھر آپ ﷺ کی توہین پر مشتمل خاکوں کی اشاعت کے حوالے سے پوری اُمت کے جذبات مجروح کیے ہیں اور اُمت کی غیرت کو للکارا ہے۔

ناموسِ صحابہ پر حملہ: صحابۂ کرام اور اہلِ بیتِ عظام رضی اللہ تعالی عنہم کی محبت ہر مومن کا سرمایہ ہے اور ایمان کی نشانی ہے۔ جس شخص کو بھی اللہ تعالی نے دولتِ ایمان سے نوازا ہے وہ نہ تو صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی گستاخی کا تصور کر سکتا ہے اور نہ ہی اہل بیتِ عظام رضی اللہ تعالی عنہم کے بارے میں کوئی نازیبا بات کہنا یا سننا گوارا کر سکتا ہے۔ عشرۂ محرم الحرام میں ایک مخصوص فرقہ کے بے لگام ذاکروں نے سرِ عام سرورِ عالم ﷺ کے پہلو میں آرام فرما اُس ہستی کے بارے میں بدزبانی کی جن پر نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ اعتماد بھی کرتے تھے اور اُنھیں بے پناہ عزت سے بھی نوازتے تھے۔ ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کے سُسر محترم سیدنا ابوسفیان رضی اللہ تعالی عنہ اور رسول اللہ ﷺ کے برادرِ نسبتی سلطانِ اسلام سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں نہایت نازیبا غلیظ زبان استعمال کی گئی۔

سوادِ اعظم کے ساتھ اس فرقہ کا اختلاف شروع سے چلا آرہا ہے، مگر پاکستان کی تاریخ میں اس دلیری اور پلاننگ کے ساتھ یہ جسارت آج تک نہیں کی گئی۔ موجودہ حکومت کے دور میں پہلی بار ایسا ہوا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ پاکستان میں فرقہ واریت کو ہوا دینے کی بیرونی سازش ہے اور حکومت میں موجود کچھ اعلیٰ عہدے دار اس سازش کا شکار ہو کر اِن فسادی لوگوں کی پُشت پناہی کر رہے ہیں اور اِن بے لگام گستاخوں کو لگام دینے کے لیے کوئی مؤثر کارروائی نہیں کی جارہی۔

ہمیں اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے اسلام اور پاکستان کے خلاف ہونے والی یہ سازشیں بھی ناکام ہوں گی۔ جیسے کتا چاند کو بھونکنے کے ساتھ اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور آسمان کی طرف رخ کر کے تھوکنے والا احمق آسمان کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتا، ایسے ہی نبی کریم ﷺ اور آپ کے منظورِ نظر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ناموس پر حملہ کرنے والے بدبخت اُن کی شان تو کم نہیں کر سکتے، مگر اپنے کیفرِ کردار تک ضرور پہنچیں گے۔

صحابہ واہلِ بیت کی محبت و تعظیم

قرآن و سنت میں صحابۂ کرام اور اہلِ بیتِ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت کرنے اور اُن کی تعظیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

☆ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرورِ عالم ﷺ سے نقل کیا: لِكُلِّ شَيْءٍ أَسَاسٌ وأساسُ الإِسْلامِ حُبُّ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَحبُّ أهلِ بَيتِهِ۔ (کنزالعمال، حدیث:32523/ الدر المنثور فی التفسیر بالماثور)

☆ حضرت ابو لیلیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: «لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ، وَتَكُونَ عِتْرَتِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ عِتْرَتِهِ، وَيَكُونَ أَهْلِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهِ، وَتَكُونَ ذَاتِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مَنْ ذَاتِهِ» (شعب الایمان، حدیث:757) بندہ اُس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک مَیں اُسے اُس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، اور جب تک میرے قریبی اُسے اپنے قریبیوں سے زیادہ پیارے نہ ہو جائیں اور جب تک وہ میرے اہلِ بیت کے ساتھ اپنے اہل سے زیادہ پیار نہ کرے۔

محبت نسبت کی وجہ سے ہے: عمومی طور پر کسی سے محبت کی تین وجوہات ہوتی ہیں: 1) حسنِ صورت۔ 2) حسنِ سیرت۔ 3) احسانات۔

یعنی کسی سے محبت یا تو اِس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ حسین بہت ہے یا اِس لیے کہ اُس کا کردار بہت خوب ہے یا پھر اِس لیے کہ اُس نے محبّ پر کوئی احسان کیا ہے۔ مگر صحابہ واہلِ بیت علیہم الرضوان سے محبت اِن تینوں وجوہات کی بنا پر نہیں۔ اگرچہ وہ بے مثال حسن

والے بھی تھے، اعلیٰ ترین کردار کے حامل بھی تھے اور اسلام کی خدمت کے حوالے سے بھی اُن کے ہم پر بے پناہ احسانات ہیں، مگر اُن سے محبت ان وجوہات کی بنا پر نہیں، بلکہ کسی اور وجہ سے ہے۔

علامہ شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ کی کتاب اَلْمُعتَقَد الْمُنْتَقَد پر حاشیہ اَلْمُعْتَمَدُ الْمُسْتَنَد میں اعلیٰ حضرت امامِ اہل سنت علیہ الرحمہ نے محبتِ صحابہ واہل بیت کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا:لَيْسَ حُبُّ الصَّحَابَةِ لِذَواتِهِمْ وَلا حُبُّ أَهْلِ الْبَيْتِ لأَنْفُسِهِمْ، بَلْ حُبُّهُمْ جَمِيْعًا لِوُصْلَتِهِمْ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ۔ یعنی نہ تو صحابہ سے محبت اُن کی ذاتی حیثیت کی وجہ سے ہے اور نہ ہی اہل بیت سے پیار اُن کی شخصیت کے پیش نظر ہے، بلکہ اِن سب سے محبت صرف اِس لیے ہے کہ اِنھیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نسبت حاصل ہے۔

حدیث پاک سے تائید: یہ نظریۂ محبت خود سرکارِ دوعالم ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے۔

☆ سیدنا عبد اللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِي أَصْحَابِي! لاَتَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللّٰهَ، وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ. (جامع ترمذی، حدیث:3862)میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ میرے بعد اُنھیں نشانہ نہ بنانا؛ کیونکہ جس نے اُن سے محبت کی تو اُس نے میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کی، اور جس نے اُن سے بغض رکھا تو اُس نے میرے بغض کی وجہ سے اُن سے بغض رکھا۔ جس نے اُنھیں ستایا اُس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اُس نے اللہ تعالیٰ کو اِیذا دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اِیذا دی تو قریب ہے اللہ تعالیٰ اُس کی گرفت فرمائے۔"

☆ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ مکینِ گنبد خضرا ﷺ نے فرمایا:
أَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوكُمْ مِنْ نِعَمِهِ، وَأَحِبُّونِي بِحُبِّ اللّٰهِ، وَأَحِبُّوا أَهْلَ بَيْتِي لِحُبِّي. (جامع ترمذی، حدیث:3789) اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کیونکہ وہ تمہیں اپنی نعمتوں سے روزی عطا کرتا ہے، اور مجھ سے بھی محبت کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت فرماتا ہے اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت کرو۔

نسبت کے سبب محبت کا ثمرہ: جو لوگ محبت کی وجہ نہ سمجھ سکے وہ کہیں نہ کہیں پھسل گئے، کچھ نے معیارِ محبت شیر خدا اکرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کی ذات کو سمجھ لیا، وہ صحابہ کے پیار کی چاشنی نہ پاسکے۔ بعض بدبختوں نے سمجھا کہ معیارِ محبت صحابہ کی ذات ہے، وہ اہل بیت کی محبت کا نور نہ پاسکے۔ اہلِ سنت نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نسبت کی وجہ سے محبت کی، اِسی لیے ہمارا نظریہ یہ ہے کہ محبت صرف چار سے نہیں، صرف پانچ سے بھی نہیں، صرف بارہ سے بھی نہیں اور صرف چودہ سے بھی نہیں، بلکہ جس جس ایمان

والے خوش نصیب کو رسول اللہ ﷺ سے نسبت ہے ہم ہر اُس ہستی سے محبت کرتے ہیں اور اُن کے جوتوں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ سمجھتے ہیں۔ اعلی حضرت رحمہ اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں سلام عرض کرنے کے بعد ہر صاحب نسبت کو سلام پیش کرتے ہوئے کہا:

اصدق الصادقیں سید المتقیں
چشم و گوشِ وزارت پہ لاکھوں سلام

وہ عمر جس اَعدا پہ شیدا سقر
اُس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام

یعنی عثمان صاحبِ قمیصِ ہُدی
حلّہ پوشِ شہادت پہ لاکھوں سلام

مرتضٰی شیر حق اشجع الاشجعیں
ساقیٔ شیر و شربت پہ لاکھوں سلام

جس کا آنچل نہ دیکھا مَہ ومِہر نے
اُ س رِدائے نَزاہت پہ لاکھوں سلام

سیدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ
جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

وہ حسن مجتبٰی سید الاسخیا
راکبِ دوشِ عزت پہ لاکھوں سلام

اُس شہیدِ بلا شاہ گلگوں قبا
بیکسِ دشتِ غربت پہ لاکھوں سلام

اُن کے ہر نام ونسبت پہ نامی درود
ان کے ہر وقت و حالت پہ لاکھوں سلام

اُن کے مولی کے اُن پر کروڑوں درود
ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

المعتمد میں مزید لکھا: فَمَن أحبَّ رسولَ الله ﷺ وَجَبَ أنْ يُحِبَّهُم جَمِيْعًا ۔ وَمَنْ أبغَضَ بَعْضَهُم ثَبَتَ أنهُ لايُحِبُّ رسولَ الله ﷺ ۔ یعنی جسے رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے اُس پر لازم ہے کہ وہ آپ کی نسبت سے تمام صحابہ واہل بیت علیہم الرضوان کے ساتھ محبت کرے، کسی ایک سے بھی بغض ہوا تو ثابت ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ سے پیار نہیں ہے۔

اہل سنت کا ہے بیڑا پار اصحابِ حضور نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

تمام صحابہ واہل بیت کی تعظیم: ہمارے اکابر نے سکھایا: رسول اللہ ﷺ کے کسی بھی صحابی یا رشتہ دار (اہل بیت) کا ذکر آئے تو فرض ہے کہ ایسے الفاظ بولے جائیں جن سے تعظیم اور ادب کا پہلو نمایاں ہو، بے ادبی والے الفاظ سے اُن کا تذکرہ کرنا حرام ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ اُن کی تعریف کی ہے اور اچھے الفاظ سے یاد فرمایا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی تین قسمیں بیان فرمائیں: 1) مہاجرین۔ 2) انصار۔ 3) قیامت تک کے وہ مسلمان جو اِن کے لیے دعائیں کریں اور اِن سے کدورت نہ رکھیں۔ ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ جَاءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَاتَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ. [الحشر 10:59] اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہم سے پہلے ایمان لانے والے ہمارے بھائیوں کو بھی بخش دے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کوئی کینہ (کدورت) نہ رکھ، اے ہمارے رب بے شک تو ہی نہایت مہربان بہت رحمت والا ہے۔

جو شخص اِن سے کدورت رکھے وہ ایمان والوں کی تینوں قسموں سے خارج ہے۔

صحابہ واہل بیت پر اعتراض: بعض لوگ تاریخ کی غلط سلط باتیں پڑھ کر صحابہ یا اہل بیت پر اعتراضات شروع کر دیتے ہیں۔ قرآن وسنت کے مقابلے میں تاریخ کی کوئی حیثیت نہیں۔ اگرچہ انسانوں میں معصوم صرف انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم معصوم نہیں تھے، البتہ اللہ تعالی اپنے پیاروں کو محفوظ رکھتا ہے۔ کسی بھی شخص کو یہ اِجازت نہیں کہ وہ اُن پر اعتراض کرے یا بے ادبی کے انداز میں اُن کے کسی قول وفعل کا تذکرہ کرے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے تمام اعمال کو جانتے ہوئے اُن سے مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: { وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ } [الحدید 10:57] اور ہر ایک (صحابی) سے اللہ تعالیٰ جنت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کروگے۔

صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: تو جب اُس (اللہ) نے اُن کے تمام اعمال جان کر حکم فرمادیا کہ اُن سب سے ہم جنتِ بے عذاب و کرامت و ثواب کا وعدہ فرماچکے تو دوسرے کو کیا حق رہا کہ اُن کی کسی بات پر طعن کرے...؟ کیا طعن کرنے والا اللہ (عزوجل) سے جُدا اپنی مستقل حکومت قائم کرنا چاہتا ہے؟ (بہار شریعت، ج:1 (الف)، ص:255)

ناموس رسالت کی غیرت

بزرگوں نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی نسبتوں کی ایسی محبت سکھائی ہے تو خود ذات رسالت مآب ﷺ کا کیا عالم ہو گا! جب اُن کی نسبتوں کا اس قدر احترام ہے تو اُن احترام کتنا ہو گا۔ ناموسِ رسالت کی غیرت اللہ تعالی کی بار گاہ میں بہت مقبول ہے۔

خُراسان کے ایک بادشاہ عمرو بن لیث کی وفات کے بعد ایک شخص نے اُسے خواب میں دیکھا۔ اُس نے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ بادشاہ مرحوم نے کہا: مجھے بخش دیا ہے۔ اُس نے پوچھا: کس عمل کی وجہ سے بخشش ہوئی ہے؟ بادشاہ مرحوم نے کہا: صَعِدْتُ ذِرْوَةَ جَبَلٍ يَوْمًا فَأَشْرَفْتُ عَلٰى جُنُودِي، فَأَعْجَبَتْنِي كَثْرَتُهُمْ، فَتَمَنَّيْتُ أَنِّي حَضَرْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَعَنْتُهُ وَنَصَرْتُهُ، فَشَكَرَ اللهُ لِيْ ذٰلِكَ وَغَفَرَ لِي. (الشفاء، تعریف حقوق المصطفی) ایک مرتبہ میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا تو اپنی فوج دیکھ کر بہت خوش ہوا، میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش میں آپ ﷺ کے زمانے میں ہوتا اور یہ تمام لشکر لے کر سرکار کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کے دشمنوں کے خلاف آپ کے دین کی مدد کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے میری اس آرزو کو قبول کرتے ہوئے مجھے بخش دیا۔

ہماری ذمہ داریاں

اسلام اور پاکستان کے خلاف ہونے والی عالمی سازشوں کے تناظر میں ہمارے لیے چند باتوں کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے:

⟸ ہمیں سمجھنا چاہیے کہ پورا عالم کفر متحد ہو کر ہمارے دلوں سے آقا کریم ﷺ کی محبت نکالنا چاہتا ہے۔ دشمن جتنی کوشش ہماری دولت لوٹنے کے لیے کر رہا ہے ہم اُس سے زیادہ کوشش اپنی دولت بچانے کے لیے کریں۔ اس سلسلے میں:

- اپنے دلوں، اپنے بچوں اور دیگر متعلقین کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی محبت اور عشق کے جذبات مزید پروان چڑھائیں۔ عاشقانِ رسول ﷺ کی وارفتگی کے واقعات پڑھیں، سنیں اور دوسروں تک پہنچائیں۔ رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت کرنے والے باکردار لوگوں کی معیت اختیار کریں۔
- عملی طور پر محبت کی چاشنی پانے کے لیے کفار کی تہذیب کا بائیکاٹ کریں اور اسلامی عادات و رسوم اختیار کریں۔

○ اپنی صلاحیتیں محبتِ رسول ﷺ کو فروغ دینے کے لیے استعمال کریں۔ لکھنا جانتے ہیں تو اِس بارے میں لکھیں، بولنے کا سلیقہ ہے تو بولیں۔ اپنے اثر و رسوخ اور مال و دولت کو اس مقصد کے لیے استعمال کریں۔

⟸ ہر مسلمان خود بھی سمجھے اور دوسروں کو بھی سمجھائے کہ رسول اللہ ﷺ کی عزت پر پہرہ دینا بنیادی فرائض میں سے ہے، باقی سب دینی اُمور بھی اِس کے بعد ہیں، چہ جائیکہ کے کوئی شخص اپنے ذاتی معاملات کو ترجیح دے۔ جس شخص کو تحفظ ناموس رسالت کے حوالے سے کردار ادا کرنے کی فکر نہیں اُسے ضرور سوچنا چاہیے کہ "مجھ سے کیا غلطی ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے میں اتنا بے حس ہوں کے مجھے تمام جہانوں کے سردار ﷺ کی عزت کا تحفظ کرنے کی کوئی فکر نہیں"۔ جی ہاں! صرف کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں، بلکہ کلمہ کے ساتھ پورے دین پر عمل کر لینا بھی کافی نہیں، جب تک رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر نہ ہو۔

نماز اچھا روزہ اچھا حج اچھا زکوٰۃ اچھی ‏ ‏ ‏ مگر میں باوجود اِس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا کی عزت پر ‏ ‏ ‏ خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

اس سلسلے میں پُر امن احتجاج اور دیگر ذرائع سے اپنے ایمانی جذبات کا اظہار کرنا چاہیے۔ اندرونی اور بیرونی گستاخوں کا مکمل بائیکاٹ کرنا چاہیے اور رسول اللہ ﷺ کی عزت کا پہرہ دینے والوں کی حمایت کرنی چاہیے۔

⟸ ناموسِ صحابہ و اہل بیت کے تحفظ کے لیے بھی بھرپور کردار ادا کریں۔ آپ ﷺ کی خاطر قربانیاں دینے والوں کی وفاؤں اور اُن پر سرکار ﷺ کی نوازشات کے تذکرے پڑھنے، سننے اور سنانے چاہییں۔ جو شخص بھی صحابہ و اہل بیت علیہم الرضوان میں سے کسی کی گستاخی کرے اُس کے خلاف فوری طور پر قانونی چارہ جوئی کریں۔

﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ.﴾[آل عمران 59:3]

﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ.﴾(الانعام 6:68)

ولادتِ سیدنا عیسٰی ابن مریم علیہ السلام

(کرسمس کے تناظر میں)

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا، تجھے حمد ہے خدایا

تمہیں حاکم برایا تمہیں قاسم عطایا
تمہیں دافعِ بلایا تمہیں شافعِ خطایا، کوئی تم سا کون آیا

وہ کنواری پاک مریم وہ نَفَخْتُ فِیْهِ کا دم
ہے عجب نشانِ اعظم مگر آمنہ کا جایا، وہی سب سے افضل آیا

یہی بولے سدرہ والے چمنِ جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا، تجھے یک نے یک بنایا

آغازِ سخن: اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا و مولا ﷺ کو سب سے افضل و اعلیٰ بنایا اور سب سے زیادہ عزت و وجاہت عطا فرمائی۔

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی — سب سے بالا و والا ہمارا نبی

آپ ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ عزت و فضیلت آپ کے جد امجد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئی۔ پھر سب سے بڑا درجہ سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے، پھر سیدنا عیسیٰ اور سیدنا نوح علیہما الصلوٰۃ والسلام افضل ہیں۔[1]

عبرانی زبان میں لفظِ "عیسیٰ" کو "یسوع" پڑھا جاتا ہے، آپ کا لقب "مسیح" ہے۔ سیدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو اللہ تعالیٰ نے کئی عظیم الشان معجزات سے نوزا۔ قرآن مجید میں ہے کہ آپ مٹی کے پرندے بنا کر اُن میں پھونک مارتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاندار ہو کر اُڑنے لگتے۔ آپ کی دعا سے پیدائشی نابینا کو آنکھیں مل جاتیں۔ آپ کی دعا سے کوڑھی کے بیمار بھی شفایاب ہو جاتے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتے اور لوگوں کو بتا دیتے کہ اُنہوں نے کیا کھایا ہے اور گھروں میں کیا چھپا کر رکھا ہے۔ آپ کی ولادت بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانی ہے اور آپ کا آسمانوں پر زندہ اُٹھایا جانا بھی قدرتِ الٰہیہ کا انوکھا اِظہار ہے۔

آپ کے معجزات اور آپ کی شانِ ولادت دیکھ کر چاہیے تو یہ تھا کہ لوگ اللہ پر ایمان لاتے اور اُس کی قدرتوں کو دل و جان سے تسلیم کرتے، مگر بدبخت یہود و نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے بجائے آپ کے بارے میں اپنے پاس سے بے جا باتیں بنائیں۔ قرآن پاک نے آپ کے معجزات کے ساتھ ساتھ آپ کی پیدائش اور آسمانوں پر زندہ اُٹھائے جانے کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

---

[1] تکمیل الایمان، ص124، 125۔ بہار شریعت، حصہ اول، ص:54، ملتقطاً۔

آپ علیہ السلام کی ولادت کس تاریخ کو ہوئی؟ اس حوالے سے قرآن وسنت میں کوئی تصریح نہیں، بلکہ عیسائیوں کے پاس موجود کتابوں میں بھی تاریخِ ولادت کی کوئی تعیین نہیں۔ آپ کی ولادت کے صدیوں بعد عیسائیوں نے طے کرلیا کہ آپ کی پیدائش کے حوالے سے 25 دسمبر کو جشن منایا جائے گا، اب دنیا بھر میں عیسائی 25 دسمبر کو "کرسمس" کے نام سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا یومِ ولادت مناتے ہیں اور اس دن میں بہت ساری بے ہودہ اور کفریہ رسمیں بھی پوری کی جاتی ہیں۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ رفتہ رفتہ مسلمان بھی عیسائیوں کے اس غیر اسلامی تہوار پر اُنہیں مبارک باد دینے لگے ہیں، بلکہ بہت سے جاہل اُن کی کفریہ رسموں میں بھی شریک ہوتے ہیں۔ آج کے خطبہ میں آپ کی پیدائش سے متعلق کچھ اُمور کا ذکر ہو گا۔

والدۂ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا تعارف

اللہ تعالی نے سیدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ والسَّلام کی طرح آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم رضی اللہ تعالی عنہا کو بھی اپنی قدرت کی عظیم نشانی بنایا۔ اُنہیں اپنے دور کی تمام خواتین سے افضل کیا۔ قرآنِ مجید میں آپ کے علاوہ کسی خاتون کا نام مذکور نہیں۔

والدہ ماجدہ کی پیدائش: سیدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ والسَّلام کی والدہ ماجدہ نہایت عفیفہ اور دین دار خاتون تھیں۔ آپ علیہ السلام کے نانا جان کا نام "عمران بن ماثان" اور نانی جان کا نام "حَنَّہ" ہے۔ آپ کے نانا انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل پیرا تھے اور مذہبی پیشوا تھے۔ آپ کی نانی محترمہ کے ہاں طویل عرصہ تک بچے کی پیدائش نہ ہوئی۔ اُنہوں نے نذر مانی: ﴿رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ.﴾ [آل عمران 3:35] اے میرے رب! مَیں تیرے لیے نذر مانتی ہو کہ میرے پیٹ میں جو اولاد ہے وہ خاص تیرے لیے آزاد (وقف) ہے، تو تُو مجھ سے (یہ) قبول فرمالے، بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالی کے کرم سے حضرت حَنَّہ رضی اللہ تعالی عنہا کو بچے کی ولادت کی اُمید ہو گئی۔ بعد ازاں بچے کی ولادت سے پہلے ہی حضرت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہو گیا۔ ولادت کے بعد حضرت حنہ بہت پریشان ہوئیں، انھوں نے نذر مانی تھی کہ نومولود کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کروں گی، اللہ تعالیٰ کی شان کہ بچی کی پیدائش ہوئی اور اس دور میں بچیوں کو بیت المقدس کی خدمت پر مقرر نہیں کیا جاتا تھا۔ وہ افسوس کرتے ہوئے کہنے لگیں: "اے میرے رب میں نے تو لڑکی کو جنم دیا ہے"۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی...﴾ یعنی "اے حنہ! جو لڑکی ہم نے آپ کو دی ہے، کوئی لڑکا اس جیسا نہیں ہو سکتا" (یہ اپنے دور کی جہان بھر کی خواتین سے افضل ہو گی اور روح اللہ علیہ السلام کی والدہ بنے گی اور اللہ تعالی اِس کے ذریعے اپنی عجیب قدرت کو ظاہر فرمائے گا)۔

سیدنا مریم کے والد (حضرت عمران) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وفات کے سبب اُن کی پرورش اللہ تعالیٰ کے نبی سیدنا زکریا علیہ السلام نے اپنے ذمہ لے لی۔ آپ باقی بچوں کی بنسبت بہت تیزی سے پروان چڑھیں۔

والدہ ماجدہ کی عظمت: سیدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ والسَّلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت عفیفہ، عبادت گزار اور معزز خاتون تھیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ فرشتوں نے اُن سے کہا: ﴿یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰکِ وَطَهَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ.﴾[آل عمران 3:42] "اے مریم! بے شک اللہ نے تمھیں چن لیا ہے اور تمھیں خوب پاک کر دیا ہے اور تمھیں (اپنے دور کی) تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت عطا کر دی ہے"۔

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیت المقدس کی خدمت کرتیں اور وہیں تمام لوگوں سے الگ تھلگ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کے بے موسم کے پھل عطا کیے جاتے۔ آپ کی کرامتیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے نبی سیدنا زکریا علیہ السلام نے آپ کے کمرے میں اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا کی، جو بہت اعلیٰ شان کے ساتھ قبول ہوئی۔ (ایضا، آیت:38 تا 41)

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت

جبریل امین کی آمد اور بشارت: ایک موقع پر سیدہ مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی عبادت والی جگہ پر موجود تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا جبریل علیہ السلام کو ایک خوبصورت نوجوان کی شکل میں آپ کی طرف بھیجا۔ آپ نہایت متقی خاتون تھیں، اجنبی نوجوان کو اپنے کمرے میں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ سیدنا جبریل امین علیہ السلام نے کہا: ﴿اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا.﴾[مریم 19:19] "مجھے آپ کے رب نے بھیجا ہے؛ تاکہ مَیں آپ کو ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں"۔ دوسری آیت میں ہے: ﴿وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ o وَیُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ.﴾[آل عمران 3:45، 46] "وہ (بیٹا) دنیا و آخرت میں بڑی عزت والا ہوگا اور اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا۔ اور وہ لوگوں سے جھولے میں اور بڑی عمر میں بات کرے گا اور خاص بندوں میں سے ہوگا"۔

خوشخبری ملنے پر حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حیران ہو گئیں اور کہنے لگیں: "نہ تو میرا کسی سے نکاح ہوا ہے اور نہ ہی مَیں بدکار عورت ہوں تو پھر میرے ہاں بیٹا کیسے پیدا ہوگا؟" اُنھیں جواب ملا: ﴿كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا.﴾[مریم 19:21] ایسا ہی ہے۔ آپ کے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھے بہت آسان ہے اور تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی بنا دیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت (بنا دیں) اور یہ ایسا کام ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ دوسری آیت مبارکہ

میں ہے: ﴿كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ.﴾ [آل عمران 47:3] "اللہ یوں ہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرمالیتا ہے تو اسے صرف اتنا فرماتا ہے: "ہو جا" تو وہ کام فوراً ہو جاتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے سیدہ مریم رضی اللہ تعالی عنہا اُسی وقت حاملہ ہو گئیں۔

وقتِ ولادت: کچھ عرصہ بعد جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا وقت قریب آیا تو حضرت مریم رضی اللہ تعالی عنہا بستی سے دُور جا کر کھجور کے ایک خشک درخت کے نیچے بیٹھ گئیں۔ آپ کو بہت زیادہ پریشانی لاحق تھی کہ نہ وہاں کوئی انسان موجود ہے، نہ کھانے پینے کا کوئی انتظام ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل امین علیہ السلام کی آمد اور پھر اللہ تعالی کی قدرت سے بچے کی اُمید ہونے کا علم نہیں، وہ کیا سوچیں گے کہ بغیر شوہر کے بچہ کیسے پیدا ہوا؟ اللہ تعالی کی طرف سے اُنہیں پیغام ملا: ﴿اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ० وَ هُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا.﴾ [مریم 24،25:19] "غم نہ کرو، بے شک تیرے رب نے تیرے نیچے ایک نہر بنادی ہے۔ (جس) سوکھے تنے (کے نیچے آپ بیٹھی ہیں اس) کو اپنی طرف حرکت دیں، اس سے آپ پر عمدہ اور تازہ پکی ہوئی کھجوریں گریں گی"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ولادت کے بعد کلام: سیدہ مریم رضی اللہ تعالی عنہا لوگوں کے سوالات کے بارے میں پریشان تھیں، اُنہیں حکم ملا: "جب کوئی پوچھے گا تو آپ خاموش رہنا، بس اشارہ کر دینا کہ اصل صورت حال اِس بچے سے ہی پوچھو"۔

جب وہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اُٹھائے اپنی قوم کے پاس آئیں تو لوگوں نے کہا: "اے مریم! آپ کے والدین نہایت نیک تھے، یہ بغیر شادی کے بچہ کیسے پیدا ہو گیا؟" آپ نے اللہ تعالی کے حکم کے مطابق اِشارہ کر دیا کہ بچے سے پوچھ لو، یہ جواب دے گا۔ لوگوں نے کہا: "یہ نومولود بچہ ہمیں کیسے بتائے گا؟" سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: ﴿اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ० وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ० وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ० وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا.﴾ [مریم 30:19 تا 32] بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور اس نے مجھے مبارک (لوگوں کو نفع پہنچانے والا، خیر کی تعلیم دینے والا، اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا اور اس کی توحید اور عبادت کی دعوت دینے والا) بنایا ہے خواہ میں کہیں بھی ہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید فرمائی ہے جب تک میں زندہ رہوں۔ اور (مجھے) اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا (خدمت گزار) بنایا اور مجھے متکبر، بدنصیب نہ بنایا۔ اور مجھ پر سلامتی ہو جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن وفات پاؤں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔

بغیر باپ کے ولادت کیسے ہوئی؟

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کے بغیر پیدا ہونا اللہ تعالی کی قدرت کی بڑی نشانی ہے، مگر بے شمار لوگ اِس نشانی میں غور کر کے ایمان قبول کرنے کے بجائے مزید گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے۔ یہودیوں نے آپ کی والدہ ماجدہ کی پاکدامنی پر سوالات اُٹھانا شروع کر دیے اور عیسائیوں نے آپ کو (معاذ اللہ) اللہ تعالی کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالی نے حقیقتِ حال واضح فرمانے کے لیے نہایت واضح روشن مثال بیان کی، فرمایا: ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِندَ اللهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُن فَيَكُونُ.﴾ [آل عمران 59:3] ''بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے، جسے اللہ نے مٹی سے بنایا پھر اسے فرمایا: ''ہو جا'' تو وہ فوراً ہو گیا''۔

یعنی بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے والو! حضرت آدم کی پیدائش تو اس سے بھی غیر معمولی طریقہ سے ہوئی ہے؛ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو صرف باپ کے بغیر پیدا ہوئے، جب کہ حضرت آدم علیہ السلام باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا ہوئے۔ دونوں ہی اسباب سے ماورا محض اللہ تعالی کی قدرت سے پیدا ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کلمہ ''کُن'' سے پیدا ہونے کے باوجود ابن اللہ نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ابن اللہ کیسے ہو سکتے ہیں؟

کرسمس منانے کا حکم

اسلام میں دو اصطلاحات ہیں: ایک ''مُدَاہَنَت'' اور دوسری ''مُدَارَات''۔ مُدارات (رواداری) کا معنی ہے ''دینی مصلحت کی خاطر کسی کے ساتھ نرمی برتنا'' اور مُدَاہَنَت کا معنی ہے: ''کسی دنیاوی مفاد کی خاطر دین کے معاملے میں رعایت دینا یا مفاہمت کر لینا''۔ مدارات پسندیدہ ہے، جب کہ قرآن وسنت کی روشنی میں مداہنت بہت بڑا جرم ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے: رَأْسُ الْعَقْلِ بَعْدَ الإِيمَانِ بِاللهِ مُدَارَاةُ النَّاسِ... یعنی ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی دانائی مُدارات ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 25428) اور اللہ تعالیٰ نے مُدَاہَنَت کے بارے میں فرمایا: ﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ.﴾ (القلم 9:68) ''وہ (کفار) آرزو رکھتے ہیں کہ آپ (دین کے معاملے میں) اُن (کی رعایت کر کے بے جا) نرمی برتیں تاکہ وہ بھی نرمی برتیں''۔[2]

---

[2] مزید کے لیے ملاحظہ کیجیے: https://dunya.com.pk/index.php/author/mufti-muneeb-ul-rehman/2016-12-31/18058/index.html

Happy Christmas(کرسمس کی مبارک باد)اور کیک کاٹنے کے شرعی حکم کی وضاحت سے پہلے "مبارک باد" کے لفظ پر غور کیجئے کہ یہ برکت کی دعا ہے، اب اپنے ضمیر سے پوچھیے: کیا ضمیر کسی کافر کو برکت کی دعا دینے کی اجازت دیتا ہے؟ کیا ضمیر اجازت دیتا ہے کہ ہم کافر سے کہیں: اللہ تجھے برکت اور بھلائی دے۔ بہر حال شرعی حکم یہ ہے کہ:

- اگر کوئی مسلمان جائز طریقے سے کسی عیسائی کے سامنے سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش پر خوشی کا اِظہار کرے اور عیسائیوں کے اِس تہوار کی تعظیم ہر گز مقصود نہ ہو تو کسی حد تک جائز تھا، لیکن اس کے نتیجے میں جو صورتِ حال پیدا ہو رہی ہے اُس کی وجہ سے (سدِّ ذرائع کے تحت) علما یہ بھی ممنوع سمجھتے ہیں۔
- البتہ مدارات کے نام پر ان کی عبادت گاہوں میں جانا، یا اُن کی مذہبی رسومات میں شرکت کرنا یا اُنھیں دعا دینا بلاشبہ حرام ہے۔
- اور بعض صورتیں ایسی ہیں کہ اُن سے کفر لازم آتا ہے، مثلاً:
  - اُن کے کسی مذہبی تہوار کو اچھا اور جائز سمجھنا۔
  - یا اُن کے مذہبی تہوار کی وقعت بڑھانے کے لیے اُس میں شرکت کرنا۔
  - یا اُن کے مذہبی تہوار کے موقع پر صرف تہوار کی وجہ سے خریداری وغیرہ کرنا۔
  - یا کسی ایسی رسم کو پورا کرنا جو کفر و شرک پر مشتمل ہے، یہ تمام صورتیں کفر ہیں۔[3]

اللہ تعالی نے بے دینوں کے پاس بیٹھنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔﴾ (الانعام6:68)"اے سننے والے! جب تُو انہیں دیکھے جو ہماری آیتوں میں بے ہودہ گفتگو کرتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھ"۔ انسان اپنے ہم نشین کی عادات، اخلاق اور عقائد سے ضرور متاثر ہوتا ہے، اسی وجہ سے مسلمانوں کو دین کے مخالفوں کی صحبت سے پرہیز ضروری ہے۔ افسوس کہ لوگ کرونا کے مریض سے تو بچتے ہیں کہ کہیں مجھے نہ ہو جائے، مگر کفر کے مریضوں سے نہیں بچتے، حالانکہ کرونا اگر اللہ تعالی کے حکم سے ہو بھی جائے تو اس کے سبب زیادہ سے زیادہ جان جاتی ہے جب کہ بے دینوں کی مذہبی رسومات میں شرکت سے ایمان جانے کا خطرہ ہے۔

---

[3] مزید دیکھیے: فتاویٰ رضویہ، جلد:21، صفحہ:188۔ بہار شریعت، حصہ:16، ص:466۔ فتاویٰ تاج الشریعہ، ج:2، ص:104

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ سے نقل کرتے ہیں: مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ، وَمَنْ رَضِيَ عَمَلَ قَوْمٍ كَانَ شَرِيكًا فِي عَمَلِهِمْ ...(الفردوس بماثور الخطاب للدیلمی، حدیث:5621) جو کسی قوم کا مجمع بڑھائے وہ اُنہیں میں سے ہے، اور جو کسی قوم کے عمل کو پسند کرے وہ اُن کے عمل میں شریک ہے۔[4]

رواداری کا جھانسہ: ہمارے ہاں کفار کے تہواروں میں شرکت اور مبارک بادوں کا رواج ہوتا جارہا ہے اور جواز یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اسلام رواداری کا درس دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر رواداری کا درس دینے والا اور سماجی اقدار سکھانے والا کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے تیرہ سالہ مکی دور میں، جب کہ اسلام اور مسلمان موجودہ دور سے کہیں زیادہ کسمپرسی اور کمزوری کی حالت میں تھے، کبھی ملکی و قومی اتحاد کی خاطر کفار کے کسی تہوار میں شرکت نہیں کی، حتیٰ کہ مشرکوں نے آپ ﷺ کو ایک مشترکہ دین اور تہذیب کی پیشکش کی، موجودہ حالات کے مطابق گویا پیشکش یہ تھی: آپ کرسمس پہ کیک کاٹنے آئیں، ہم میلاد پہ کیک کاٹنے آئیں گے، آپ ہماری ہولی میں شرکت کریں ہم آپ کی عید میں شریک ہوں گے، کبھی آپ ہمارے بتوں کی پوجا کریں اور کبھی ہم آپ کے رب کی عبادت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ کافرون نازل فرمائی: ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ. ﴾(الکافرون 109:6)"تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین"۔ خلاصہ یہ کہ تمہاری اور ہماری راہیں جدا ہیں، تم حق کو قبول نہیں کرتے تو ہمیں بھی تمہارے باطل کی کسی حالت میں کوئی ضرورت نہیں۔

---

[4] آپ ﷺ جب غزوہ تبوک کے لیے تشریف لے جارہے تھے تو مقام حجر سے گزرتے ہوئے فرمایا: «لاَ تَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ، أَنْ يُصِيبَكُمْ مَا أَصَابَهُمْ، إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ. ثُمَّ قَنَّعَ رَأْسَهُ وَأَسْرَعَ السَّيْرَ حَتَّى أَجَازَ الوَادِيَ» (صحيح بخارى) (جناب شعیب علیہ السلام کو نہ ماننے والے ظالم ہوئے تو رسول اللہ کو نہ ماننے والا...)

☆ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «لَا تَعَلَّمُوا رَطَانَةَ الْأَعَاجِمِ ، وَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ فِي كَنَائِسِهِمْ يَوْمَ عِيدِهِمْ ، فَإِنَّ السَّخْطَةَ تَنْزِلُ عَلَيْهِمْ» (بيقهى، عبد الرزاق)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: " مَنْ بَنَى بِبِلَادِ الْأَعَاجِمِ وَصَنَعَ نَيْرُوزَهُمْ وَمِهْرَجَانَهُمْ وَتَشَبَّهَ بِهِمْ حَتَّى يَمُوتَ وَهُوَ كَذَلِكَ حُشِرَ مَعَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ". (سنن کبریٰ بیہقی)

قائد کا پیغام

آج کا دن قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یومِ ولادت بھی ہے۔25 دسمبر 1876ء کو آپ کی پیدائش ہوئی۔ قائد کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے آپ کی ایک تقریر کا ایک اہم اقتباس پیش خدمت ہے۔ 11 اکتوبر 1947ء کو خالق وینا ہال کراچی میں قائد اعظم نے سول اور فوجی افسروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

"پاکستان کا معرضِ وجود میں آنا بذاتِ خود منزلِ مقصود نہ تھا، بلکہ منزل کو پالینے کا ایک ذریعہ تھا۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہمیں ایک ایسی ریاست مل جائے جہاں ہم آزاد انسانوں کی طرح سانس لیں اور زندہ رہیں، جسے ہم نظریات اور اپنی ثقافت کے مطابق فروغ دیں اور جہاں اسلامی اصولوں کے مطابق معاشرتی انصاف کا بول بالا ہو"۔ (5)

کاش ہمیں وہ دن دیکھنا نصیب ہوں جب قائد کی خواہش کے مطابق اس ملک میں اسلامی اُصولوں کا نفاذ ہو۔

---

5 http://www.nawaiwaqt.com.pk/mazamine/25-Dec-2009/%D9%82%D8%A7%D8%A6%D8%AF%D8%A7%D8%B9%D8%B8%D9%85-%D8%92%D8%A7%D9%88%D8%B1-%D9%BE%D8%A7%DA%A9%D8%B3%D8%AA%D8%A7%D9%86-%D9%85%DB%8C%DA%BA-%D8%A7%D8%B3%D9%84%D8%A7%D9%85%DB%8C-%D9%86%D8%B8%D8%A7%D9%85-%E2%80%A6-%DB%B1

{يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ.}[التوبة73:9]

اے غیب کی خبریں دینے والے! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور کتنی بری پلٹنے کی جگہ ہے۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

(علامہ خادم حسین رضوی علیہ رحمۃ اللہ کی یاد میں)

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

عطارؔ ہو رومیؔ ہو رازیؔ ہو غزالیؔ ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

نومید نہ ہو ان سے اے رہبر فرزانہ
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی

آغازِ سخن: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اچھے اخلاق واعمال کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ۔ " (مسند احمد، حدیث:8952) بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ مَیں اچھے اخلاق (وافعال) کو مکمل کر دوں۔

رسول اللہ ﷺ نے جو اچھے اخلاق تعلیم فرمائے اُن میں سے ایک "دینی غیرت" ہے۔ "غیرت" کا مفہوم ہے: "انسان حساس اُمور میں حمیت وجرأت کا مظاہرہ کرے، اِسی طرح اپنے گھر والوں سے متعلق بے حیائی کی باتوں پر جذباتی ہو"۔

یہ وصف اللہ تعالیٰ کو اس قدر محبوب ہے کہ وہ بھی اپنی شان کے مطابق غیرت فرماتا ہے، بلکہ سب سے زیادہ غیرت وہی فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ غیرت مند شخصیت رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی غیرت

اللّٰہ تعالیٰ کی غیرت: کوئی بھی ایسا وصف جو اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہو اور بندوں میں بھی پایا جائے، بندوں کے حق میں اُس کا معنیٰ وہ ہوتا ہے جو بندوں کے لائق ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں وہ معنیٰ ہوتا ہے جو اُس کے شایانِ شان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ بندہ صرف اُسی کی اِطاعت کرے، نیز اُس کے حکم کے مطابق اُس کا پیغام پہنچانے والوں کا اتباع کرے۔ جب بندہ شیطان کا اتباع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے برعکس بے حیائی کا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق ''غیرت'' فرماتا ہے اور بندے کی اِس بات کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا أَحَدَ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ، وَلِذٰلِكَ حَرَّمَ الفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، وَلَا شَيْءَ أَحَبُّ إِلَيْهِ المَدْحُ مِنَ اللهِ، وَلِذٰلِكَ مَدَحَ نَفْسَهُ.» (صحیح بخاری، حدیث: 4634) اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت فرمانے والا کوئی نہیں، اِسی لیے اُس نے ظاہری و باطنی بے حیائیوں کو حرام فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کو اپنی تعریف پسند نہیں (کیونکہ صرف وہی ہے جو ذاتی طور پر حمد کا مستحق ہے)، اِسی لیے اُس نے خود بھی اپنی مدح فرمائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی غیرت: ایک موقع پر سیدنا سعد بن عُبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی: ''اگر میں کسی شخص کو اپنی بیوی کے پاس دیکھوں تو تلوار سے اُس کا سر اُتار دوں گا''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَتَعْجَبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ، لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ، وَاللهُ أَغْيَرُ مِنِّي.» (صحیح بخاری، حدیث: 6846) کیا تمھیں سعد کی غیرت پر تعجب ہو رہا ہے؟ ضرور مَیں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ (اپنی شان کے مطابق) مجھ سے بھی زیادہ غیرت فرمانے والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی غیرت کی ایک جھلک اُس موقع پر بھی سامنے آئی جب آپ نے کچھ لوگوں کو دین کے بنیادی اُصول کے بارے میں بحث کرتے دیکھا۔ راوی فرماتے ہیں: فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّ وَجْهُهُ، حَتّٰى كَأَنَّمَا فُقِئَ فِيْ وَجْنَتَيْهِ الرُّمَّانُ... (جامع ترمذی، حدیث: 2133) (دینی اُمور میں بے جا بحث پر) غصے سے آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس یوں سرخ ہو گیا جیسے رخساروں پر انار نچوڑا گیا ہو۔

مومن کی غیرت

اللہ عزوجل بندوں سے محبت بھی فرماتا ہے اور جبار و قہار ہونا بھی اُس کی صفات سے ہے۔ اپنی فرماں برداری پر اتنی رحمت کہ جس کی انتہا نہیں، اور نافرمانوں پر اس قدر غضب و غیرت کہ اس کی بھی انتہا نہیں۔ اللہ عزوجل پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندوں میں بھی اُس کی پسندیدہ صفات پائی جائیں، اپنی ذات اور دنیا کا معاملہ ہو تو بندہ نرمی اور معافی اختیار کرے اور دینی غیرت کی بات ہو تو شدت و حمیت اور جرأت واستقامت سے کام لے، دین کے معاملے میں سُستی اور مداہنت نہ کرے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں: «الْمُؤْمِنُ يَغَارُ وَاللّٰهُ أَشَدُّ غَيْرًا» (صحیح مسلم، حدیث: 7175) مومن غیرت مند ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر غیرت فرمانے والا ہے۔ اقبال علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رَزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

جباری و قہاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

غیرتِ دینی سے متعلق بے مثال شانِ فاروقی: دین کی خاطر استقامت، پختہ رائے، جرأت وغیرت اور دلیری سے متعلق جناب عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کو پوری امت میں امتیازی شان حاصل ہے، لُطف یہ کہ اُن کی اِس خوبی کا ذکر خود رحمتِ عالم ﷺ نے تعریف کے انداز میں فرمایا ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روای ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُو بَكْرٍ ، وَأَشَدُّهُمْ فِي دِينِ اللهِ عُمَرُ ، وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ ، وَأَقْضَاهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ، وَأَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ ، وَأَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ ، وَأَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينًا ، وَأَمِينُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ. (جامع ترمذی، حدیث:3790، سنن ابن ماجہ، حدیث:154 واللفظ لہ) یعنی میرا ابو بکر میری پوری اُمت میں اُمت کے لیے سب سے زیادہ رحمت (وشفقت) والا ہے، عمر فاروق میری اُمت میں دین کی خاطر سب زیادہ قوت (وجرأت) والا ہے، پیارے عثمان کی شانِ حیا سب سے بے مثال ہے، حیدر کرار اُمت کا سب سے بڑا قاضی ہے، ابی بن کعب سب سے بڑا قاری ہے، معاذ بن جبل حلال وحرام کا سب سے بڑا عالم ہے، زید بن ثابت کو وراثت کے علم میں نرالی شان حاصل ہے، سنو! ہر اُمت میں ایک امین (اعلی شان والا دیانت دار) ہوتا ہے، اِس اُمت کا امین ابوعبیدہ بن جراح ہے۔ رضی اللہ تعالی عنہم۔

قلبِ فاروقی کی کیفیت: سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دل کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وَاللهِ لَقَدْ لَانَ قَلْبِي فِي اللهِ حَتَّى لَهُوَ أَلْيَنُ مِنَ الزُّبْدِ، وَلَقَدِ اشْتَدَّ قَلْبِي فِي اللهِ حَتَّى لَهُوَ أَشَدُّ مِنَ الْحَجَرِ" (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء لابی نعیم) قسم بخدا! یقیناً اللہ کی خاطر میرا دل اس قدر نرم ہوا کہ وہ جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہوگیا، اور یقیناً اللہ کی خاطر میرے دل میں ایسی شدت آئی کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوگیا (یعنی نرمی بھی اللہ تعالی کی رضا کے لیے اور سختی بھی اللہ تعالی کی رضا کے لیے)۔

اسلام قبول کرتے ہی قوتِ دینی کا اظہار: رسول اللہ ﷺ نے جب اعلانِ نبوت فرمایا تو ابتدائی طور پر اللہ تعالی کی طرف سے جہاد اور کفار کو ترکی بترکی جواب دینے کا حکم نہیں تھا، اِس لیے آپ ﷺ سرعام اللہ تعالی کی عبادت کرنے کے بجائے غاروں اور گھر میں ہی عبادت کے اندر مشغول رہتے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کو اللہ تعالی نے دین کے مسئلہ میں ایسی جرأت وقوت سے نوازا تھا کہ اِسلام لاتے ہی عرض کرنے لگے: أُبْرُزْ! أَتُعْبَدُ اللَّاتُ جَهْرًا وَنَعْبُدُ اللهَ سِرًّا؟ یارسول اللہ! جب جھوٹے خداؤں کی عبادت سرعام ہورہی ہے تو ہم سچے رب کی عبادت چھپ کر کیوں کریں؟ آپ حرم میں تشریف لائیں اور سب کے سامنے اللہ تعالی کی عبادت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (ابھی اللہ تعالی کی طرف سے اِس کا حکم نہیں) جب مسلمانوں کی خاطر خواہ تعداد ہوجائے گی تو اللہ کے حکم سے ایسا ہی ہوگا۔ وہ عرض کرنے لگے: حَسْبُكَ اللهُ وَأَنَا. آپ تشریف لائیے، اللہ تعالی اور مَیں آپ کے لیے کافی

ہیں۔(ویسے تو اللہ تعالیٰ "مَیں" (انانیت) کو سخت ناپسند فرماتا ہے، مگر جناب عمر کی یہ "مَیں" بھی اللہ کے دین کے لیے تھی، چنانچہ) باری تعالیٰ نے اِسے اتنا پسند فرمایا کہ تائید میں آیت مبارکہ نازل فرمائی اور حرم میں نماز کی اِجازت دی: يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. [الانفال8:64] اے غیب کی خبریں دینے والے! اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے اور آپ کی پیروی کرنے والے مسلمان (اللہ کی توفیق سے) کافی ہیں۔ (مفاتیح الغیب، المعروف تفسیر کبیر)

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرماتے ہیں: ہم دو صفوں کی صورت میں حرم شریف کی طرف روانہ ہوئے، ایک صف میں سید الشہدا جناب امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، دوسری صف میں مَیں تھا۔ جب ہم مسجد میں داخل ہوئے تو قریش مجھے اور جناب امیر حمزہ کو دیکھ کر نہایت پریشان ہوئے۔ "فَسَمَّانِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَئِذٍ الْفَارُوقَ، وَفَرَّقَ اللّٰهُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ " رسول اللہ ﷺ نے اُسی دن مجھے "فاروق" کے لقب سے نوازا اور اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان فرق واضح کر دیا۔ (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء)

غیرتِ فاروقی بزبانِ نبوی: سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: (مفہوم) مَیں نے خواب میں جنت کا نظارہ کیا، وہاں ایک محل دیکھا۔ مَیں نے پوچھا: "یہ محل کس کا ہے؟" بتایا گیا کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: فَأَرَدْتُ أَنْ أَدْخُلَهُ فَأَنْظُرَ إِلَيْهِ، فَذَكَرْتُ غَيْرَتَكَ. "مَیں نے چاہا کہ اندر داخل ہو کر نظارہ کروں، مگر اے عمر! مجھے تیری غیرت یاد آگئی (جس کی وجہ سے مَیں اندر نہیں گیا)"۔ راوی کہتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے، اور کہا: بِأَبِيْ وَأُمِّيْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَعَلَيْكَ أَغَارُ. (صحیح بخاری، حدیث: 3679) یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا آپ کے تشریف لے جانے سے مجھے غیرت ہوتی؟ (ہرگز نہیں، یہ سب انعامات آپ کے قدموں کی برکت سے ہی ہیں)۔

دینی غیرت اور مولانا خادم حسین رضوی

گزشتہ سطور میں مذکور ہوا کہ دین کی خاطر غیرت کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب ﷺ پسند فرماتے ہیں۔ گزشتہ عرصے میں جن شخصیات نے اُمت مسلمہ کی دینی غیرت کو بیدار کیا ہے اُن میں سرِ فہرست نام امیر المجاہدین شیخ الحدیث مولانا حافظ خادم حسین رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لہجے میں بھی ایسی غیرت رکھی تھی کہ دنیا بھر کے عاشقانِ رسول، حتیٰ کہ جو لوگ پنجابی یا اُردو نہیں سمجھتے، وہ بھی اُن کی گفتگو سُن کر جھوم اُٹھتے۔

سوانحی خاکہ: شیخ الحدیث مولانا حافظ خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ 3 ربیع الاول، 1386ھ / 22 جون، 1966ء کو "نکہ توت" ضلع اٹک میں حاجی لعل خان صاحب علیہ الرحمہ کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم آبائی گاؤں کے سکول میں حاصل کی، بعد ازاں جہلم میں قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد دینی علوم کی عظیم درس گاہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں داخل ہوئے۔ اس جامعہ سے دینی علوم کی تکمیل کے بعد ۱۴۰۸ھ / 1988ء میں اکابر کے ہاتھوں دستار فضیلت حاصل کی۔

فراغت کے دو سال بعد سے 2015ء تک اپنے مادرِ علمی جامعہ نظامیہ رضویہ میں ہی دینی علوم کی تدریس فرماتے رہے اور شیخ الحدیث کے منصبِ جلیل پر بھی فائز رہے۔ اس دوران 2007ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ کے فضلا کی تنظیم "مجلس علماءِ نظامیہ پاکستان" کے مرکزی صدر بھی منتخب ہوئے۔

علامہ خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ شروع سے ہی اپنے خطابات، تدریس اور تحریر میں محبتِ رسول اور تحفظِ ناموسِ رسالت کا درس دیتے۔ یہ اُن کی تربیت کا اثر ہے کہ اُن کے شاگرد، مقتدی اور اُن کے ساتھ نشست و برخاست رکھنے والے بھی دینی اُمور، بالخصوص ناموسِ رسالت کے حوالے سے غیرت مند نظر آتے ہیں۔

اُن کی شہرت اُس وقت عروج پر پہنچی جب 2011ء میں شہیدِ ناموسِ رسالت ملک ممتاز حسین قادری رحمہ اللہ تعالی نے اُس وقت کے گورنر سلمان تاثیر کو ایک گستاخ عورت کی حمایت اور قانونِ تحفظِ ناموسِ رسالت پر تنقید کرنے کی وجہ سے قتل کر دیا۔ اس وقت غازی ممتاز حسین قادری شہید علیہ الرحمہ کی اس کاوش کو خراجِ تحسین پیش کرنے اور اُمت مسلمہ میں تحفظِ ناموسِ رسالت کے حوالے سے بیداری مہم چلانے میں علامہ خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ پیش پیش رہے۔

2016ء میں ممتاز حسین قادری علیہ الرحمہ کے عدالتی قتل کے بعد بھی علامہ خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ نے اُمت میں غیرتِ دینی بیدار کرنے کی مہم کو جاری رکھا اور نفاذِ نظامِ مصطفیٰ اور تحفظِ مقامِ مصطفیٰ کے لیے "تحریک لبیک پاکستان" کے نام سے ایک سیاسی جماعت قائم کی اور تادمِ آخر اس کے امیر رہے۔

محبت وتعظیمِ رسول: علامہ خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ کی شخصیت میں یہ وصف بہت نمایاں تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ سے غیر مشروط اور بے پناہ محبت کرتے اور دوسروں کو بھی اِسی کا درس دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ تدریس کے دوران کسی بھی فن کی کتاب ہوتی، کوئی بھی کلاس پڑھنے کے لیے موجود ہوتی اور کوئی بھی مسئلہ زیر بحث ہوتا، وہ بہر صورت محبت رسول اور تعظیم رسول کا کوئی نہ کوئی پہلو تلاش کر لیتے۔

اُن سے درسِ حدیث لینے والے جانتے ہیں کہ ایکسیڈنٹ سے پہلے اُنھوں نے کبھی بھی چار زانو درسِ حدیث نہیں دیا، حدیث پاک کے ادب کے پیش نظر ہمیشہ دوزانو، یا حفاظ کی طرح بیٹھ کر درسِ حدیث دیتے۔ دورانِ تدریس کئی بار آبدیدہ ہو جاتے۔

غیرتِ دینی: اُمت میں سب سے زیادہ دینی غیرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کو نصیب ہوئی۔ اُن کے قدموں کی برکت سے اللہ تعالی نے علامہ خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ کو اِس وصف میں کمال عطا کیا تھا۔ وہ یہ شعر کثرت سے پڑھا کرتے تھے:

نہ سر جھکا کے جیے نہ منہ چھپا کے جیے
ستم گر کی نظروں میں نظریں ملا کے جیے

ہم ایک دن کم جیے تو حیرت کیا
ہم اُن کے ساتھ تھے جو مشعلیں جلا کیے جیے

کروں تیرے نام پہ جاں فدا: شیخ الحدیث مولانا خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں بڑھاپے اور معذوری کے باوجود جس طرح تحفظِ ناموسِ رسالت کے لیے خدمات سر انجام دیں، اُن کے کردار سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کے ارشاد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

حُدیبیہ کے مقام پر عروہ نے مسلمانوں کی ظاہری حالت دیکھ کر کہا تھا: اے محمد ﷺ آپ اِن کمزور حال مسلمانوں پر اعتماد نہ کیجیے، یہ مشکل حالات میں آپ کو چھوڑ جائیں گے۔ اُس کا یہ جملہ سن کر پیکر صدق ووفا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت غصے اور جلال کی کیفیت میں سخت الفاظ سے مخاطب کر کے استفہام انکاری کے طور فرمایا: أَنَحْنُ نَفِرُّ عَنْهُ وَنَدَعُهُ؟ (صحیح بخاری، حدیث:2731) کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم آپ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے (جب ہمارے ساتھ واسطہ پڑے گا تو دیکھو گے کہ ہم اُن کے قدموں پر کیسے جانیں نچھاور کرتے ہیں)!!!

گزشتہ رات جب شیخ الحدیث علامہ خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ کے وصال کی خبر پہنچی تو پوری دنیا کے عشاقانِ رسول کی آنکھیں نم تھیں۔ ایسے لگتا ہے کہ اُنھیں کے بارے میں شاعر نے کہا تھا:

اہلِ چمن مجھ کو بہت یاد کریں گے
ہر شاخ پہ اُنگلیوں کے نشاں چھوڑ آیا ہوں

یقیناً وہ سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ان اشعار کے مصداق تھے:

اُنھیں جانا اُنھیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد مَیں دنیا سے مسلمان گیا

نکیرین کرتے ہیں تعظیم میری
فدا ہو کے تجھ پر یہ عزت ملی ہے

قضا حق ہے مگر اس شوق کا اللہ والی ہے
جو اُن کی راہ میں جائے وہ جان اللہ والی ہے

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَةٌo ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ o وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ o تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ o اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكَفَرَةُ الۡفَجَرَةُ o[عبس 80:38-42]اُس (قیامت کے) دن کئی چہرے (نورِ ایمان سے) چمک رہے ہوں گے۔ ہنستے اور (اللہ تعالی کے احسانات پر) خوشیاں مناتے۔ اور کئی چہرے اُس دن غبار آلود ہوں گے۔ اُن پر سیاہی چھائی ہو گی۔ یہ وہی کافر بدکار ہوں گے۔

دے تبسم کی خیرات ماحول کو

ہم کو درکار ہے روشنی یا نبی

دے تبسم کی خیرات ماحول کو، ہم کو درکار ہے روشنی یانبی
ایک شیریں جھلک ایک نوری ڈلک، تلخ و تاریک ہے زندگی یانبی

اے نویدِ مسیحا! تری قوم کا حال عیسیٰ کی بھیڑوں سے ابتر ہوا
اِس کے کمزور اور بے ہُنر ہاتھ سے چھین لی چرخ نے برتری یانبی

کام ہم نے رکھا صرف اذکار سے، تیری تعلیم اپنائی اغیار نے
حشر میں منہ دِکھائیں گے کیسے تجھے، ہم سے ناکردہ کار امّتی یانبی

دشمنِ جاں ہوا میرا اپنا لہو، میرے اندر عدوّ، میرے باہر عدوّ
ماجرائے تحیر ہے پُرسیدنی، صورتِ حال ہے دیدنی یانبی

روح ویران ہے آنکھ حیران ہے، ایک بحران تھا ایک بحران ہے
گلشنوں شہروں قریوں پہ ہے پُرفشاں ایک گھمبیر افسردگی یانبی

سچ مِرے دَور میں جرم ہے عیب ہے، جھوٹ فنِّ عظیم آج لاریب ہے
ایک اِعزاز ہے جہل وبے رہ روی، ایک آزار ہے آگہی یانبی

راز داں اِس جہاں میں بناؤں کسے؟ روح کے زخم جاکر دِکھاؤں کسے
غیر کے سامنے کیوں تماشا بنوں؟ کیوں کروں دوستوں کودُکھی یانبی

زیست کے تپتے صحرا پہ شاہِ عرب! تیرے اِکرام کا ابر برسے گا کب؟
کب ہری ہوگی شاخِ تمنا مری، کب مٹے گی مری تشنگی یانبی

یانبی! اب تو آشوب حالات نے تیری یادوں کے چہرے بھی دُھندلا دیے
دیکھ لے تیرے تائب کی نغمہ گری، بنتی جاتی ہے نوحہ گری یانبی

آغازِسخن: اللہ عزوجل نے انسانوں کو مختلف خوبیوں، اوصاف اور کمالات سے نوازا ہے۔کچھ اوصاف ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ انسان کی کوشش کی برکت سے عطا کردیتا ہے اور بے شمار ایسے ہیں جن میں کوشش کا کوئی دخل نہیں وہ محض اللہ کی عطاہیں يُؤْتِيهِ مَن يَّشَآءُ .

ہمارے آقا و مولا ﷺ کا یہ وصفِ امتیاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کو جو خوبیاں عطا کیں یا کرے گا اُس نے وہ سب کی سب پورے کمال کے ساتھ ہمارے آقا و مولا ﷺ میں جمع فرمادیں۔ مولانا جامی علیہ الرحمہ نے کیاخوب کہا:

حُسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کو یہ کمال بھی عطا کیا ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا ہر پہلو تعلیم وتربیت پر مشتمل ہے۔ آپ ﷺ کی گفتگو بھی تعلیم اور خاموشی بھی تعلیم، اُٹھنا بیٹھنا بھی تعلیم اور سونا جاگنا بھی تعلیم، حتی کہ آپ کی چشمانِ مبارکہ سے آنسو جاری ہونا بھی تعلیم اور آپ کے لبہائے مبارکہ پر مسکراہٹ آنا بھی تعلیم۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ ﷺ تبسم اور مزاح میں بھی وہ کچھ سکھاتے ہیں جو بڑے بڑے دانشور سنجیدگی میں بھی نہیں سمجھا سکتے۔

آج کے خطبہ میں چند ایسے مواقع کا ذکر ہو گا جن میں آپ ﷺ نے تبسم اور ضحک کے ذریعے تعلیم وتربیت فرمائی۔

تبسم، ضحک اور قہقہہ

"تبسم" یعنی مسکراہٹ کا مطلب ہے کہ چہرے پر صرف خوشی کے آثار ظاہر ہوں یا اس کے ساتھ سامنے والے دانت نظر آئیں، مگر آواز نہ نکلے۔ "ضحک" یعنی ہنسنے کا مطلب ہے کہ سامنے والے دانت نظر آنے کے ساتھ ساتھ معمولی آواز بھی نکلے۔ جب کہ "قہقہہ" (Giggle) کا مطلب ہے بلند آواز سے ہنسنا۔ (ملخص از فتح الباری وعمدۃ القاری وارشاد الساری[1])

تبسم: تبسم پسندیدہ ہے۔ رحمتِ عالم ﷺ بکثرت تبسم فرماتے تھے۔ سیدنا عبد اللہ بن حارث رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ. (جامع ترمذی، حدیث: 3641) مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ تبسم کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔[2]

ضحک: کبھی کبھی ضحک میں حرج نہیں، جائز ہے۔ سرکار ﷺ بھی کبھی کبھی ہی ضحک فرماتے تھے۔ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: كَانَ طَوِيْلَ الصَّمْتِ قَلِيْلَ الضَّحِكِ، وَكَانَ أَصْحَابُهُ يَذْكُرُونَ عِنْدَهُ الشِّعْرَ وَأَشْيَاءَ مِنْ أُمُورِهِمْ، فَيَضْحَكُونَ وَرُبَّمَا تَبَسَّمَ. (مسند احمد، حدیث: 20810) یعنی نبی اکرم ﷺ زیادہ تر خاموش رہتے، کبھی کبھی ضحک فرماتے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ کے پاس (بامقصد اور اچھے) اشعار پڑھتے اور اپنے اُمور کا تذکرہ کر کے ہنستے، جب کہ آپ ﷺ کبھی تبسم فرمادیتے۔

---

[1] (التبسم) وهو ظهور الأسنان بلا صوت (والضحك) وهو ظهورها مع صوت لا يسمع من بعد، فإن سمع من بعد فقهقهة۔ (ارشاد الساری)

نوٹ: بعض اوقات نصوص وروایات میں تبسم کے لیے "ضحک" کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

[2] سیدنا جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: مَا حَجَبَنِي النَّبِيُّ ﷺ مُنْذُ أَسْلَمْتُ وَلَا رَآنِي إِلَّا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِي، وَلَقَدْ شَكَوْتُ إِلَيْهِ أَنِّي لَا أَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ فَضَرَبَ بِيَدِهِ فِي صَدْرِي وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا. (متفق علیه) قال: فَمَا وَقَعْتُ عَنْ فَرَسٍ بَعْدُ. (صحیح بخاری)

قہقہہ: قہقہہ ناپسندیدہ ہے۔ سرکار ﷺ نے کبھی قہقہہ نہیں لگایا۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: مَارَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مُسْتَجْمِعًا قَطُّ ضَاحِكًا حَتّٰى أَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ، إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ. (متفق علیہ) یعنی مَیں نے کبھی بھی آپ ﷺ کو اس طرح ہنستے نہیں دیکھا کہ منہ کھولنے کی وجہ سے گلے (تالو) مبارک کا گوشت نظر آتا، آپ ﷺ (اکثر طور پر) صرف تبسم ہی فرماتے تھے۔

کثرتِ تبسّم اور قلّتِ ضحک کی حکمت: تبسم سے مخاطب کو خوشی ہوتی ہے اور مسلمان کو جائز طریقے سے خوش کرنا بھی نیکی ہے، اسی لیے سرکار ﷺ بکثرت تبسم فرماتے تھے۔ جب کہ قہقہہ موت اور آخرت کے حالات سے غافل ہونے کی علامت ہے، یہ ناپسند ہے اور آپ ﷺ نے کبھی قہقہہ نہیں لگایا۔ ضحک دونوں کے درمیان ہے، اسی لیے کبھی کبھی ہو تو جائز ہے۔

نبوی تبسم کی بہاریں

مسکراہٹ کی قدر: آپ ﷺ کا کسی کو مُسکرا کر دیکھنا عام لوگوں کی مسکراہٹ کی طرح نہیں ہے۔ اُن کی مسکراہٹ سے حاصل ہونے والی خوشی ایسی بے مثال ہوتی ہے جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں کسی وجہ سے نہایت پریشان تھے، کہتے ہیں: فَوَقَعَ عَلَيَّ مِنَ الْهَمِّ مَا لَمْ يَقَعْ عَلٰى أَحَدٍ۔ ''مَیں اِس قدر پریشان تھا کہ شاید کوئی بھی اتنا پریشان نہ ہوا ہوگا''۔ کہتے ہیں: قَدْ خَفَقْتُ بِرَأْسِي مِنَ الْهَمِّ، إِذْ أَتَانِي رَسُولُ اللهِ ﷺ فَعَرَكَ أُذُنِي وَضَحِكَ فِي وَجْهِي۔ یعنی غم کے سبب مَیں سر جھکائے چل رہا تھا کہ اچانک آقا کریم ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے پیار سے میرا کان مروڑا اور میری طرف ہنس کر دیکھا۔ سیدنا زید کہتے ہیں: فَمَا كَانَ يَسُرُّنِي أَنَّ لِي بِهَا الْخُلْدَ فِي الدُّنْيَا۔ یعنی اگر مجھے دنیا میں ہمیشگی مل جاتی تو بھی اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی سرکار ﷺ کے تبسم وضحک فرمانے سے ہوئی۔ (جامع ترمذی، حدیث:3313)

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اُس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

دیواریں چمک اُٹھتیں: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے آپ ﷺ کے اوصاف سے متعلق پوچھا۔ اُنھوں نے متعدد اوصاف بیان کیے، جن میں سے ایک یہ تھا: وَإِذَا ضَحِكَ كَادَ يَتَلَأْلَأُ فِي الْجُدُرِ، لَمْ أَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ. (مصنف عبد الرزاق، حدیث:20490) یعنی جب آپ ﷺ ضحک و تبسم فرماتے تو دہن مبارک سے نکلنے والے نور کی بدولت دیواریں چمکتی معلوم ہوتیں۔ مَیں نے نہ تو آپ سے پہلے آپ جیسا دیکھا، نہ آپ کے بعد کوئی آپ جیسا پایا۔

مختلف مواقع پر تبسم وضحک

تبسم اور ضحک کی مختلف وجوہات ہوتی ہیں: کبھی تعجب کی وجہ سے، کبھی مذاق اُڑانے کے لیے، کبھی بے نیازی کے سبب، کبھی اقرار اور رضامندی کے اظہار کے لیے اور کبھی اِظہارِ ناراضی کے لیے۔[3] چنانچہ آپ ﷺ کا تبسم اور ضحک بھی مختلف مواقع پر مختلف اسباب کی وجہ سے ہوتا تھا۔ درج ذیل میں چند خوبصورت مواقع کا ذکر ہے:

شیطان کی تذلیل پر: سیدنا اُمیّہ بن مَخشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر کھانا کھا رہا تھا، اُس نے کھانے کے شروع میں بسم اللہ شریف نہیں پڑھی تھی۔ جب صرف ایک لقمہ باقی تھا تو اُس نے منہ میں ڈالنے سے پہلے کہا: بِسْمِ اللهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ. رسول اللہ ﷺ نے ضحک کیا اور فرمایا: «مَا زَالَ الشَّيْطَانُ يَأْكُلُ مَعَهُ، فَلَمَّا ذَكَرَ اسْمَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ اسْتَقَاءَ مَا فِي بَطْنِهِ». (سنن ابوداود، حدیث: 3770) یعنی بسم اللہ شریف نہ پڑھنے کی وجہ سے شیطان اِس کے ساتھ کھانے میں شریک تھا اور بے برکتی ہو رہی تھی، جب اِس نے آخر میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو جو کچھ شیطان نے کھایا تھا اُسے قے کر دیا اور پہلے والی برکت بھی اللہ تعالیٰ نے لوٹا دی۔

توجہ طلب امور: اِس موقع پر سرکار ﷺ نے ضحک فرما کر متعدد چیزیں تعلیم فرمائی ہیں:

1) کھانے سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا سنت وباعثِ برکت ہے اور اِس کی عادت ڈالنی چاہیے، ورنہ شیطان شریک ہو جاتا ہے اور بے برکتی ہوتی ہے۔
2) اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا یاد نہ رہے تو یاد آنے پر بِسْمِ اللهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ پڑھ لینا چاہیے۔
3) جن کاموں سے شیطان کی ذلیل ہو ان پر خوش ہونا چاہیے اور جن سے وہ خوش ہو ان پر پریشان ہونا چاہیے۔ وہ شریعت پر عمل سے ذلیل ہوتا ہے اور شریعت کی مخالفت سے خوش ہوتا ہے۔
4) آپ ﷺ کی نگاہِ پاک اُن چیزوں کا مشاہدہ کرتی ہے جنہیں عام انسان دور بین سے بھی نہیں دیکھ سکتا۔[4]

دیوانوں کی وارفتگی پر: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں تشریف لائے اور قیلولہ (دوپہر کو کچھ دیر کے لیے آرام) فرمایا۔ (میری والدہ نے آپ کے لیے چمڑے کا بستر بچھایا)، قیلولہ کے دوران آپ ﷺ کو پسینہ آگیا۔ میری والدہ ایک شیشی میں پسینہ مبارک کو جمع کرنے لگیں۔ نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے اور فرمایا: «يَا أُمَّ

---

[3] http://majles.alukah.net/t102196/

[4] فَإِنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ يَطَّلِعُ مِنْ أَمْرِ اللهِ فِي بَرِيَّتِهِ عَلَى مَا لَا سَبِيلَ لِأَحَدٍ إِلَى مَعْرِفَتِهِ إِلَّا بِالتَّوْفِيقِ مِنْ جِهَتِهِ. (مرقاة المفاتيح)

سُلَيْمٍ مَا هٰذَا الَّذِيْ تَصْنَعِيْنَ» ۔ ’’اُم سلیم! یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟‘‘ اُنھوں نے عرض کی: هٰذَا عَرَقُكَ نَجْعَلُهٗ فِيْ طِيْبِنَا وَهُوَ مِنْ أَطْيَبِ الطِّيْبِ. (صحیح مسلم، حدیث: 6201) یہ آپ کا پسینہ ہے، اِسے ہم اپنی خوشبو میں شامل کر لیں گے، یہ سب سے عمدہ خوشبو ہے۔

واللہ جو مل جائے میرے گُل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

سیدنا انس فرماتے ہیں: فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ. (سنن نسائی، حدیث: 5386) نبی اکرم ﷺ یہ جواب سُن کر ہنس پڑے۔

رحمتِ خداوندی پر: حضرت حُمران علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ایک دن امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانی منگوا کر سنت کے مطابق وضو کیا پھر ہنسنے لگے۔ پھر دوستوں سے فرمایا: ’’کیا پوچھو گے نہیں کہ مَیں کیوں ہنسا ہوں؟‘‘، اُنھوں نے عرض کی: اے امیر المؤمنین آپ کے ہنسنے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا کہ آپ نے اِس جگہ کے قریب پانی منگوا کر وضو فرمایا تھا، جیسا کہ ابھی مَیں نے وضو کیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ہنس کر فرمایا تھا: "أَلَا تَسْأَلُوْنِيْ مَا أَضْحَكَنِيْ؟" ’’کیا پوچھو گے نہیں کہ میرے ہنسنے کی کیا وجہ ہے؟‘‘ صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کیوں مسکرائے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا دَعَا بِوَضُوْءٍ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ حَطَّ اللهُ عَنْهُ كُلَّ خَطِيْئَةٍ أَصَابَهَا بِوَجْهِهٖ، فَإِذَا غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ كَانَ كَذٰلِكَ، وَإِنْ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ كَانَ كَذٰلِكَ، وَإِذَا طَهَّرَ قَدَمَيْهِ كَانَ كَذٰلِكَ" ۔ (مسند احمد، حدیث: 415) یعنی (مَیں اللہ تعالیٰ کی رحمت پر خوش کر ہنسا ہوں کہ) جب کوئی بندہ وضو کرتے ہوئے چہرہ دھوتا ہے تو اللہ تعالیٰ چہرے سے متعلق گناہوں کو مٹا دیتا ہے، اِسی طرح بازو دھوتے، سر کا مسح کرتے اور پاؤں دھوتے ہوئے اللہ تعالیٰ اِن اعضا کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار ﷺ کا عمل ذکر کر کے گویا یوں کہا: وہ تو مالکِ عرش جل جلالہ کے جلووں میں مگن اُس کے پیغام پر ہنسے تھے، مجھے وہ مقام تو حاصل نہیں، مَیں اُن کی سنت کو پورا کرنے کے لیے ہنسا ہوں۔

اس حدیث پاک میں نماز کے لیے سنت کے مطابق وضو کرنے کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے۔

بدخواہوں کی بے وقوفی اور عنایتِ الٰہی پر: سیدنا فَضالہ بن عُمیر لَیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے جانِ رحمت ﷺ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ آپ ﷺ فتح مکہ والے سال کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے، وہ دل میں بُرا ارادہ لیے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ جب قریب آئے تو سرکار ﷺ نے فرمایا: أَفَضَالَةُ؟ ’’فضالہ ہو؟‘‘ کہنے لگے: جی ہاں یارسول اللہ! فضالہ ہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا سے دلوں کے راز جاننے والے محبوب ﷺ نے فرمایا: مَاذَا كُنْتَ تُحَدِّثُ بِهٖ نَفْسَكَ؟ ’’دل میں کیا سوچ رہے تھے؟‘‘ کہنے لگے: لَا شَيْءَ، كُنْتُ أَذْكُرُ اللهَ ۔ ’’کچھ بھی نہیں، مَیں تو اللہ اللہ کر رہا تھا‘‘۔ (فضالہ ابھی تک نہیں سمجھ پائے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے آنے والوں کے ارادے بھی جانتے ہیں)۔ کہتے ہیں: فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ، ثُمَّ قَالَ: اِسْتَغْفِرِ اللهَ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى صَدْرِهٖ

فَسَكَنَ قَلْبُهٗ۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ضحک فرمایا، پھر حکم دیا: اللہ تعالی سے معافی مانگو، پھر جناب فضالہ کے سینے پر اپنا دست مبارک رکھا تو اُن کا دل پُر سکون ہو گیا۔ جناب فضالہ کہا کرتے: وَاللّٰهِ مَا رَفَعَ يَدَهٗ عَنْ صَدْرِي حَتّٰى مَا مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْهُ. مَیں آیا تو بُرے اِرادے سے تھا، مگر اللہ کی قسم آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دست مبارک اُٹھانے سے پہلے دل کی یہ حالت ہوئی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مجھے پوری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہو گئے، میری نظروں میں آپ سے زیادہ کوئی بھی پیارا نہیں تھا۔ (سیرت ابن ہشام، سیرت حلبیہ، الاصابۃ[5])

زلف دیکھی ہے کہ رحمت کی گھٹا دیکھی ہے
بِک گیا جس نے محمد کی ادا دیکھی ہے

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بدخواہوں کی مثال ایسے ہی کہ جیسے کتا سورج کو دیکھ کر بھونکتا ہے، اس کے باوجود سورج اپنی تابانیوں سے جہان کو منور کرتا رہتا ہے۔ کتا سورج کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، البتہ جب وہ بھونکنے کے لیے منہ کھولتا ہے تو سورج کا نور اس کے منہ میں بھی داخل ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بدخواہ بُرے منصوبے بناتے رہتے ہیں، اس کے باوجود وہ کائنات کو اپنی نورانیت سے منوّر کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ جناب فضالہ کے ارادے پر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ہنس کر دیکھنا یہ پیغام تھا کہ قیامت تک آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپ کے دین کے بارے میں بُرے منصوبے بنانے والے کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

بدخواہ کی موت پر: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ اُن خوش نصیب افراد میں سے ہیں جو غزوۂ احد میں نہایت مشکل موقع پر بھی اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے گرد حفاظت کے لیے موجود رہے اور دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ وہ فرماتے ہیں: نَثَلَ لِي النَّبِيُّ ﷺ كِنَانَتَهٗ يَوْمَ أُحُدٍ۔ غزوۂ احد میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی ترکش مبارک (جس میں تیر رکھے جاتے ہیں) کے تیر میرے سامنے بکھیر دیے، تاکہ مَیں وہ تیر مشرکین پر برساؤں۔

---

[5] مزید فرماتے ہیں کہ اسلام سے مشرف ہونے کے بعد جب میں واپس لوٹا تو راستہ میں مجھے وہ خاتون ملی جس کے ساتھ دورِ جاہلیت میں میری گفتگو رہتی تھی۔ اُس نے مجھے بلایا تو مَیں نے اِنکار کرتے ہوئے کہا:

قَالَتْ هَلُمَّ إِلَى الْحَدِيثِ فَقُلْتُ لَا — يَأْبَى عَلَيْكِ اللّٰهُ وَالْإِسْلَامُ
لَوْمَا رَأَيْتِ مُحَمَّدًا وَقَبِيلَهٗ — بِالْفَتْحِ يَوْمَ تَكَسَّرَ الْأَصْنَامُ
لَرَأَيْتِ دِينَ اللّٰهِ أَضْحٰى بَيِّنًا — وَالشِّرْكُ يَغْشٰى وَجْهَهُ الْإِظْلَامُ

فرماتے ہیں: ایک مشرک نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا: «اِرْمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي»۔ مقصود یہ کہ اے سعد! تیر چلاؤ، مَیں تجھ سے بہت خوش ہوں (لغوی معنیٰ: میرے ماں باپ تجھ پر قربان[6])۔ چنانچہ سیدنا سعد رضی اللہ تعالی عنہ نے اُسے نشانہ بنایا، تیر اُسے جالگا اور وہ زخمی ہو کر بہت بُرے طریقے سے زمین پر گرا۔ نبی کریم ﷺ یہ منظر ملاحظہ فرمارہے تھے۔ جناب سعد فرماتے ہیں: فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتّٰى نَظَرْتُ إِلَى نَوَاجِذِهِ۔ (صحیح مسلم، حدیث:6390، ورواہ البخاری ایضاً) رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہو کر ہنسے، حتی کہ مَیں نے آپ ﷺ کی مبارک داڑھیں دیکھیں۔[7] پھر آپ ﷺ نے دعا سے نوازا: اِسْتَقَادَ لَهَا سَعْدٌ، أَجَابَ اللهُ دَعْوَتَكَ، وَسَدَّدَ رَمْيَتَكَ۔ (تاریخ دمشق، سبل الہدی والرشاد، المغازی للواقدی) سعد نے بدلہ لیا ہے، اے سعد! اللہ تیری دعائیں قبول فرمائے اور تیر انشانہ پختہ بنائے۔

توجہ طلب اُمور: یہ حدیث مبارک بہت سے پہلوؤں پر راہ نمائی کرتی ہے:

- سیدنا سعد اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا جذبہ یہ پیغام دیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تحفظ کے لیے جان بھی جائے تو سعادت ہے۔ غزوۂ احد کا یہ وقت نہایت مشکل تھا جب تمام مشرکین کے ہتھیاروں کا رخ جانِ کائنات ﷺ کی جانب تھا، تیروں کی بارش ہورہی تھی، مگر سیدنا سعد اور دیگر جانثار صحابہ اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر آپ ﷺ کے قدموں میں حاضر رہے اور زخموں سے چور ہونے کے باوجود آپ کی حفاظت کے حصار بنائے رکھا۔
- یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی دین دشمن اور گستاخِ رسول قتل ہوتا ہے تو آپ ﷺ خوش ہو کر تبسم کی خیرات عطا کرتے ہیں۔

دے تبسم کی خیرات ماحول کو ہم کو درکار ہے روشنی یانبی
ایک شیریں جھلک، ایک نوری ڈلک، تلخ و تاریک ہے زندگی یانبی

- سیدنا سعد رضی اللہ تعالی عنہ کو دعا سے نوازنا یہ پیغام دیتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے دفاع کے لیے کوشش کرنے والوں کو دعاؤں سے نوازتے ہیں۔ ایک موقع پر قادیانیوں کا وفد حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ ایک اندھے اور ایک اپاہج یعنی لنگڑے کے حق میں آپ دعا کریں، دوسرے اندھے اور لنگڑے کے حق میں مرزا قادیانی دعا کرے گا۔ جس کی دعا سے اندھا اور لنگڑا ٹھیک ہو جائیں وہ سچا ہے، اس طرح حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے گا۔ پیر صاحب نے جواب دیا کہ یہ بھی منظور ہے، مزید مرزا قادیانی سے کہہ دو کہ اگر مُردے بھی زندہ کرنے ہوں تو آجائے، ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں۔ پیر صاحب سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "یہ دعویٰ مَیں نے از خود نہیں کیا تھا بلکہ عالمِ مکاشفہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے جمال باکمال

---

[6] لو كان لي إلى الفداء سبيل لفديتك بأبوي اللذين هما عزيزان عندي، والمراد من التفدية لازمها وهو الرضا أي ارم مرضيًا. (ارشاد الساري لشرح صحيح البخاري)

[7] ضحكُ النبي - عليه الصلاة والسلام -: سروراً بقتله، لا لما انكشف منه، فهو المنزه عن ذلك. (إِكْمَالُ الْمُعْلِمِ بِفَوَائِدِ مُسْلِم للقاضي عياض)

سے میرا دل اس قدر قوی اور مضبوط ہو گیا تھا کہ مجھے یقین کامل تھا کہ اگر اس سے بھی کوئی بڑا دعویٰ کرتا تو اللہ تعالیٰ ایک جھوٹے مدعی نبوت کے خلاف ضرور مجھے سچا ثابت کرتا۔ مجھے یقین کامل ہے کہ جو شخص تحفظِ ختمِ نبوت کا کام کرتا ہے، اس کی پُشت پر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہاتھ ہوتا ہے۔"(8)

حرفِ آخر: نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ پاک ہر پہلو سے اُسوۂ حسنہ ہے۔ آپ ﷺ کی مسکراہٹ اور ہنسنا بھی اُمت کی تربیت ہے۔ آپ ﷺ تبسم تو بہت کرتے تھے، مگر ہنسنے کی آواز کبھی کبھی ہی آتی تھی۔ اُونچی آواز کے ساتھ منہ کھول کر تو آپ نے کبھی بھی قہقہہ نہیں لگایا، کیوں یہ غافل ہونے کی نشانی ہے اور آپ ﷺ ہمیشہ اللہ تعالی کے جلوؤں کا لطف اٹھاتے تھے، ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ کاش! ہمارا اندازِ خوشی بھی ایسا ہی ہو جائے۔

آپ ﷺ قیامت کے دن بھی اپنے تبسم سے مصیبت میں گھرے لوگوں کی مشکل کشائی فرمائیں گے، بلکہ اُس دن آپ ﷺ کے غلام بھی مسکراتے چہروں کے ساتھ میدانِ حشر میں جمع ہوں گے۔ ارشاد باری تعالی ہے: وُجُوهٌ يَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَةٌ٥ ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ٥ وَوُجُوهٌ يَّوۡمَئِذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ٥ تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ٥ أُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكَفَرَةُ الۡفَجَرَةُ٥[عبس80:38-42] "اُس (قیامت کے) دن کئی چہرے (نورِ ایمان سے) چمک رہے ہوں گے۔ ہنستے اور (اللہ تعالی کے احسانات پر) خوشیاں مناتے۔ اور کئی چہرے اُس دن غبار آلود ہوں گے۔ اُن پر سیاہی چھائی ہو گی۔ یہ وہی کافر بدکار ہوں گے۔" کاش اللہ تعالی ہمیں آپ ﷺ کی شریعت اور آپ کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے اور روزِ حشر وہ ہمیں بھی دیکھ کر تبسم فرمادیں۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ شیطان کو ذلیل کرنے والوں، دیوانہ وار محبت کرنے والوں، سنت پر عمل کرنے والوں اور تحفظِ ناموسِ رسالت کے لیے کوششیں کرنے والوں کو تبسم کی خیرات سے نوازتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم بھی یہ کام سرانجام دیں اور اُن سے تبسم کی خیرات حاصل کرنے کی سعادت پائیں۔

---

[8] http://khatm-e-nubuwwat.org/LeafLet/text/10Mujahdeen-kn/10-07.htm

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ. [النمل 27: 19] تو سلیمان (علیہ السلام) اس (چیونٹی) کی بات پر مسکرا کر ہنس پڑے اور عرض کی: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا اور (مجھے توفیق دے) کہ میں وہ نیک کام کروں جس پر تو راضی ہو اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے ان بندوں میں شامل کر جو تیرے خاص قرب کے لائق ہیں۔

آغازِ سخن: اللہ تعالی نے ہمارے آقا و مولا ﷺ کو جو بے شمار کمالات عطا کیے اُن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا ہر پہلو تعلیم و تربیت پر مشتمل ہے۔ آپ ﷺ کی گفتگو بھی تعلیم اور خاموشی بھی تعلیم، اُٹھنا بیٹھنا بھی تعلیم اور سونا جاگنا بھی تعلیم، حتی کہ آپ کی چشمانِ مبارکہ سے آنسو جاری ہونا بھی تعلیم اور آپ کے لبہائے مبارکہ پر مسکراہٹ آنا بھی تعلیم۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ ﷺ تبسم اور مزاح میں بھی وہ کچھ سکھاتے ہیں جو بڑے بڑے دانشور سنجیدگی میں نہیں سمجھا سکتے۔

گزشتہ خطبہ کی طرح آج بھی چند ایسے مواقع کا ذکر ہو گا جن میں آپ ﷺ نے تبسم اور ضحک کے ذریعے تعلیم و تربیت فرمائی۔

تبسم، ضحک اور قہقہہ

"تبسم" یعنی مسکراہٹ کا مطلب ہے کہ چہرے پر صرف خوشی کے آثار ظاہر ہوں یا اس کے ساتھ سامنے والے دانت نظر آئیں مگر آواز نہ نکلے۔ "ضحک" یعنی ہنسنے کا مطلب ہے کہ سامنے والے دانت نظر آنے کے ساتھ ساتھ معمولی آواز بھی نکلے۔ جب کہ "قہقہہ" (Giggle) کا مطلب ہے بلند آواز سے ہنسنا۔ (ملخص از فتح الباری و عمدۃ القاری و ارشاد الساری)

"تبسم" انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے: فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ. [النمل 19:27] تو سلیمان (علیہ السلام) اس (چیونٹی) کی بات پر مسکرا کر ہنس پڑے اور عرض کی: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا اور (مجھے توفیق دے) کہ میں وہ نیک کام کروں جس پر تو راضی ہو اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے ان بندوں میں شامل کر جو تیرے خاص قرب کے لائق ہیں۔

آپ ﷺ بھی بہت تبسم فرماتے، چہرۂ اقدس مسکراہٹ سے چمکتا ہی رہتا۔ مگر ہنسنے کی آواز کبھی کبھی ہی آتی، خال خال ہی ایسا ہوتا کہ ہنستے ہوئے داڑھیں مبارک نظر آئیں۔ آپ ﷺ اُونچی آواز کے ساتھ منہ کھول کر قہقہہ نہیں لگاتے تھے، کیونکہ یہ غافل ہونے کی نشانی ہے اور آپ ﷺ ہمیشہ اللہ تعالی کے جلووں کا لطف اٹھاتے تھے، ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔

روزِ قیامت شانِ تبسم: جانِ عالم ﷺ کا تبسم دنیا میں بھی غمزدوں کے دلوں کی راحت ہے۔

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اُس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

جب آگئی ہیں جوشِ رحمت پہ اُن کی آنکھیں
جلتے بجھا دیے ہیں روتے ہنسا دیے ہیں

قیامت کے ہولناک دن میں بھی غمزدہ اُمت کا چین آپ ﷺ کی مسکراہٹ سے ہی ہو گا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمہ نے روزِ قیامت میں آپ ﷺ کی مسکراہٹ کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا:

پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے

ہاں چلو حسرت زدو! سُنتے ہیں وہ دن آج ہے
تھی خبر جس کی کہ وہ جلوہ دکھاتے جائیں گے

کچھ خبر بھی ہے فقیرو! آج وہ دن ہے کہ وہ
نعمتِ خُلد اپنے صدقے میں لُٹاتے جائیں گے

خاک اُفتادو! بس اُن کے آنے ہی کی دیر ہے
خود وہ گر کر سجدے میں ہم کو اُٹھاتے جائیں گے

لو وہ آئے مسکراتے ہم اسیروں کی طرف
خرمنِ عصیاں پہ اب بجلی گراتے جائیں گے

وُسعتیں دی ہیں خُدا نے دامنِ محبوب کو
جُرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے

تبسم کی فضیلت: نبی کریم ﷺ جہاں خود بکثرت تبسم فرماتے وہیں امتیوں کے لیے بھی پسند فرماتے کہ وہ آپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی مسکراہٹوں سے دوسرے مسلمانوں کو خوش کریں۔ آپ ﷺ نے اِس عمل کو باعثِ اجر وثواب قرار دیا۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَأَمْرُكَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ، وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَبَصَرُكَ لِلرَّجُلِ الرَّدِيءِ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَإِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَةَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيقِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَإِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِي دَلْوِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ۔ (جامع ترمذی، حدیث:1956) یعنی جس طرح اللہ کی رضا کے لیے صدقہ کرنے اور مال پیش کرنے پر ثواب ملتا ہے ایسے ہی مسلمان بھائی کو خوش کرنے کے لیے اُس کے سامنے مسکرانا بھی صدقہ اور کارِ ثواب ہے۔ نیکی کی دعوت دینا اور بُرائی سے روکنا بھی صدقہ اور نیکی کا کام ہے۔ بے نشان جگہ میں کسی کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے۔ جسے دکھائی نہیں دیتا اُس کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے۔ راستے سے تکلیف دہ پتھر، کانٹے اور ہڈی کو ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔ اپنے برتن سے دوسرے کے برتن میں کچھ پانی پیش کرنا بھی صدقہ ہے۔

اس حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمایا کہ اللہ تعالی کی رضا کے لیے مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور معمولی فائدہ پہنچانا، حتی کہ مُسکرا کر دوسرے مسلمان کا دل خوش کر دینا بھی صدقہ ہے۔

زیادہ ہنسنے کی مذمت: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: "لَا تُكْثِرُوا الضَّحِكَ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ"۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث: 4193، ورواہ الترمذی فی جامعہ فی ضمن حدیث آخر)

"زیادہ نہ ہنسا کرو، کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔"

مختلف مواقع پر تبسم و ضحک

تبسم اور ضحک کی مختلف وجوہات ہوتی ہیں: کبھی تعجب کی وجہ سے، کبھی بے نیازی کے سبب، کبھی اقرار و رضامندی اور خوشی کے اظہار کے لیے، کبھی اِظہارِ ناراضی کے لیے اور کبھی مذاق اُڑانے کے لیے۔[1] چنانچہ آپ ﷺ کا تبسم اور ضحک بھی مختلف مواقع پر مختلف اسباب کی وجہ سے ہوتا تھا۔ درج ذیل میں چند خوبصورت مواقع کا ذکر ہے:

ہر حال میں مومن کی بہتری پر

خوشی اور غمی، مشکلات اور آسانیاں ہر شخص کی زندگی میں آتی ہیں۔ کافر ہر حال میں نقصان اُٹھاتا ہے اور اللہ تعالی کو ناراض کر بیٹھتا ہے، جب کہ مومن ہر حال میں ثواب اور اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرتا ہے۔

کافر کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ. [الشوریٰ 42:48] یعنی جب ہم آدمی کو اپنی طرف سے کسی رحمت (دولت و ثروت، صحت و عافیت، امن و سلامتی وغیرہ) کا مزہ دیتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہو جاتا ہے (اور فخر و تکبر کرنے لگتا ہے) اور اگر انہیں ان کے اعمال کے نتیجے میں کوئی برائی پہنچے تو انسان بڑا ناشکرا ہے (رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے اور شکوہ و شکایت کرنے لگتا ہے)۔

تربیت یافتہ مومن کا رویہ ہر حالت میں ایسا خوش کُن ہوتا ہے کہ سیدنا صُہیب رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں تشریف فرما تھے، اچانک آپ نے ضحک کیا (ہنس پڑے)، ارشاد فرمایا: أَلَا تَسْأَلُونِي مِمَّ أَضْحَكُ؟ "مجھ سے پوچھو گے نہیں کہ مَیں کیوں ہنسا ہوں؟" صحابہ نے عرض کی: آپ نے کیوں ضحک فرمایا ہے؟ ارشاد فرمایا: «عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ

---

[1] http://majles.alukah.net/t102196/

صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ»۔ یعنی مومن کے معاملے پر تعجب ہے، اس کا سارا معاملہ (اُس کے حق میں) بہتر ہے۔ یہ صرف مومن کی ہی شان ہے (کہ ہر معاملہ اور حالت اُس کی بہتری کا ذریعہ ہے)۔ اُسے خوشحالی حاصل ہو (دولت، صحت اور آسائش وغیرہ ملے) تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، یہ اُس کے لیے بہتر ہے۔ اور اگر اُسے تنگی پیش آئے (بیماری، تنگدستی اور آزمائش آئے) تو صبر کرتا ہے، یہ بھی اُس کے حق میں بہتر ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث:7692۔ مسند احمد، حدیث:23412[2])

تربیت: اس حدیث پاک میں تربیت ہے کہ نعمت چھن جانے اور مشکل پیش آنے پر صبر کرنا اور راحت ملنے پر شکر کرنا اور بہر حال اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری پر قائم رہنا مومن کی شان ہے، اور اس پر اللہ تعالیٰ ایسی رحمت سے نوازتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خوش ہو تبسم و ضحک فرمایا۔ لیکن افسوس! آج ہم میں سے اکثر کا طرزِ عمل ایسا نہیں ہے، ہماری صورتِ حال یہ ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی نعمت واپس لے لے یا کوئی آزمائش آجائے تو اَفسُردہ اور مایوس ہو کر شکوے کرنے لگتے ہیں اور نعمت و آسائش ملے تو فخر و غرور اور تکبر شروع کر دیتے ہے۔

خواب کے بارے میں معلومات نہ ہونے پر

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے جانِ عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی: يَا رَسُولَ اللهِ! رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ رَأْسِي قُطِعَ. مَیں نے خواب دیکھا ہے کہ میرا سر کاٹ دیا گیا ہے۔ راوی فرماتے ہیں: فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَالَ «إِذَا لَعِبَ الشَّيْطَانُ بِأَحَدِكُمْ فِي مَنَامِهِ فَلَا يُحَدِّثْ بِهِ النَّاسَ». (صحیح مسلم، حدیث:6064) نبی کریم ﷺ نے ہنس کر فرمایا: جب شیطان تم میں سے کسی کے ساتھ اُس کے خواب میں کھیلے (شیطانی اثرات سے پریشان کُن خواب آئے) تو وہ لوگوں کے سامنے یہ خواب بیان نہ کرے۔

وضاحت: انبیائے کرام علیہم السلام کو اچھے خوابوں کے ذریعے وحی کی جاتی تھی۔ اب نبوت کا سلسلہ تو ختم ہو چکا ہے البتہ اللہ عزوجل کے کرم سے اچھے خوابوں کا سلسلہ جاری ہے۔ جب انسان سوتا ہے تو اس کی روح جسم سے نکل کر مختلف مقامات کی سیر کرتی ہے۔ پھر انسان کی روح جن چیزوں سے مانوس ہو اور اس پر جس قسم کے اثرات ہوں عموماً ویسے خواب آنے لگتے ہیں۔

خواب کی چار قسمیں ہیں:

حدیثِ نفس: یعنی جاگتے ہوئے دل پر جو خیالات غالب رہے سونے کے بعد وہی خیالات اجسام کی صورت میں سامنے آنے لگے۔ یہ خواب بے معنی ہے اور اس کا کوئی اثر و حکم نہیں۔

---

[2] حدیث پاک کے ابتدائی حصہ، جس میں ضحک کا ذکر ہے، کے الفاظ مسند احمد کے ہیں، آخری جملوں کے الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

اِلقائے شیطان: یہ خواب اکثر وحشت ناک اور پریشان کُن ہوتے ہیں، شیطان آدمی کو ڈراتا ہے یا خواب میں اس کے ساتھ کھیلتا ہے۔ ایسا خواب آئے تو بیدار ہوتے ہی بائیں طرف تین بار تھوک دینا چاہیے، اللہ کی پناہ طلب کرکے (اعوذ باللہ وغیرہ پڑھ کے) کروٹ بدل لینی چاہیے اور کسی سے اِس کا تذکرہ نہیں کرنا چاہیے۔[3] درج بالا حدیث پاک اسی قسم کے خوابوں سے متعلق ہے۔

القائے فرشتہ: اس سے گزشتہ و موجودہ و آئندہ غیب ظاہر ہوتے ہیں۔ ان خوابوں کی وضاحت کے لیے اکثر طور پر تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ انھیں صرف ایسے شخص کے سامنے ہی بیان کرنا چاہیے جو خوابوں کی تعبیر جانتا ہے؛ کیونکہ بسا اوقات بظاہر کچھ اور لگتا ہے مگر تعبیر مختلف ہوتی ہے۔

القائے ربّ العزّۃ: یہ خواب بالکل واضح ہوتا ہے اور تعبیر کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسے اچھے خوابوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ (ماخوذ از فتاوی رضویہ، ج:29، ص:87)

مخلوق کی غفلت پر

سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، اور قریب ہی دو بکریاں چارہ کھا رہی تھیں۔ ایک بکری نے دوسری کو سینگھ مار کر گرا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ضحک فرمایا۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو اِرشاد فرمایا: «عَجِبْتُ لَهَا، وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَيُقَادَنَّ لَهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ». (المعجم الاوسط، حدیث: 6110۔ مسند احمد، حدیث: 21511) یعنی مجھے (اس کی غفلت اور بے توجہی پر) تعجب ہوا، اللہ کی قسم! روزِ قیامت اِس سے بدلہ لیا جائے گا۔

وضاحت: حشر کے دن انسانوں کی طرح جانور اور پرندے وغیرہ بھی حاضر ہوں گے، جانوروں اور پرندوں کا بھی حساب ہوگا اور اگر کسی جانور نے دوسرے پر ظلم کیا تھا تو اُس سے بدلہ لیا جائے گا (یہ قصاصِ تکلیف نہیں بلکہ قصاصِ مقابلہ ہے)، پھر انسان جنت یا جہنم میں جائیں گے، جب کہ جانوروں وغیرہ کو خاک کرکے فنا کر دیا جائے گا۔[4]

تربیت: روزِ قیامت جانوروں سے بدلہ کیوں لیا جائے گا؟ اور نبی کریم ﷺ نے اسے کیوں بیان فرمایا؟ یہ سب کچھ انسانوں کو احساس دلانے کے لیے ہے کہ جانور شرعی احکام کے مکلف نہیں پھر بھی اُن سے دوسرے جانوروں کی حق تلفی کا بدلہ لیا جائے گا، انسان تو

---

[3] عَنْ جَابِرٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهٗ قَالَ: إِذَا رَأَى أَحَدُكُمُ الرُّؤْيَا يَكْرَهُهَا فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهٖ ثَلَاثًا، وَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ ثَلَاثًا، وَلْيَتَحَوَّلْ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ۔ (صحیح مسلم) وفی روایۃ ابی قتادۃ: وَلَا يُحَدِّثْ بِهَا أَحَدًا فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهٗ۔ (ایضا) وفی روایۃ ابی ہریرۃ: وَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ... (صحیح بخاری)

[4] وَأَمَّا الْقِصَاصُ مِنَ الْقَرْنَاءِ لِلْجَلْحَاءِ، فَلَيْسَ مِنْ قِصَاصِ التَّكْلِيفِ، بَلْ هُوَ قِصَاصُ مُقَابَلَةٍ اھ

فَإِنْ قِيلَ: الشَّاةُ غَيْرُ مُكَلَّفَةٍ، فَكَيْفَ يُقْتَصُّ مِنْهَا؟ قُلْنَا: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ وَلَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ، وَالْغَرَضُ مِنْهُ إِعْلَامُ الْعِبَادِ بِأَنَّ الْحُقُوقَ لَا تَضِيعُ، بَلْ يُقْتَصُّ حَقُّ الْمَظْلُومِ مِنَ الْمَظَالِمِ اھ۔ (مرقاۃ)

مکلف ہے اُسے دوسروں کے حقوق پورے کرنے کی کیسی فکر ہونی چاہیے ؟اوراگر اُس سے روزِ قیامت دوسروں کی حق تلفیوں کا بدلہ لیا جائے تو کیسے نجات پائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے صلح کرانے پر

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، اچانک آپ ﷺ نے ضحک فرمایا(ہنسے) حتیٰ کہ سامنے والے دانت مبارک نظر آئے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: مَا أَضْحَكَكَ يَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي؟ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ نے کس بات پر ہنسی فرمائی ہے؟ (کیونکہ آپ کا تبسم فرمانا بھی بے موقع نہیں ہوتا)۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے دو مرد اللہ رب العزت کی بارگاہ میں گھٹنوں کے بل (عاجزی کے ساتھ) حاضر ہوئے، ایک نے عرض کی: يَا رَبِّ خُذْ لِي مَظْلِمَتِي مِنْ أَخِي. یعنی اے میرے رب! میرے اس بھائی نے مجھ پر جو ظلم کیا تھا مَیں نے اُس کا بدلہ لینا ہے۔ رب تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِأَخِيكَ وَلَمْ يَبْقَ مِنْ حَسَنَاتِهِ شَيْءٌ؟ "اپنے بھائی کے ساتھ کیا کرے گا؟ اس کی تمام نیکیاں تو ختم ہو چکی ہیں" (وہ پہلے ہی اپنی تمام نیکیاں اُنھیں دے چکا ہے جن کی حق تلفیاں کر تا رہا تھا)۔ وہ کہے گا: يَا رَبِّ فَلْيَحْمِلْ مِنْ أَوْزَارِي. اے اللہ! (مجھے بہر صورت بدلہ چاہیے، یہ نیکیاں نہیں دے سکتا) تو میرے گناہوں کا بوجھ اُٹھائے (میرے گناہ اس کے ذمہ میں ڈالے جائیں)۔ راوی فرماتے ہیں: وَفَاضَتْ عَيْنَا رَسُولِ اللهِ ﷺ بِالْبُكَاءِ. یہ صورت حال بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی چشمان مبارکہ سے آنسوؤں کے موتی ٹپکنے لگے۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا: إِنَّ ذَاكَ الْيَوْمَ عَظِيمٌ يَحْتَاجُ النَّاسُ أَنْ يُحْمَلَ عَنْهُمْ مِنْ أَوْزَارِهِمْ. یعنی بے شک وہ دن بہت سخت ہو گا، لوگوں کو ضرورت ہو گی کہ دوسرے اُن کے گناہوں کا بوجھ اُٹھائیں۔

اللہ تعالیٰ نے مطالبہ کرنے والے کو فرمایا: "نگاہ اُٹھا کر جنتوں کا نظارہ کرو"۔ اس نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا اور عرض کی: اے میرے رب! میں سونے کے کچھ شہر اور سونے کے محلات دیکھتا ہوں، جن میں موتی جڑے ہوئے ہیں۔ یہ کس نبی کے ہیں، یا کس صدیق، یا کس شہید کے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هٰذَا لِمَنْ أَعْطَى الثَّمَنَ. "یہ اُس کے ہیں جو اِن کی قیمت ادا کردے۔" اُس نے عرض کی: اے میرے رب! اِن کی قیمت بھلا کون دے سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أَنْتَ تَمْلِكُهُ. "تُو ان کی قیمت دے سکتا ہے۔" اُس نے عرض کی: مَیں کیسے دے سکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بِعَفْوِكَ عَنْ أَخِيكَ. "اس طرح کہ تُو اپنے بھائی کو معاف کردے۔" اُس نے فوراً عرض کی: يَا رَبِّ فَإِنِّي قَدْ عَفَوْتُ عَنْهُ. اے میرے رب! مَیں نے اسے معاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَخُذْ بِيَدِ أَخِيكَ فَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ. "یعنی اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ لے اور دونوں جنت میں چلے جاؤ"۔

یہ صورتِ حال ذکر کرنے کے بعد آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: «اِتَّقُوا اللهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى يُصْلِحُ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ.» ”اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں صُلح کرلو، بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسلمانوں میں صلح کرائے گا۔(المستدرک علی الصحیحین، حدیث:8718، مکارم الاخلاق ومعالیہا للخرائطی، حدیث:446)

وضاحت: انسان اگر دنیا میں کسی بندے کی حق تلفی کرتا ہے، خواہ وہ مالی حق تلفی ہو یا عزت سے متعلق ہو یا جسم وجان سے متعلق ہو یا کسی کی دل آزاری ہو، اس کی معافی کی تین صورتیں ہیں:

1) انسان دنیا میں اپنا حساب صاف کرلے۔ یعنی حق تلفی کرنے والا حق ادا کردے، یا حق والا اسے معاف کردے۔ یہ صورت سب سے آسان ہے اور ایسا کرنے والے کو نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعا سے بھی نوازا ہے۔[5]

2) قیامت کے دن حساب پورا کرے۔ یوں کہ حق تلفی کے مطابق حق ضائع کرنے والے کی نیکیاں صاحبِ حق کو دی جائیں، اگر نیکیاں کم ہوں تو حق والے کے گناہ اِس کے ذمے ڈالے جائیں۔[6] اُس دن ہر شخص کو نیکیوں کی ضرورت ہوگی اور کوئی بھی مفت میں اپنا حق معاف نہیں کرے گا۔

3) اللہ تعالیٰ حق ضائع کرنے والے پر رحم فرمائے اور صاحبِ حق کو اپنے پاس سے جنت کے انعامات عطا کرکے اُسے معاف کرنے پر راضی کرلے۔[7] درج بالا حدیث پاک میں اِسی صورت کا بیان ہے۔

امتی کی بہادری پر

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ سیدہ اُمّ سُلَیم بنت مِلحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت بہادر، جانِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت گزار اور خیر کے کاموں میں پیش پیش رہنے والی خاتون تھیں۔

---

[5] سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نقل کیا: رَحِمَ اللهُ عَبْدًا كَانَتْ لِأَخِيهِ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ فِي عِرْضٍ أَوْ مَالٍ، فَجَاءَهُ فَاسْتَحَلَّهُ، قَبْلَ أَنْ يُؤْخَذَ وَلَيْسَ ثَمَّ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ، فَإِنْ كَانَتْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَه حَسَنَاتٌ حَمَّلُوهُ عَلَيْهِ مِنْ سَيِّئَاتِهِمْ. (جامع ترمذی، ورواہ الطبرانی عن انس)

[6] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ «أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ». قَالُوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لاَ دِرْهَمَ لَهُ وَلاَ مَتَاعَ. فَقَالَ «إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلاَةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ». (صحیح مسلم، حدیث:6744)

[7] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: ”أَعْجَبُ الإِمْدَادِ فِي مُكَفِّرَاتِ حُقُوقِ الْعِبَادِ“، فتاوی رضویہ، ج:24، ص:459 تا 476 کا مطالعہ فرمائیں۔

سیدنا انس فرماتے ہیں: غزوۂ حُنین کے موقع پر اُنھوں نے اپنے ساتھ ایک تیز دھار خنجر لے لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے پوچھا: «مَا هٰذَا الْخَنْجَرُ» ”یہ خنجر کس لیے ساتھ لیا ہے؟“ وہ عرض کرنے لگیں: اِتَّخَذْتُهُ إِنْ دَنَا مِنِّي أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ بَقَرْتُ بِهِ بَطْنَهُ۔ یہ اس لیے ساتھ رکھا ہے کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو یہ اُس کے پیٹ میں گھونپ دوں گی۔ جناب انس فرماتے ہیں: فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَضْحَكُ۔ نبی کریم ﷺ (اُن کی بہادری پر خوش ہو کر) تبسم و ضحک فرمانے لگے (کہ خواتین تو بہت کمزور دل ہوتی ہیں، دشمن کو دیکھتے ہی اُن کے ہوش اُڑ جاتے ہیں، مگر اُمّ سُلیم کو اللہ تعالی نے ایمان کی برکت سے کیسی لائقِ تحسین بہادری عطا کی ہے)۔ (صحیح مسلم، حدیث: 4783)

تربیت: اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی غلام دین کی خاطر بہادری کا مظاہرہ کرتا ہے تو رسول اللہ ﷺ اُسے تبسم کی خیرات عطا کرتے ہیں۔

شجاعت کی فضیلت: اللہ تعالی اور اُس کے حبیب ﷺ یہ پسند فرماتے ہیں کہ مومن دین کے معاملے میں شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ کرے۔ انسانی تاریخ میں سب سے بڑے بہادر خود رسول اللہ ﷺ ہیں، آپ ﷺ کے قدموں کی برکت سے آپ کی امت نے ہمیشہ بہادری کی انوکھی داستانیں رقم کی ہیں۔

سلام اُس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

شجاعتِ نبوی: آپ ﷺ کی شجاعت و بہادری سے متعلق سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: «كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ النَّاسِ۔» ”رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ حسین و جمیل بھی تھے، سب سے بڑی سخی بھی تھے اور سب سے بڑے بہادر بھی تھے۔“ مزید فرمایا کہ ایک رات اہل مدینہ گھبرا گئے، کوئی خوفناک آواز سنی، تو صحابہ اجتماعی طور پر اُس کی تحقیق کے لیے نکلے، وہ روانہ ہو رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہو گئی، آپ تنہا تشریف لے گئے تھے اور معلوم کرکے واپس بھی تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ بغیر زین (کاٹھی) اور لگام وغیرہ کے گلے مبارک میں تلوار لٹکائے جناب ابو طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ کے گھوڑے پر سوار تھے اور فرما رہے تھے: «لَمْ تُرَاعُوا لَمْ تُرَاعُوا» گھبراؤ نہیں، گھبراؤ نہیں (میں دیکھ آیا ہوں، کوئی خطرے والی بات نہیں ہے)۔

بہادر بننے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ انسان بہادروں کی داستانیں پڑھے، اُن کے ساتھ نشست و برخاست رکھے اور اُن سے محبت کرے۔ اُن جواں مردوں کی سیرت پڑھے جنھوں نے حق کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ شہزادۂ امامِ حسین سیدنا علی زین العابدین رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے: كُنَّا نُعَلَّمُ مَغَازِيَ النَّبِيِّ ﷺ كَمَا نُعَلَّمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے غزوات مبارکہ کے واقعات ایسے سکھائے جاتے تھے جیسے قرآن پاک کی تعلیم دی جاتی۔ (البدایہ والنہایہ)

تحفظِ ناموسِ رسالت اور اُمت کی ذمہ داری: حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اجتماعی طور پر اُمت مسلمہ نہایت بُزدل ہو چکی ہے۔ ایک وقت تھا کہ ناموسِ رسالت کے حوالے سے مسلم حکمران تمام مصلحتوں کو پسِ پُشت ڈال کر ہر قیمت پر تحفظِ ناموس رسالت کے لیے تیار رہتے تھے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ اربوں مسلمانوں کے ہوتے ہوئے آئے روز یہود و نصاری کھلے عام نبی اکرم ﷺ کی گستاخیاں کرتے ہیں، مگر مسلم حکمران محض قراردادوں پر اکتفا کیے ہوئے ہیں، طاقت کے ذریعے بدلے لینا تو دور کی بات ہے گستاخوں کے معاشی اور سفارتی بائیکاٹ سے بھی خوف زدہ ہیں۔

حکومتوں اور لبرلز کو یہ خوف کھائے جارہا ہے کہ اگر بائیکاٹ کیا گیا تو کمزور معیشت مزید متأثر ہو گی، ایسے بزدلوں کے لیے قرآنی پیغام ہے: {وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَاءَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ} [التوبۃ9:28] اگر تمہیں محتاجی کا ڈر ہے تو اللہ نے اگر چاہا تو وہ اپنے فضل سے تمہیں دولت مند کر دے گا، بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

آج اِس بات کی ضرورت ہے کہ اُمت سیدہ اُم سُلیم رضی اللہ تعالی عنہا کی بہادری سے سبق لیتے ہوئے دینی غیرت کا مظاہرہ کرے اور باہمی اتحاد کے اِس جذبہ کا اِظہار کرے:

یہ اِک جان کیا ہے اگر ہوں کروڑوں
تیرے نام پر سب کو وارا کروں مَیں

دینی غیرت کے اِظہار کے لیے 15 نومبر کو عشاقانِ رسول ایک تاریخی مارچ کر رہے ہیں، جو گستاخوں اور اُن کے مفادات کا تحفظ کرنے والوں کو پیغام دینے کے لیے ہے کہ "مسلمان کی نظر میں ناموسِ رسالت سے زیادہ اہم کوئی چیز نہیں"۔ ہم سب کو چاہیے کہ اس ریلی کو کامیاب بنانے کے لیے اپنا کردار ادا کریں اور اِس میں شرکت کو اپنے لیے سعادت سمجھیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ. [النور24:19] بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلے اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

جنسی جرائم کا سدباب

آغازِ سخن: مملکتِ خداداد پاکستان میں روزانہ انسانی اور اخلاقی اقدار کے منافی واقعات پیش آرہے ہیں۔ کچھ روز پہلے سانحہ موٹروے رونما ہوا، جس سے ہر پاکستانی کا سر شرم سے جھک گیا۔ یہ تو ایک واقعہ تھا ایسے کئی واقعات روزانہ ہوتے ہیں، جن کی ہمیں خبر نہیں ملتی۔ ایک غیر سرکاری رپورٹ کے مطابق 2020ء میں جنوری سے جولائی تک، صرف سات ماہ میں 2043 خواتین کو جنسی زیادتی سے دوچار ہوئیں اور اسی عرصے میں 1489 بچے جنسی ہوس کا نشانہ بنے، یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ پاکستان میں نظام کی خرابی کے سبب پچاس فیصد کیس رپورٹ ہی نہیں ہوتے۔[1]

دور اندیش اور مستقبل کی فکر رکھنے والوں کے لیے زیادہ پریشان کُن بات یہ ہے کہ مستقبل میں ایسے حادثات بچنے کے لیے کوئی خاطر خواہ ٹھوس اقدامات نہیں کیے جارہے۔ یعنی برائی تو پریشان کُن ہے ہی، اس سے زیادہ پریشانی کی بات یہ ہے کہ برائی کے سدباب کے لیے کوئی مؤثر لائحہ عمل نہیں ہے۔

آج کے خطبہ میں ذکر ہوگا کہ اسلامی تعلیمات کے تناظر میں ہمیں ان واقعات کی روک تھام کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

جرائم کے سدباب کے لیے اہم اُمور

ہمارے حکمرانوں اور ذرائع ابلاغ (Media) کا مزاج یہ ہے کہ کسی بھی مسئلہ میں جب پانی سر سے گزر جاتا ہے تو اچانک سب کو ہوش آتی ہے۔ سیاسی لوگ بیانات دینا شروع کردیتے ہیں، مذمتی قراردادیں بھی منظور ہونے لگتی ہیں، میڈیا بھی میدان میں کود پڑتا ہے، کچھ دیر کے لیے یوں شور مچایا جاتا ہے کہ عام آدمی کو محسوس ہو شاید انقلاب آجائے گا، مگر چند دنوں بعد سب ویسے کا ویسے ہو جاتا ہے اور ایسے لگتا ہے کہ کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ بیان دینا اور مذمت کرنا تو آسان ہے مگر مسئلہ کا حل نکالنا مشکل ہوتا ہے، شاید اِسی لیے سبھی بیانات دے کر خاموش ہوجاتے ہیں۔ ایسے انسانیت سوز حادثات کی روک تھام کے لیے درج ذیل اقدامات کی فوری ضرورت ہے۔

سدِّ ذرائع

اسلام کے عطا کردہ بے مثال اُصولوں میں سے ایک "سدِ ذرائع" ہے۔ شریعت سکھاتی ہے کہ وہ امر جس کی اپنی حد تک گنجائش ہوسکتی ہے اور اپنی حد میں وہ غلط نہیں بھی، لیکن بعد میں کسی خرابی کا ذریعہ اور سبب بن سکتا ہے اُسے ابھی سے ختم کردیا جائے؛ تاکہ خرابی کا اِمکان ہی نہ رہے۔ جس ذریعہ سے برائی پیدا ہونے کا خدشہ ہے اُس ذریعہ کو ختم کردیا جائے؛ تاکہ راستہ ہی بند ہوجائے۔ کہا جاتا ہے:

---

[1] http://urdu.dunyanews.tv/index.php/ur/Crime/563945

"نہ رہے بانس نہ بجے بانسری"۔ گزشتہ امتیں اپنے انبیا علیہم السلام کے پردہ فرمانے کے بعد گمراہ ہوجاتیں، رسول اللہ ﷺ نے ایسا ضابطہ عطا کیا کہ اگر اُمت اُس پر عمل کرتی رہے تو قیامت تک گمراہی اور تباہی کا کوئی اِمکان ہی نہیں۔ اِس ضابطہ کی کئی مثالیں ہیں:

قرض اور بیع کو جمع کرنے کی ممانعت: شریعت مطہرہ نے ضرورت مند کو قرض دینے کی نہ صرف اِجازت دی ہے، بلکہ اِس کی ترغیب دلائی ہے اور قرآن وسنت میں ایسا کرنے والے سے اجر وثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اِسی طرح شریعت مطہرہ نے خرید وفروخت کی بھی اِجازت عطا فرمائی ہے، بلکہ حلال طریقے سے تجارت کے فضائل وارد ہیں۔

سود خور ایک بہانہ کرسکتے تھے کہ جسے قرض دینا ہے اُسے سستی چیز مہنگے داموں بیچ دیں اور کہیں کہ ہم نے جو قرض دیا ہے اُس پر کوئی منافع نہیں لیں گے، یہ اضافی رقم تو خریدی ہوئی چیز کا ثمن ہے۔ مثلاً کسی کو دس ہزار روپے قرض دیا، اس سے گیارہ ہزار واپس لینا سود ہے، قرض خواہ بہانہ کرسکتا تھا کہ قرض تو دس ہزار ہی واپس لوں گا، البتہ تم نے مجھ سے فلاں چیز ایک ہزار روپے میں خریدنی ہے جس کی قیمت مثلاً دو ہزار ہے۔ یوں مفاد بھی پورا ہوجاتا اور سود کا نام بھی نہ آتا۔ یہ راستہ بند کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں: لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ. (جامع ترمذی، حدیث: 1234) یعنی ایک ہی معاہدے میں قرض اور بیع کو جمع کرنا جائز نہیں۔

دوسروں کے والدین کو گالی دینے کی ممانعت: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی کہ معلم کائنات ﷺ نے فرمایا: «مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ»۔ "انسان کا اپنے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہوں سے ہے۔" صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: کیا کوئی اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟ (اُن پاک لوگوں کا خیال تھا کہ ایسا نالائق کون ہوگا جو اپنے والدین کو گالی دے) آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ»۔ یعنی اگر کوئی شخص دوسرے کے والد کو گالی دے اور وہ جواب میں اِس کے والد کو گالی دے تو گویا اِس نے خود اپنے والد کو گالی دی، اِسی طرح یہ کسی کی ماں کو گالی دے اور وہ جواب میں اِس کی ماں کو گالی دے تو گویا اِس نے خود اپنی ماں کو گالی دی۔ (صحیح مسلم، حدیث: 273)

اس حدیث پاک میں "سدِّ ذرائع" کی کیسی خوبصورت تربیت ہے کہ دوسرے کے والدین کو بُرا کہنا اپنے والدین کی تذلیل کا ذریعہ بن سکتا ہے، لہٰذا وہ بات کہے ہی نہیں جس سے اِس کے والدین کی عزت پر حرف آسکتا ہو۔

جنسی جرائم اور سدِّ ذرائع

اگر ہم انصاف کی نظر سے جنسی تشدد کے واقعات میں اضافہ کے اسباب پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ شریعت تو بُرائی کے اسباب ختم کرنے پر زور دیتی ہے، مگر ہم دانستہ یا نادانستہ طور پر برائی کے اسباب کو خود پروان چڑھا رہے ہیں، پھر جب پانی سر سے گزرتا ہے

تو رسمی طور پر کچھ وقت کے لیے شور ڈال کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ یورپ اور یہود و نصاری صرف جبری برائی کے خلاف ہیں، کوئی بے حیا اپنی مرضی سے ایسا کرے تو اُن کی نظر میں وہ قابلِ مذمت نہیں۔ اگر اسلام کی حسین تعلیمات اور اُصول نافذ ہو جائیں تو معاشرہ ایسا پاکیزہ ہو کہ جبری بُرائی تو دور کی بات ہے، کوئی اپنی خوشی سے بھی بد اخلاقی کا تصور نہ کرے۔ یہ محض جوشِ بیان نہیں، سو فیصد حقیقت ہے۔ درج ذیل میں کچھ اسلامی اُصولوں اور اُن پر عمل سے متعلق ہماری صورت حال کا ذکر ہو گا۔

بے حیائی کا سدباب: برائی کے مقابلے سب سے بڑی رکاوٹ جذبۂ حیاء، اگر حیا نہیں تو برائی سے کوئی رکاوٹ نہیں۔ سیدنا ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولَى: إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ». (صحیح بخاری، حدیث:6120) یعنی پہلے تشریف لانے والے انبیائے کرام علیہم السلام کے کلام میں سے یہ بات بھی ہے کہ اگر تیرے پاس حیا کی دولت نہیں تو جو چاہے کر، تجھے کوئی روکنے والا نہیں۔

رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کا یہ حسین کلام نفسیات کے اُصول کے مطابق ہے، کیونکہ انسان کے لیے برائی سے صرف دو رکاوٹیں ہیں: ایک لوگوں سے حیا اور دوسری اللہ تعالیٰ سے حیا۔ جسے لوگوں سے شرم و حیا نہ ہو وہ اُن کے سامنے برائی سے نہیں بچتا اور جسے اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا نہ ہو وہ تنہائی میں بھی برائیوں سے نہیں بچتا۔ جانوروں میں شرم و حیا اور ستر و حجاب کے جذبات نہیں ہوتے یہ صرف اور صرف انسانی جذبہ ہے، اگر یہ جذبہ ختم ہو جائے تو انسان بھی جانوروں کی طرح کسی قید کا پابند نہیں رہتا۔

ہماری صورت حال: ایک طرف ہم پُر تشدد واقعات میں اضافہ پر مگر مچھ کے آنسو بہاتے ہیں، دوسری طرف عملی طور پر صورت حال یہ ہے کہ عالمی اور ملکی سطح پر جس تہذیب کو فروغ دیا جارہا ہے وہ انسان کے اخلاق کو تباہ کر دینے والی ہے۔ فحش تصاویر سے بھرے اخبارات ہر گھر میں پہنچتے ہیں، انٹرنیٹ پر بے حیائی کا طوفان نگاہوں کے تقدس کا جنازہ نکال رہا ہے، خواتین کی تصاویر کو کاروبار کی تشہیر کا ذریعہ بنالیا گیا ہے، شادی اور دیگر رسموں میں ماحول دیکھ کر ایسے لگتا ہے کہ حیا اِن لوگوں کے قریب سے بھی نہیں گزری، ہر رکشے پر بے حیائی والے جملے، ہر طرف اخلاق تباہ کر دینے والا ماحول۔ کیا ایسے معاشرے میں پروان چڑھنے والے نوجوانوں کا کردار سیدنا بایزید بسطامی علیہ الرحمہ والا ہو گا؟ اس صورت حال کے تناظر میں درج ذیل آیت مبارکہ پر غور کرنا چاہیے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ. بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلے اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔(النور24:19)

اگر ہم جنسی جرائم کو روکنے میں سنجیدہ ہیں تو ہمیں اُس کے بڑے سبب بے حیائی کو روکنے اور حیا کو فروغ دینے کے لیے کوششیں کرنا ہوں گی۔

بدنگاہی کا خاتمہ: اخلاق بگڑنے کا آغاز نگاہ بگڑنے سے ہوتا ہے۔ شیطان سب سے پہلے بدنگاہی کے جال میں پھنساتا ہے، اگر خدانخواستہ انسان اس مرحلے میں ناکام ہو جائے تو اگلے مراحل شیطان کے لیے آسان ہو جاتے ہیں۔ اسلام نے مسلمان مَردوں اور خواتین کو حکم دیا ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ نہ مَرد دوسرے کی ماں، بہن کو بری نظر سے دیکھے، نہ خاتون غیر محرم مرد کو بری نظر سے دیکھے۔ اس حسین تعلیم کے نتائج پر غور کیجیے کہ جو شخص دوسرے کی ماں بہن کی طرف بری نظر سے دیکھنا گوارا نہیں کرتا وہ اُس کی عزت تار تار کرنے کا کیسے تصور کر سکتا ہے؟ اور جو خاتون غیر محرم مرد کو بری نظر سے دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی کوئی اُسے اپنی طرف مائل کرنے کا تصور بھی کیسے کر سکتا ہے۔ یہ خوبصورت مزاج سکھاتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ....[النور:30، 31] مفہوم وخلاصہ یہ کہ اے حبیب ﷺ! مسلمان مَردوں کو حکم دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور حرام کاموں سے بچیں، پردے والے حصوں کو چھپائیں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے، بے شک اللہ ان کے کاموں سے خبردار ہے۔ اور مسلمان عورتوں کو حکم دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنی (نماز میں بھی) زینت ظاہر نہ کریں مگر جتنا بدن کا حصہ خود ہی ظاہر ہے (نماز پڑھتے وقت بھی چہرے، دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کے علاوہ پورا بدن چھپائیں) اور اپنے دوپٹوں کے ذریعے اپنے بالوں، گردن، پہنے ہوئے زیور اور سینے وغیرہ کو ڈھانپ کر رکھیں۔۔۔

بعض لوگ کہتے ہیں: "مَیں بری نگاہ سے نہیں دیکھ رہا"۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ اس آیت میں بلاواسطہ خطاب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے۔ دنیا میں انبیا علیہم السلام کے بعد کسی کی نظروں میں اتنا تقدس نہیں جتنا اُن کی نظروں میں تھا، اس کے باوجود انھیں یہ حکم دیا گیا تو ہم کس باغ کی مولی ہیں کہ کہیں "مَیں بری نظر سے نہیں دیکھتا"۔

ہماری صورتِ حال: جنسی تشدد کے واقعات پر تو ہمیں افسوس ہے، لیکن کیا ہم نے کبھی اپنے رویے پر غور کیا ہے۔ کیا ہمارے بچے، ہمارے بھائی، ہمارے گھر کی خواتین بدنگاہی سے بچتی ہیں؟ ہم خود اپنی نگاہ کی حفاظت کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو یہ صورت حال ہماری پیدا کردہ ہے اور ہمیں اس کے تدارک کے لیے اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے نگاہوں کی حفاظت کرنے کی ضرورت ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ نے کی تحریر کا خلاصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو اپنا ولی بنانا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اُس کی پریشان نظری کی عادت چھڑاتا ہے، باقی منازل اِس کے بعد ہوتی ہیں۔ (مطلع القمرین، مقدمہ، تبصرۂ رابعہ)

اپنی طرف متوجہ کرنے سے اجتناب: شریعت مطہرہ نے خواتین کی ایسی اخلاقی تربیت فرمائی ہے کہ اگر وہ اُس پر عمل کریں تو کوئی دوسرا اُن کی طرف برے ارادے سے متوجہ ہی نہ ہو۔ اُن کی عزت کی حفاظت کے لیے دین اُنھیں سکھاتا ہے

کہ وہ گفتگو، چال چلن اور دیگر اُمور میں ایسا انداز اختیار کریں کہ اُن کی عصمت و شرافت کے پیشِ نظر کسی کے دل میں اُن کے لیے بُرا خیال ہی نہ آئے۔

نبی کریم ﷺ کے زمانۂ اقدس میں عورتیں مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتی تھیں، بعد میں حالات بدل جانے کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں انہیں جماعت کے لیے مسجد میں حاضری سے منع کر دیا گیا۔ سرکار ﷺ کے زمانہ میں وہ مسجد میں آتے ہوئے ادب پیشِ نظر رکھ کر خوشبو بھی لگا لیتیں۔ مسجد میں خوشبو لگا کر آنا اچھا عمل ہے، مگر یہ اندیشہ تھا بعد میں آنے والی خواتین اس عمل کا سہارا لے کر خوشبو لگا کے گھروں سے باہر نکلتیں اور لوگ فتنہ میں مبتلا ہو کر انہیں بری نظر سے دیکھتے۔ نبی کریم ﷺ نے برائی کا یہ ممکنہ ذریعہ ہی ختم فرمادیا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بَخُورًا فَلاَ تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الآخِرَةَ». (صحیح مسلم، حدیث:1026) یعنی جس عورت نے خوشبو لگائی ہو وہ نمازِ عشا کی جماعت میں ہمارے ساتھ حاضر نہ ہو۔ (اُس وقت صرف عشا کے وقت منافقین سے خطرہ تھا تو آپ ﷺ نے صرف عشا میں شرکت سے منع کیا...)

ہماری صورت حال: رسول اللہ ﷺ نے تو عورت کی عزت کی حفاظت کے لیے اُسے مسجد نبوی میں اپنے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے خوشبو لگا کر جانے کی اجازت نہیں دی، ہماری خواتین شاپنگ سنٹرز، گلیوں، بازاروں میں تیز ترپرفیوم لگا کر گھومتی ہیں، پھر بھی سمجھتی ہیں کہ ہم محفوظ ہیں۔ عزت تب ہی محفوظ رہے گی جب اسلامی تعلیمات پر عمل کریں گے۔

مخالف جنس کے ساتھ تنہائی اور اکیلے سفر سے اجتناب: بزرگ فرماتے ہیں: ”اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ مَیں شیطان سے محفوظ ہوں، وہ مجھے نہیں بہکا سکتا تو اِس کا مطلب ہے کہ شیطان نے اُسے پوری طرح قابو کر لیا ہے۔“ ہمارے معاشرے کے اکثر لوگ اِسی خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ ہم اپنے بچوں کے بارے سمجھتے ہیں کہ وہ تو بہت شریف اور سمجھ دار ہیں، اُن کی نگرانی کی ضرورت ہی نہیں۔ بلکہ خود پورا دن جن خیالات میں گزارتے ہیں وہ سب کچھ معلوم ہمیں معلوم ہے، پھر بھی یہی سمجھتے ہیں کہ میرے دل میں تو کوئی برائی ہے ہی نہیں۔ کئی خواتین بھی اِسی خوش فہمی میں اپنی عزت گنوا بیٹھتی ہیں۔

شریعت نے سدِّ ذرائع کے اُصول کے مطابق پاکدامنی کی حفاظت کے لیے یہ حکم دیا ہے کہ اجنبی مرد و عورت کے لیے ایک جگہ تنہائی حرام ہے۔ ایسے ہی کوئی خاتون اپنے محرم کے بغیر اکیلے شرعی مسافت کا سفر کرتی ہے تو وہ سخت گناہ گار ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: «لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ، وَلاَ تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ». ”کوئی بھی مرد کسی بھی (اجنبی) عورت کے ساتھ ہرگز تنہائی اختیار نہ کرے۔ اور کوئی بھی عورت محرم کے بغیر ہرگز سفر (شرعی) نہ کرے۔“ یہ اِرشاد سُننے کے بعد ایک صاحب نے کھڑے ہو کر عرض کی: يَارَسُولَ اللهِ! اُكْتُتِبْتُ فِي غَزْوَةِ كَذَا وَ كَذَا، وَخَرَجَتِ امْرَأَتِي حَاجَّةً۔ یارسول اللہ! فلاں غزوہ کے مجاہدین میں میرا نام بھی درج ہے اور میری بیوی حج کرنے کے لیے روانہ ہو چکی

ہے، (اب میں جہاد میں شرکت کروں یا اپنی بیوی کے ساتھ حج کے لیے چلا جاؤں تاکہ وہ اکیلی سفر نہ کرے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: «اِذْهَبْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ»۔ جاکر اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

ہماری صورت حال: آپ ﷺ نے حج کے مبارک سفر کے لیے پاکیزہ کردار صحابیہ رضی اللہ تعالی عنہا کو تنہا جانے کی اِجازت نہیں دی، بلکہ جذبۂ جہاد سے سرشار اُن کے شوہر رضی اللہ تعالی عنہ کو جہاد میں شرکت سے روک کر اپنی بیوی کے ساتھ حج کا حکم دیا۔ دوسری طرف ہم ایسی خوش فہمی کا شکار ہیں عورت کے لیے سفر میں محرم کی شرط کو بوجھ سمجھتے ہیں، بلکہ اِسے خاتون کی آزادی کے خلاف قرار دیتے ہیں۔

زیورات کو اِضافی حفاظت کے ساتھ اس لیے نہیں رکھا جاتا ہے کہ اُنھیں قید کرنا مقصود ہے، بلکہ اِس لیے رکھا جاتا ہے کہ وہ بہت قیمتی ہیں، ایسے ہی شریعت نے خواتین کو اجنبی مرد کے ساتھ تنہائی اور اکیلے سفر سے قید کرنے کے لیے نہیں روکا، بلکہ اِس لیے روکا ہے کہ اُس کی عصمت بہت قیمتی ہے، جس کی حفاظت نہایت ضروری ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ۔ (جامع ترمذی، حدیث:2165) سن لو! جب بھی کوئی مرد کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ تنہا ہو تو ضرور اُن کے ساتھ شیطان ہوتا ہے (جو اُنھیں برائی کی طرف لے جانے کی کوشش کرتا ہے)۔

شرعی سزاؤں کا نفاذ اور نظامِ عدل کا قیام

ہر معاشرے میں جرائم کے سدباب کے لیے سزائیں تجویز کی جاتی ہیں۔ اب بھی سزاؤں کے حوالے سے قانون سازی جاری ہے۔ سزا مؤثر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ معاشرے کی ضرورت کے مطابق ہو، نہ تو اتنی کم ہو کہ مجرم پر کوئی اثر ہی نہ کرے اور نہ ہی اتنی سخت ہو کہ معاشرے کو باغی کردے۔ اگر سزا مؤثر نہ ہو تو وہ مذاق بن جاتی ہے اور جرم کے ارتکاب میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

ہمارے ملکی نظام میں سزائیں کتنی مؤثر ہیں؟ مظلوم کو ظالم کے خلاف رپورٹ درج کرانے سے لے کر اُسے سزا دلانے تک کیا کچھ کرنا پڑتا ہے؟ پھر کورٹس کی گرفت کتنی مضبوط ہے اور کورٹس کے فیصلوں پر کتنا عمل درآمد ہوتا ہے؟ یہ سب کچھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس صورت حال میں جرائم کے سدباب کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مؤثر اسلامی سزائیں نافذ کی جائیں، اس کے ساتھ ساتھ تھانہ کلچر اور کورٹ پروسیجر کو بھی بہتر کیا جائے۔ جب تک ایسا نہ ہو جائے کہ غریب ترین شخص کو بھی یقین ہو کہ اگر میرے ساتھ ظلم ہوا تو مَیں کورٹ کے ذریعے انصاف حاصل کرلوں گا، تب تک جرائم کو نہیں روکا جاسکتا۔

مسلمانوں کے پہلے خلیفہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے پہلے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا: وَالضَّعِيفُ فِيكُمْ قَوِيٌّ عِنْدِی حَتّٰى أُرِيحَ عَلَيْهِ حَقَّهُ إِنْ شَاءَ اللهُ، وَالْقَوِيُّ فِيكُمْ ضَعِيفٌ عِنْدِي حَتّٰى آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ إِنْ شَاءَ اللهُ۔ (جامع

الاحادیث، سیرتِ ابن ہشام، تاریخ ابن جریر) تم میں سے جو (بظاہر) کمزور ہے، وہ درحقیقت میرے نزدیک طاقتور ہے تاوقتیکہ میں (ظالم سے) اُس کا حق لے کر اُس کو واپس دلا دوں ان شاء اللہ تعالیٰ، اور تم میں جو بظاہر بڑا طاقتور ہے، وہ میرے نزدیک (سب سے) کمزور ہے تاوقتیکہ میں اُس سے (مظلوم کا) حق واپس لے لوں ان شاء اللہ تعالیٰ۔

صفر کو منحوس سمجھنا

دور جاہلیت میں لوگوں کے اندر پائے جانے والے توہمات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ لوگ ماہِ صفر کو منحوس سمجھتے تھے۔ اب بھی اِس جاہلانہ سوچ کا اثر باقی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اِس مہینہ میں بلائیں نازل ہوتی ہیں، لوگ شادی نہیں کرتے، رخصتی سے اجتناب کرتے ہیں، سفر سے گریز کرتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ اس مہینہ میں جنات کام بگاڑتے ہیں، کوئی بیمار ہو جائے تو بچنا مشکل ہوتا ہے۔ خصوصاً ماہ صفر کی ابتدائی تیرہ تاریخیں بہت زیادہ منحوس سمجھتے ہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لاَ عَدْوٰی وَلاَ صَفَرَ وَلاَ هَامَةَ» یعنی نہ تو بیماری متعدی ہوتی ہے اور نہ ہی صفر منحوس ہے اور نہ ہی اُلو منحوس ہے۔[2] (متفق علیہ)

ماہِ صفر بھی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض مہینوں کو عظمت دی ہے، مگر کسی مہینے کو بے توقیر نہیں کیا۔ اُس نے بعض میں برکت زیادہ رکھی ہے، مگر کسی کو منحوس نہیں کیا۔ نحوست بداعمالیوں کی ہوتی ہے، جن سے ہم ڈرتے نہیں ہیں۔ منحوس سمجھے بغیر آفات سے بچنے کے لیے صفر میں صدقہ و خیرات کرنا اچھی بات ہے۔

حرفِ آخر: یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اس وقت ہم ایک طرف جنسی جرائم میں اضافہ کا رونا رو رہے ہیں، دوسری طرف اِن کے اسباب کو بھی پروان چڑھا رہے ہیں۔ بے حیائی، بد نگاہی، مردوں اور خواتین کا اختلاط، پردہ اور حجاب سے دوری، مخالف جنس کو اپنی طرف مائل کرنا، اِنہی اسباب سے جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے اور اِنھیں چھوڑنے کے لیے ہم تیار نہیں ہیں۔ خطبہ میں ذکر کی گئی آیات مبارکہ اور احادیث طیبہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ آج جن خرابیوں کی وجہ سے برائیاں پھیل رہی ہیں، صدیوں پہلے اللہ تعالی اور اُس رسول

[2] وضاحت: حضرت محمد بن راشد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: أَنَّ أَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ يَسْتَشْئِمُونَ بِصَفَرَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ « لاَ صَفَرَ ». (ابوداود) اہل عرب یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اگر کسی شخص کو قتل کر دیا جائے تو اس کی کھوپڑی سے ایک جانور نکلتا ہے جس کا نام ہامہ ہے۔ وہ ہمیشہ ان الفاظ میں فریاد کرتا رہتا ہے: ”مجھے پانی دو“، جب تک قاتل کو قتل نہ کر دیا جائے فریاد کرتا رہتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہامہ سے مراد اُلو ہے، عرب والے سمجھتے تھے کہ جس گھر پر اُلّو آکر بیٹھ جائے اور بولے تو وہ گھر ویران ہو جاتا ہے یا اس کا گھر سے کوئی مر جاتا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ولا هامة“

ﷺ نے سختی کے ساتھ اُن سے منع فرمایا دیا تھا۔ اس وقت شدید ضرورت ہے کہ وقتی شور شرابے کے بجائے مستقل حل نکالیں، بیان بازی سے آگے نکل کر عملی اقدامات کریں۔ شریعت کا نظام نافذ کرکے دنیا و آخرت کی بہاریں حاصل کریں۔ ہماری رسوائی اور اُس کے سبب کا ذکر کرتے ہوئے اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

رُسوا کیا اِس دور کو جَلوت کی ہوس نے
روشن ہے نِگہ آئنۂ دل ہے مکدّر
بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر[3]

[3] موتی وہی بنتا ہے جو سیپی کی آغوش میں چھپتا ہے، جو قطرہ "آزادی" کا طلبگار ہو وہ کبھی موتی نہیں بنتا